ستمبر ۱۹۴۵ء
۳ — نمبر ۱

نونہال

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

فہرست

آج کا برما

جب سے برما آزاد ہوا ہے پیگوڈا کا مشہور مندر، جاتریوں کی زیارت گاہ بن گیا ہے

برمی خواتین اس طرح بال سنوارتی ہیں

ان دو برمی بچوں کو جاپانیوں کے چلے جانے کی بڑی خوشی ہے

THE PLANT
FACTORY

ہندوستان کی مدد کیجئے ۔

اسطرح !

چیزوں کو احتیاط سے برتیئے تاکہ وہ زیادہ عرصے تک کام دے سکیں۔ کفایت شعاری سے کام لینا آپکا قومی فرض ہے ۔ جب تک آپ کم چیزیں خرید کر رسد پر سے بوجھ نہ ہٹائینگے ہندوستان کے غریبوں کی مصیبت کم نہ ہوگی۔ آپکے ذاتی مفاد کی نظر سے بھی کفایت شعاری اچھی چیز ہے ۔ اسطرح سے باقاعدہ آپکے پاس روپے کی بچت ہوتی رہیگی اور جو روپے آج خرچ نہیں ہوئے جلد جمع ہوتے ہوتے بہت سے ہوجائینگے ۔
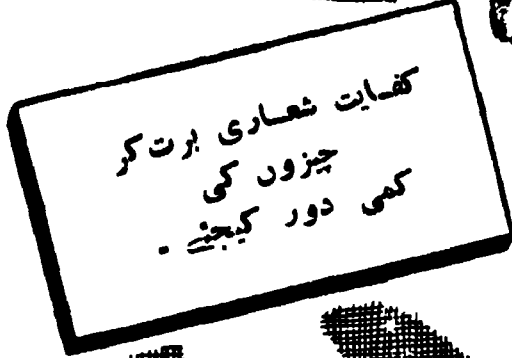
کفایت شعاری برت کر
چیزوں کی
کمی دور کیجئے ۔

بجلی کا بل نہ بڑھنے دیجئے ۔

۱ کمرے میں کوئی نہ ہو تو پنکھا اور بتی بند کردیجئے ۔

اگر پانی ٹپک رہا ہو تو نل بند کردیجئے ۔

۲ فالتو پانی خرچ کرکے کیوں زیادہ روپیہ ادا کیا جائے ۔
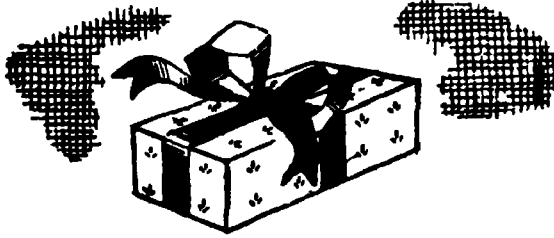
۳ زیادہ قیمتی تحفہ مت دیجئے ۔

۴ گھر ہی میں رہئے اور روپیہ بچائیے ۔

۵ چینی کے برتنوں کے بجائے دھات کے برتن استعمال کیجئے ۔

۶ نئے کپڑے نہ بنائیے ۔

BUY NOTHING YOU CAN DO WITHOUT

۲۶ ستمبر کو جاپان کے شہنشاہ ہیرو ہیٹو جنرل میکارتھر سے ٹوکیو کے امریکی سفارتخانے میں ملنے گئے۔ یہ ملاقات ۳۵ منٹ تک جاری رہی۔ اور شہنشاہ نے جنرل میکارتھر کا شکریہ ادا کیا کیونکہ انھوں نے جاپان پر پُرامن طریقے پر قبضہ کیا۔ یہ جاپان کی تاریخ میں دوسرا واقعہ تھا کہ شہنشاہ کسی عام آدمی کے گھر گیا ہو۔ یہی پہلا جاپانی شہنشاہ تھا جس نے ایک قریب المرگ وزیر کے گھر جاکر یہ رسم توڑی تھی۔

امریکن افسر اب جاپان کی تجارت اور بنکوں کو اپنی نگرانی میں لا رہے ہیں۔ وہ جاپانی خفیہ پولیس کو توڑ کر ملک میں آزادی سے رائے ظاہر کرنے کا حق لوگوں کو دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ شہنشاہ جاپان جس کو مقدّس اور تمام عیوب سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اس پر بھی جاپانیوں کو بحث کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔

ایک اور ملک جس کے متعلق بہت سی خبریں آرہی ہیں وہ فلسطین ہے۔ امریکہ کے پریذیڈنٹ نے کہا تھا ... ۰۰ یہودیوں کو فلسطین میں جاکر آباد ہونے کی اجازت ملنی چاہئے کیونکہ بنی اسرائیل کا پرانا وطن یہی ہے۔ لیکن عرب جو فلسطین میں رہتے ہیں اس تجویز کے خلاف ہیں۔ اسلئے ملک میں بہت بےچینی پھیلی ہوئی ہے۔ عرب لیگ کے سکریٹری جنرل نے کہا ہے کہ یہودیوں کی عربوں پر غالب آنے کی تمام کوششوں کے خلاف ہم لڑیں گے۔ انھوں نے برطانیہ کے وزیر خارجہ سے بھی ان مشکل معاملات کو سلجھانے کی اپیل کی ہے لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔

برطانیہ، امریکہ، فرانس، روس، اور چین کے غیر ملکی معاملات کے وزیر جنہیں "پانچ بڑے لوگ" کہا جاتا ہے۔ لندن میں صلح قائم کرنے کے مسئلہ پر بحث کرنے جمع ہوئے تھے۔ بلقان کی ریاستیں اور مشرقِ وسطےٰ کے سوال پر بھی غور کیا گیا لیکن کانفرنس بغیر کسی فیصلہ کے ختم ہوگئی۔

لڑائی ختم ہوچکی ہے اور ہر شخص اب امان وامان چاہتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس دنیا میں بہت بےچینی پھیلی ہوئی ہے، لوگ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رکھتے۔ اور بہت خودغرضی برتتے ہیں۔ وہ اپنا مطلب نکالنے کے لئے بغیر دوسروں کا خیال رکھے درپردہ بہت سے جوڑ توڑ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس قسم کی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ امن وصلح جب ہی قائم رہ سکتے ہیں جب انسان ایک دوسرے پر بھروسہ کرسکے اور ہر قوم خود کو اس اعتماد کے قابل بنالے۔ عزّت بیچ کر جو کچھ بھی حاصل کیا جائے وہ بیکار ہے۔ اگرچہ تم لوگ ابھی بچّے ہو اور دنیا کے دھندوں سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں پھر بھی تم امن قائم رکھنے میں خود کو قابلِ احترام اور قابلِ اعتماد ثابت کرکے ہاتھ بٹا سکتے ہو۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہی زبان پر لاؤ اور جو زبان پر ہے وہی دل میں ہونا چاہئے۔ جس بات کا تم وعدہ کرلو چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہوجائے تم اس سے نہ پھرو۔ اگر ہر شخص اس بات پر عمل کرنے لگے تو دنیا خود بخود بہتر ہوجائیگی ٭

بڑے مصنفوں کی کہانیاں

ڈون کی ہوٹی

ڈون کی ہوٹی سپین کے ایک بہت بڑے مصنف "سروانیٹز" کی لکھی ہوئی ایک دلچسپ کہانی ہے آپ بھی ہیرو کے مضحکہ خیز کارناموں کا لطف اٹھائیے۔

سپین کے کسی گاؤں میں ایک شخص "کی ہاڈا" نامی اپنی نوجوان بھتیجی اور ایک بڑھیا ماما کے ہمراہ رہتا تھا اسکے ہاں ایک مرد ملازم بھی تھا جو کھیتوں اور گھوڑے کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ کی ہاڈا کی عمر ۵۰ برس کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ لمبے قد کا منحنی سا انسان تھا۔ اور سارا وقت شکار میں یا پرانے زمانے کے نائٹوں کے قصے کہ کس طرح وہ بے یار و مددگار حسین عورتوں کو مصیبت سے بچاتے اور کس طرح ظالم بادشاہوں، بناؤٹی نائٹوں اور چالاک جادوگروں کو نیچا دکھاتے تھے، پڑھنے میں گزارتا تھا۔ کی ہاڈا کے دل میں سوائے ان نائٹوں اور ان کی بہادری کے کوئی خیال ہی نہ آتا تھا بعض دفعہ تو ایسا ہوتا تھا کہ دنوں تک وہ کہانیاں پڑھتا رہتا۔ اتنا پڑھنے سے اس کا دماغ ایسا خراب ہوا کہ وہ سمجھنے لگا کہ یہ سب باتیں سچ ہیں لہذا اسنے بھی خود نائٹ بن کر مہیں سر کرنے کی ٹھان لی۔

لیکن یہ بہروپ بھرنے کے لئے تیاری کی ضرورت تھی سب سے پہلے تو اسے زرہ بکتر چاہئے تھا۔ اسے یاد آیا کہ زرہ بکتر کے کچھ زنگ آلود حصے جو بزرگوں کے وقت سے چلے آتے تھے کسی کونے میں پڑے ہیں۔ اس نے ملازم سے انھیں صاف کروایا۔ لیکن زرہ بکتر میں سب سے ضروری چیز یعنی خود غائب تھی۔ کی ہاڈا کے پاس ایک فولاد کی ٹوپی تو تھی لیکن اس سے چہرے کا بچاؤ نہ ہو سکتا تھا۔ اسلئے اس نے ٹوپی میں کاغذ لگا لیا۔ ٹوپی خاصی اچھی ہوگئی لیکن افسوس ہے کہ جب اس نے اس کا امتحان لیا تو معلوم ہوا کہ لڑائی میں وہ کچھ کام نہ دے گی۔ ایک ہی وار میں تمام ہفتے کی محنت پر پانی پھر گیا۔ اس نے پھر کوشش کی اور کاغذ کو سخت کرنے کے لئے اسکے نیچے لوہے کی پتیاں لگا دیں۔ اس

نئی خود کو دیکھکر وہ اتنا مسرور ہوا کہ اس ڈر کے مارے کہ کہیں وہ پھر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے اس نے اس کو آزما کر نہ دیکھا۔

ایک دوسری چیز جسکی نائٹ کو ضرورت ہوتی ہے وہ ایک اچھا گھوڑا ہے اسلئے وہ اصطبل میں اپنے وفادار چھکڑے میں جوتے جانے والے گھوڑے کے پاس گیا۔ یہ گھوڑا بالکل اپنے مالک کی طرح مریل تھا۔ لیکن کی ہاڈا کے پاس اور کوئی گھوڑا نہ تھا۔ اس نے یہ سوچ کر کہ شاید شاندار نام رکھنے سے اسکا گھوڑا بھی نائٹوں جیسا شاندار ہو جائے۔ گھوڑے کا نام "روزی نانٹے" رکھا۔

اب کی ہاڈا نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا نام بھی ایسا رکھے جو نائٹوں کے شایانِ شان ہو۔ اسلئے اس نے اپنا نام "ڈون کی ہوٹی آف مانچا" رکھا اور اسی نام سے ہمارا نائٹ مشہور ہو گیا۔ اب صرف اسے ایک ایسی خاتون کی ضرورت تھی جس پر وہ اپنی خدمت اور محبت نچھاور کر سکے۔ اسنے گاؤں کی ایک حسین لڑکی کا انتخاب کیا اور اس کا نام "ڈل سینیا" رکھا۔ ان سب باتوں کی بیچاری لڑکی کو کچھ خبر نہ تھی۔ زرہ بکتر، خود، گھوڑا اور حسین دوشیزہ، یہ تمام چیزیں پوری کرنے کے بعد ڈون کی ہوٹی دنیا کی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے روانہ ہوئے۔

ڈون کی ہوٹی نائٹ بنائے جاتے ہیں

جولائی کا ایک گرم دن تھا اپنی بھتیجی اور خادمہ کو بتائے بغیر ڈون کی ہوٹی نے خود کو ہتھیاروں سے لیس کیا اور روزی نانٹے پر سوار ہو سر پر خود جما اور بھالا ہاتھ میں لے چل کھڑے ہوئے ایک دم انھیں خیال آیا کہ انھیں نائٹ تو بنایا ہی نہیں گیا۔ ہر نائٹ کو نائٹیت کے قانون کے مطابق لڑائی میں جانے

سے پہلے چند رسمیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ جولائی کی تیز دھوپ میں انہوں نے اپنے
گھوڑے کو جدہر منہ اٹھا چلنے دیا اور راستے بھر اپنے کارہائے نمایاں کے خواب
دیکھتے رہے۔ آخر جھٹ پٹے کے وقت وہ ایک سرائے کے پاس آکر ٹھہرے
انہوں نے اسکو چار مینار کا قلعہ سمجھا اور سرائے کے مالک کو وہاں کا عالی نسب حکمراں
کہنے لگے۔ اس عالیشان قلعے کے مالک۔ میرے آقا مجھے نائٹ بنانے کی
عزت بخشئے میں ڈون کی ہوٹی آف مانچا ہوں۔ اور یہ میرا بہادر گھوڑا روزی نانٹے ہے۔
بیچارا سرائے کا مالک بہت حیران ہوا لیکن ظریف طبع آدمی تھا
اس نے کہا میں بھی کسی زمانے میں بہت بڑا نائٹ تھا۔ اور بہت دور دراز افتادہ
جگہوں میں میں نے بڑی مہمیں سر کی ہیں۔ لہٰذا میں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ
گھر واپس جائیے اور کچھ روپیہ صاف قمیصیں اور ایک مرہم کی ڈبیہ لے کر آئیے
تاکہ لڑائی میں زخم آئیں تو ان پر پھاہا
رکھ سکیں۔

سرائے کے مالک نے ڈون کی ہوٹی کو رات
بھر ہتھیاروں کے پاس بیٹھ کر دعا مانگنے
کی اجازت دے دی لیکن صبح کو وہ اپنا
کھاتا اور اصطبل کی حفاظت کرنے والے
لڑکے اور دو ماماؤں کو لایا تاکہ نائٹ
بنانے کی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

ڈون کی ہوٹی نے خود کو دوبارہ ہتھیاروں سے لیس کیا اور سرائے
کے مالک کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور سرائے والے نے اپنے
کھاتے میں سے کچھ پڑھ کر بڑبڑانا شروع کیا۔ اس کا لہجہ ایسا تھا گویا کسی
مقدس کتاب میں سے آیتیں پڑھی جا رہی ہوں۔ پھر اس نے ڈون کی ہوٹی کی
پیٹھ پر ایک دھول جمایا اور اونچی آواز میں کہنے لگا۔ میں تمہیں نائٹ
بناتا ہوں ڈون کی ہوٹی آف مانچا۔

پھر اس نے ایک خادمہ کو حکم دیا کہ تلوار ان کے باندھے خادمہ نے
بہت وقار سے اس حکم کی تعمیل کی اور کہا۔ "خدا تمہاری قسمت اچھی کرے
اور تمہیں لڑائی میں کامیابی نصیب کرے۔"

دوسری نے ان کے مہمیز باندھی۔ ہمارے ہیرو از راہ مہربانی ان لڑکیوں
کی طرف مڑے اور کہا۔ حسین خواتین آپ کی اس خدمت کا میں شکریہ ادا کرتا
ہوں۔ آج سے آپ کو "خاتون ٹولوزا" اور "خاتون مولی نیرا" کہا جائیگا۔ اور
میں تمام عمر آپ کے اشاروں پر چلوں گا اور ہر مصیبت میں مدد کے لئے ہمہ تن
حاضر رہوں گا۔

ڈون کی ہوٹی اور کسان کا لڑکا اینڈرو

صبح جب ڈون کی ہوٹی نے سرائے کو خیرباد کہا تو پو پھٹ چکی تھی۔
وہ نائٹ بننے کی خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔

انہوں نے سوچا کہ گھر واپس چلا جائے۔ اور جو چیزیں سرائے
کے مالک نے کہی تھیں وہ سب جمع کر کے ساتھ میں ایک اسکوائر کو لیا جائے
کیونکہ ہر ایک نائٹ کے ساتھ ایک
اسکوائر کا ہمرکاب ہونا ضروری ہے۔

راستے میں گھنے جنگل سے انہیں کسی
کے کراہنے اور چیخنے کی آوازیں آئیں۔
انہوں نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑی
اور دیکھا کہ کوئی پندرہ برس کا لڑکا
درخت سے بندھا ہوا ہے اور ایک
کسان اسے بڑی بے دردی سے مار رہا ہے۔ ڈون کی ہوٹی نے اسے روکا
اور کہا۔ اے بدتمیز نائٹ تو ایک بے یار و مددگار کو اتنی بے رحمی سے کیوں
مار رہا ہے۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو اور بھالا نکال میں تجھ سے لڑوں گا اور
اس بزدلی کا مزا چکھاؤں گا۔ کسان نے عاجزی سے کہا۔ حضور نائٹ اگر
جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ یہ لڑکا جسے میں
سزا دے رہا ہوں میرا ملازم ہے اور بھیڑوں کی رکھوالی کرتا ہے۔ لیکن
یہ اتنا بے پرواہ ہے کہ ہر روز ایک بھیڑ گم کر دیتا ہے۔

"تمہیں میرے سامنے اتنا جھوٹ بولنے کی ہمت ہے؟" ڈون
کی ہوٹی چلائے۔

میں نیزے سے تمہیں چھید دوں گا۔ بزدل کمینے۔ لڑکے کی فوراً

دو اور فوراً اسے چھوڑ دو۔ کسان بہت افسردہ ہوا اور کہنے لگا کہ اگر لڑکا گھر تک میرے ساتھ چلے تو میں اس کی مزدوری چکا دوں گا۔ لڑکا بولا اگر میں اس کے ساتھ گیا تو یہ مجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔ ڈون کی ہوٹی نے جواب دیا۔ اس کی کبھی اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ میرے حکم سے سرتابی کرے۔ جب تک وہ نائٹیت کی قسم نہیں کھائیگا میں اسے جانے نہ دوں گا۔

"نہیں نہیں"۔ لڑکا رونے لگا۔ "میرے مالک! نائٹ نہیں وہ تو صرف ایک مالدار کسان ہے۔" کسان نے کہا "نڈر ہو میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہارا حساب بے باق کر دوں گا۔" ڈون کی ہوٹی بولا ضرور میرے حکم کی تعمیل کرنا کیونکہ میں ہی باطل کو مٹانے والا اور حق کا حامی بہادر نائٹ ڈون کی ہوٹی ہوں۔

یہ کہہ کر انھوں نے اپنے گھوڑے روزی نانٹے کو ایڑ لگائی اور ہوا ہو گئے۔ لیکن افسوس کہ ان کے جاتے ہی کسان نے لڑکے کو دوبارہ درخت سے باندھ دیا۔ اور خوب مار پیٹ کر اسکو روانہ کر دیا۔

ڈون کی ہوٹی اپنی پہلی فتح پر نازاں چلے جا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی اس مہم کا آغاز بہت اچھا ہوا ہے۔ اتنے میں ان کی چند سوداگروں اور ان کے نوکروں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ڈون کی ہوٹی نے انھیں بھی مقابلہ کی دعوت دی۔ لیکن روزی نانٹے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ ڈون کی ہوٹی اپنے بھاری ہتھیاروں کی وجہ سے اٹھ نہ سکے۔ اسلئے سوداگروں کے ملازمین نے انھیں خوب پیٹا۔ اور انھیں اسی طرح زمین پر زخمی پڑا چھوڑ کر انھوں نے اپنی راہ لی۔

ڈون کی ہوٹی اور پون چکیاں

ہمارے نائٹ کو کسی نے اٹھا کر گھر پہنچا دیا۔ یہاں انھیں بستر پر لیٹنا پڑا۔ کیونکہ ان کا جسم چور چور ہو رہا تھا۔ لیکن جلد ہی ان کے دل میں دوبارہ باہر نکلنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ پہلے انھیں اپنا اسکوائر چننا تھا لہٰذا انھوں نے ایک مزدور سانچو پانزا نامی کا انتخاب کیا۔ یہ شخص نہایت ایماندار لیکن ساتھ ہی ساتھ انتہائی درجے کا بیوقوف تھا۔ ڈون کی ہوٹی نے کہا کہ میرے ساتھ کارہائے نمایاں میں حصہ لینے کے لئے میرے اسکوائر بن کر چلو۔ ممکن ہے ہم بہت جلد کوئی جزیرہ فتح کر لیں پھر میں تمہیں وہاں کا گورنر بنا دوں گا۔

گورنر بننے کا نام سنکر سانچو پانزا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور وہ فوراً راضی ہو گیا اور جا کر اپنا گدھا لے آیا۔ پھر یہ نائٹ اور اسکوائر کا جوڑا اپنے شاندار مستقبل کی باتیں کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔

وہ باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ دور سے انھیں تیس چالیس پون چکیاں نظر آئیں۔ انھیں دیکھتے ہی ڈون کی ہوٹی بول اٹھے کہ ہماری قسمت یاور معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہمیں امید سے زیادہ موقع مل رہا ہے۔ وہ دیکھو سامنے تیس چالیس دیو کھڑے ہیں۔ میں ان سے لڑوں گا۔ میں انھیں جان سے مار دوں گا اور پھر ہم دونوں امیر ہو جائیں گے۔

سانچو بولا "کونسے دیو؟"

"وہ بڑے بڑے بازوؤں والے دیو جو سامنے نظر آ رہے ہیں یہ دیو اس نسل کے معلوم ہوتے ہیں جن کے بازو دو میل لمبے ہوتے ہیں۔"

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

بہت عرصے سے تم لوگ 'نونہال' اور 'ہے ڈے' پڑھنے والوں کی ایک لیگ بنانے کے لئے اصرار کر رہے ہو لو اب خوش ہو جاؤ اس لیگ کا نام "نوڈے لیگ" رکھا گیا ہے۔ صرف وہی لوگ اس لیگ کے ممبر بن سکتے ہیں جو 'نونہال' یا 'ہے ڈے' کے باقاعدہ خریدار ہیں۔ لیگ کا مقصد ممبروں میں ایکا اور ہمدردی پیدا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ آیندہ کے لئے بہت سی دلچسپ تجویزیں بھی ہمارے ذہن میں ہیں۔ اس کے بارے میں ہر مہینے "نوڈے لیگ" کے صفحے پر تمہیں بتایا جائے گا۔

اگر تم ممبر بننا چاہتے ہو تو نیچے دیا ہوا فارم بھر کر آٹھ آنے کے ٹکٹوں کے ساتھ بھیج دو۔ اس کے بدلے میں تمہیں ممبری کا سرٹیفکٹ اور جب "نوڈے لیگ" کا بِلّا تیار ہو جائے گا تو وہ بھی بھیجا جائیگا۔ تم اس بلّے کو بڑے فخر سے لگاؤ گے اور

پھر جہاں کہیں بھی "نوڈے لیگ" کے ممبر نظر آئیں گے انھیں پہچان سکو گے۔

تمہاری خالہ

مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ....

چندہ بھیجنے کی تاریخ .... چندہ ختم ہونے کی تاریخ ....

نام ....

تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ....

سرپرست کا نام ______________________

پورا پتہ ______________________

____

دستخط ______________________

تاریخ ______________________

کول تار کے کرشمے

تمہیں یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ چمکتی ہوئی سیاہ چیز کول تار جو مزدور سڑکوں کی مرمت میں استعمال کرتے ہیں دنیا کی عجیب و غریب چیزوں میں سے ہے۔ کول تار کو ایک طرح کا خزانہ سمجھنا چاہئے کیونکہ اس سے تقریباً ۲۰۰ سے زیادہ چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اور بہت سی جدید فیکٹریاں تو انھیں چیزوں کے بل بوتے پر چل رہی ہیں۔ ہم جدھر بھی جائیں ہمیں کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ملے گی جو کہ کول تار سے بنائی گئی ہے۔

کول تار جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے کوئلے کی ایک ضمنی پیداوار ہے جب کوک بنانے کے لئے کوئلے کو حرارت پہنچائی جاتی ہے تو کوئلے میں سے بہت سے اجزا سیاہ رنگ کے گہرے دھوئیں کی شکل میں نکلتے ہیں۔ کوئلے کے اس دھوئیں کا ایک جز کول تار ہے۔ تم خود یہ آسان تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہو۔

سخت ڈھکنے کا ایک ٹین کا گول ڈبہ لو۔ اس میں کوئلے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھر کر بند کردو پھر پیندے میں سوراخ کر کے آگ پر اس طرح رکھو کہ پیندا اوپر رہے۔ تھوڑی دیر میں تم دیکھوگے کہ سوراخ سے بھاپ نکلنی شروع ہوجائیگی۔ اگر تم اسے دیا سلائی دکھاؤ تو بھڑک کر دھوئیں دار شعلہ دیگی۔ یہ شعلہ سوراخ کے آس پاس کی جگہ کو کالا کردے گا۔ یہی سیاہ چیز کول تار ہے۔ ۲۸ من کوئلے میں سے ۸ ۷ ½ سیر کول تار نکلتا ہے۔

بیماریوں کی روک تھام اور ان کے علاج میں کول تار کا زبردست ہاتھ ہے۔ بہت سی کیڑے مارنے والی اور بیہوش کرنے والی دوائیں کول تار ہی سے بنائی جاتی ہیں مثلاً ایسپرین جو درد دور کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے اور سفید رنگ کی فنائل کی گولیاں جو فر اور گرم کپڑوں کو کیڑوں سے بچاتی ہیں اور کیڑے مارنے والی دوائیاں۔ لائسول اور کاربالک ایسڈ سب کول تار ہی کی کرامتیں ہیں۔

کبھی تم نے سیکرین جو ایک سفید سفوف ہوتا ہے اور اکثر گولیوں کی صورت میں ملتا ہے۔ چکھ کر دیکھا ہے۔ یہ قند سے کئی سوگنا زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔

بعض بیماریوں میں ڈاکٹر قند کا استعمال نہیں کرنے دیتے۔ ایسی صورت میں لوگ اپنے کھانے اور چائے وغیرہ کو سیکرین ہی سے میٹھا کرتے ہیں۔ کونین کی گولی کے برابر ایک ٹکیہ سیکرین چائے کے ایک بڑے پیالے کو میٹھا کرسکتی ہے۔ فوٹو کی پلیٹیں دھونے کی دوائیں بھی کول تار سے تیار ہوتی ہیں۔

دوا ساز مختلف قسم کے عطر کول تار ہی سے تیار کرتے ہیں۔ بنفشہ چنبیلی اور گلاب کی عمدہ خوشبوئیں اسی غلیظ سیاہ چیز سے بنائی جاسکتی ہیں۔

لیکن سب سے زیادہ دلچسپ چیز جو کول تار سے تیار ہوتی ہے وہ ہر قسم کے دلآویز رنگ ہیں۔ ولیم ہنری پرکن نے تجربات کر کے ایک سیاہ سفوف کول تار سے حاصل کیا۔ اس سفوف سے چیزوں پر عنابی رنگ چڑھتا تھا۔ اس نے یہ سفوف رنگ بنانے والوں کو بھیجا اور وہ اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے پرکن سے تجربات جاری رکھنے کی درخواست کی۔ پرکن اس کام میں جُت گیا اور ہر قسم کے رنگ کول تار سے تیار ہونے لگے۔ تم جو کپڑے پہنے ہوئے ہو اور تمہاری کھڑکی کے پردے غرض آس پاس کی ہر رنگین چیز شاید کول تار سے حاصل کئے ہوئے رنگوں میں رنگی گئی ہے۔

ان چیزوں کے علاوہ کول تار اپنی اصلی حالت میں بھی کم مفید نہیں۔ لوہے، لکڑی، اور رانیٹوں کو موسمی حالات اور گلنے سے بچانے کے لئے کول تار کا روغن کر دیا جاتا ہے۔

سڑکیں بنانے میں بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ یہ پتھروں کو مضبوطی سے جوڑے رکھتا ہے اور سڑک کی سطح کو ہموار اور چکنا رکھتا ہے۔

ایک قسم کا تیل بھی کول تار میں سے نکلتا ہے۔ جو ریل کے سلیپروں کو پانی کے اثر سے بچاتا ہے۔

یہ ہیں کول تار کے کرشمے۔ تم نے دیکھا ظاہری شکل و صورت پر نہیں جانا چاہئے۔ مثل مشہور ہے وہی چیز اچھی ہے جس کے گن اچھے ہوں۔ اور کول تار اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

کول تار

اس تصویر میں کول تار پمپ کے ذریعے گیس فیکٹری کے ایک بڑے حوض میں جمع کیا جا رہا ہے

ایک جدید کیمیکل لیبارٹری۔ جہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کول تار سے تیار کی ہوئی چیزیں اعلیٰ درجے کی ہیں یا نہیں

بڑے بڑے ٹینکوں میں سے "کری اوسوٹ" پیپوں میں بھرا جا رہا ہے۔ یہ سڑکیں بنانے میں استعمال ہوگا

ارتقاء کے عمل کی وجہ سے حیوانوں کی دنیا میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ بہت سے جانور ناپید ہو گئے بہت سے نئے پیدا ہوئے۔ بعض اعضاء کے استعمال کرنے اور بعض کو بیکار رکھنے کی وجہ سے ان کی عادتوں اور طریق زندگی میں بڑے انقلابات ہوئے۔ یہ عمل ابھی جاری ہے اور کون جانے کہ دنیا کو ابھی اور کیا کیا انقلابات دیکھنے پڑیں ؂

ہاتھی، دریائی گھوڑا، اود بلاؤ، اور چین کا دریائی ہرن۔ مختلف نسلوں کے جانور ہیں ان کے دانت ایک سے ہوتے ہیں اور یہ سب انھیں ایک ہی طرح استعمال کرتے ہیں

ہاتھی کا باوا آدم میمتھ جو صدیوں پہلے پایا جاتا تھا۔ اب یہ ناپید ہے ؂
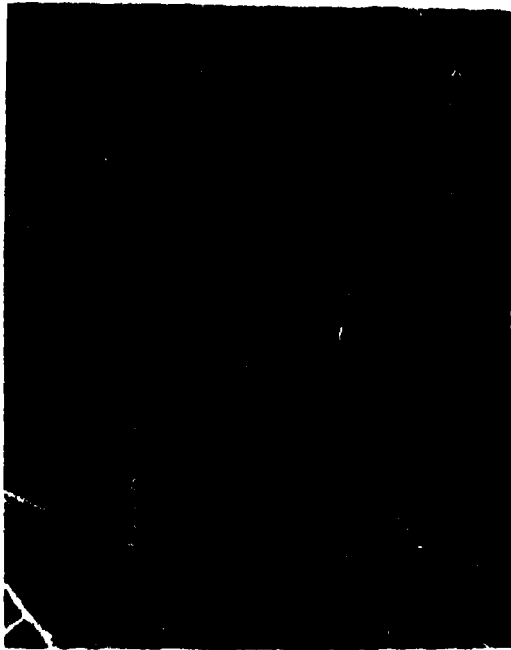
یہ کیڑا اتنا پتلا اور لمبا ہوتا ہے کہ بالکل اس ٹہنی کی طرح معلوم ہوتا ہے جس پر رہتا ہے

[illegible]

جانداروں کی کہانی

ہماری دنیا میں جو بہت ہی پرانی ہو کوئی جانور یا پودا ایسا نہیں جو ایک حالت میں رہا ہو۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آج کے ہاتھی ہزار برس پہلے کے ہاتھیوں سے مختلف ہیں۔ دراصل دنیا کی ہر چیز میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ شروع شروع میں دنیا میں صرف ادنیٰ درجے کے حیوان پائے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ زندگی بہت سے مختلف روپوں میں ظاہر ہونے لگی۔

موجودہ زمانے کے جانور اور پودے پرانے زمانے کے درختوں اور جانوروں کی نسل سے ہیں لیکن ماحول کے اثر سے انمیں کچھ تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں۔ فطرت ہمیشہ نئے تجربے کرتی رہتی ہے۔ جانداروں اور پودوں کی جو قسمیں ماحول کے اثرات جھیلنے کے قابل ہوتی ہیں وہ تو باقی رہجاتی ہیں لیکن جو اقسام ماحول میں نہیں کھپ سکتیں وہ نیست و نابود ہوجاتی ہیں۔ مثلاً سمندروں میں "راخ تھیوسارس" یا "چھپکلی مچھلی" ایک بہت بڑا ۳۵ فٹ لمبا جانور رہتا تھا۔ سانپ کی سی دم اور چھوٹے سر والا ایک اور جانور "ڈنوسار" پایا جاتا تھا جس کی لمبائی ۷۰ فٹ اور اونچائی ۲۰ فٹ ہوتی تھی۔ ۱۸ فٹ بڑے پروں والی اڑن چھپکلیاں۔ ایک فٹ لمبے انڈے دینے والے بڑے بڑے پرندے تلوار جیسے دانتوں والے شیر اور زبردست ہاتھی سب ہماری دنیا میں پائے جاتے تھے۔ لیکن اب یہ سب معدوم ہوگئے ہیں۔ کہیں کہیں چٹانوں میں ان کی تصویریں یا ڈھانچے مل جاتے ہیں۔

کسی زمانے میں سانپوں کے ہاتھ پیر ہوا کرتے تھے۔ لیکن انھوں نے گھاس میں چھپنے اور رینگنے کی عادت ڈال لی۔ سوراخوں میں سے گذرنے کے لئے انھوں نے اپنے جسم کو دُبلا کرنے کی لگاتار کوششیں کیں اس لئے رفتہ رفتہ ان کے جسم لمبوترے ہوتے گئے اور یہ تبدیلی ایک نسل کے بعد دوسری میں منتقل ہوتی رہی۔ اس عرصے میں ہاتھ پیر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے بیکار ہوگئے اور بتدریج چھوٹے ہوتے ہوتے بالکل ہی غائب ہوگئے۔

لمبی گردن والا زرافہ ان جانوروں کی نسل سے ہے جن کی گردنیں چھوٹی تھیں لیکن انھیں خشک علاقے میں اگنے والے درختوں کی پتیاں کھانے کے لئے اپنی گردنوں کو اونچا کرنا پڑتا تھا۔ اوپر گردن اٹھاتے اٹھاتے وہ کھنچ کر لمبی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ زرافہ ہمارے زمانے کا عجیب و غریب جانور بن گیا۔

افراد میں وہی خصوصیات بڑھتی رہیں جو بقائے زندگی کے لئے ضروری تھیں۔ یہاں تک کہ کیڑوں مکوڑوں اور جانوروں کے رنگ تک اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں ان کے رنگ آس پاس کی چیزوں کے رنگ سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ مثلاً بحر منجمد شمالی کے علاقوں میں رہنے والے خرگوشوں اور ریچھوں کے بال سفید ہوتے ہیں صحرائی جانوروں مثلاً شیر، اونٹ اور کنگرو کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے، اور گرم علاقوں کے جانوروں مثلاً طوطوں، کبوتروں اور سانپوں کا رنگ سبز ہوتا ہے۔ ان کے رنگ انھیں دشمنوں سے بچاتے ہیں مثلاً لکڑی اور پتوں کے کیڑے۔ جب آرام کر رہے ہوں تو بالکل مردہ پتیوں اور سوکھی لکڑیوں جیسے معلوم ہوتے ہیں۔

دشمن پر حملہ کرنے میں بھی جانور رنگت کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یا تو وہ ایسا رنگ بدلتے ہیں کہ وہ نظر ہی نہ آئیں یا ایسا کہ شکاری ان سے ڈر جائے۔

یہ وہ چند دلچسپ باتیں ہیں جو مسئلہ ارتقاء کے پڑھنے سے معلوم ہوتی ہیں۔ ارتقاء جانداروں اور پودوں کی زندگی میں جو تدریجی تبدیلیاں ہوتی ہیں اس کا نام ہے۔ مثلاً ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے کی طرف کس طرح ترقی ہوئی۔ ارتقاء کا مسئلہ پیش کرنے والوں میں سب سے پہلا اور مشہور شخص ڈارون ہے۔ اس نے بتایا کہ کس طرح زندگی کے ہر شعبے میں یہاں تک کہ انسانی زندگی میں ارتقاء کا ہاتھ ہے ✦

یہ ہمت اور سوجھ بوجھ کی ایک سچی کہانی ہے۔ ایک چینی نوجوان جہازی کا ذکر ہے۔ بیچ سمندر میں جہاز تارپیڈو کا نشانہ بنتا ہے اور وہ تن تنہا ایک سو تینتیس دن ایک چھوٹی سی کشتی میں گذارتا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔

پُن لِم

دورِ حاضر کی ایک سچّی کہانی

جس وقت جہاز میں تارپیڈو لگا اس وقت پن لم اپنے کمرے میں تھا۔ وہ جہاز پر ملّاح نہیں بلکہ سیکنڈ اسٹیورڈ تھا۔ لیکن اس کہانی کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں ایک اچھے ملّاح کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

تارپیڈو لگتے ہی وہ جھٹ اپنی لائف بیلٹ اٹھاکر عرشے کی طرف لپکا۔ اور بھاگتے ہوئے بیلٹ کمر میں کس لی۔ اتنے میں ایک اونچی لہر آکر ٹوٹتے ہوئے جہاز سے ٹکرائی اور پُن لم کو اپنی رو میں بہالے گئی۔ وہ بہتا ہوا ایک طرف کو بہت دور جانکلا اور پھر ایسا ڈوبا کہ بہت نیچے تک پانی میں چلا گیا۔

جب بالکل اس کی جان پر بن آئی تو اس کی لائف بیلٹ کام آئی اور وہ ابھرتا ہوا دوبارہ سطح پر آگیا۔ جہاز کا دُور دُور کہیں پتہ نہیں تھا۔ صرف ویران لہروں پر لکڑی کے کچھ تختے تیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ وہ جھٹ ایک تختہ پکڑ کر تیرنے لگا اور یہ سوچتا رہا اب کیا ہوگا۔ تھوڑی دیر میں اسے ایک چھوٹی سی خالی کشتی تیرتی ہوئی دکھائی دی۔ تیرتے ہوئے قریب پہونچ کر وہ جوں توں کرکے اس پر سوار ہو ہی گیا۔

پُن لم موقع کی نزاکت کو خوب سمجھتا تھا۔ جب جہاز ڈوبا تھا تو وہ منزل سے کم از کم دو ہزار میل دور تھا۔ بیچ منجدھار، ایک چھوٹی سی کشتی نہ چپّو نہ بادبان۔ ایسی حالت میں بہتوں کا تو برا حال ہوجاتا۔ لیکن پُن لم اس قسم کا آدمی نہ تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اپنی فوری ضرورتیں پوری کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

اسے یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ کشتی میں کھانے پینے کی چیزیں بھی موجود ہیں۔ اور اتنی کہ ایک آدمی اگر احتیاط سے خرچ کرے تو پچاس دن کے لئے کافی ہوں۔ بے یار و مددگار مسافر نے اسی طرح ہاتھ روک کر گزر کرنی شروع کی۔ اس نے سوچا پچاس دن میں جانے کیا سے کیا ہوجائے۔ ذرا خیال کیجئے۔ پورے سات ہفتے اور ایک دن! اکیلی جان۔ نہ سنگی، نہ ساتھی۔ موجیں ہیں کہ بہکے جارہی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں روز بروز گھٹتی جارہی ہیں۔ نہ کوئی پناہ کی جگہ نہ بچاؤ کی صورت۔

پُن لم کمسن تھا وہ کافی پریشان ہوا۔ لیکن اس نے حاضر دماغی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا کھانے کا ذخیرہ بہت جلد ہی ختم ہوجائے گا۔ اس لئے وہ اور ذخیرہ جمع کرنے کی ترکیب کرنے لگا۔ مگر انگلیوں اور مضبوط دانتوں کے علاوہ اسکے پاس کوئی اوزار نہیں تھا۔

بڑی مشکل سے دانتوں کی مدد سے اس نے کشتی سے ایک کیل نکالکر اسے مچھلی پکڑنے کا کانٹا بنالیا اور ایک چھوٹی سی مچھلی پھنسائی۔ کوئی اور ہوتا تو اس مچھلی کو فوراً چٹ کرجاتا۔ مگر پُن لم کو اس کا خیال تک نہ آیا۔ اس سے اس نوجوان کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے چھوٹی مچھلی کو کانٹے میں لگاکر بڑی بڑی مچھلیاں پکڑیں۔ اس طرح خوراک کا مسئلہ حل ہوا۔

اس نے اپنی لائف جیکٹ کو کھول کر کشتی کے ایک حصے پر چھت سی ڈال دی۔ اس سے وہ چلچلاتی دھوپ سے بھی بچا رہتا تھا اور اسی کی مدد سے بارش کا پانی پینے کے لئے ڈبوں میں جمع کرلیتا تھا۔ اس طرح پانی کا مسئلہ بھی حل ہوا۔

اس طرح بہادر چینی نوجوان نے سو دن کشتی پر گزار دئے۔ اسی دوران میں کئی دن ایسے گزر گئے کہ بارش ہی نہیں ہوئی اور اس کو پانچ دن پیاسا رہنا پڑا۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ خیر نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

ان سو دنوں میں اس نوجوان چینی اسٹیورڈ نے ساری دنیا کے لئے ہمت اور حوصلے کی شاندار مثال قائم کردی۔ اتنے دن سمندر کی موجوں میں ایک چھوٹی سی کشتی پر محض اپنے ہوش و حواس اور حوصلے کے بل پر جیتا رہا۔

دن گذرتے گئے اور وہ سمندر میں بہتا رہا۔ دن کو دھوپ سے جھلستا۔ رات کو سردی سے ٹھٹھرتا۔ سمندر کے پانی میں شرابور۔ کچی مچھلیوں اور سمندری چڑیوں پر گذارہ تھا۔ نہ کہیں خشکی نظر آتی تھی نہ جہاز کا پتہ تھا۔ آخر اس طویل آزمائش کے ایک سو تینتیسویں دن برازیل کے ایک حبشی مچھیرے نے ساحل سے دس میل پرے ایک عجیب چیز دیکھی۔ حبشی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ کیا ہے، اسکے پاس پہونچا اور آخر اس طرح پُن لم بچا لیا گیا۔ اس نے خوشی کے مارے ہنس ہنس کر گا یا۔

ایک چھوٹی سی کشتی میں پانچ مہینے گزارنے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہوگیا تھا۔ لیکن ہسپتال میں دو ہفتے گزارنے کے بعد وہ بھلا چنگا ہوگیا اور نوکری پر جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ ہر شخص اس کا دوست بن گیا اور جب وہاں کے انگریز باشندوں کو معلوم ہوا کہ اس کی کلائی کی گھڑی کھو گئی ہے تو انھوں نے نئی گھڑی خرید کر پیش کی اور اس واقعہ کی یاد میں اس پر مناسب عبارت بھی نقش کرادی۔ اسکے بعد پن لم لندن گیا جہاں ملک معظم نے اسے ایمپائر گیلنٹری میڈل عطا فرمایا۔

اس کے بعد وہ پھر سمندری نوکری پر پہونچ گیا ؛

(بقیہ صفحہ [illegible])

بہادر نہیں۔ سانچو نے کہا۔ وہ تو آٹا پیسنے کی چکی کے پنکھے ہیں۔ لیکن ڈون کوہیٹی کو اپنی عقل پر ناز تھا۔ کہنے لگے کہ تم نائٹوں کے کارناموں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اگر تمہیں ڈر لگتا ہے تو ایک طرف بیٹھ کر دعا کرو میں اکیلا ہی ان سے لڑوں گا۔ اور یہ کہکر بہادر نائٹ نے گھوڑے کو پون چکیوں کی طرف سرپٹ دوڑایا۔ "اے کمینے بزدلوں بھاگو مت تمہارا مقابلہ صرف ایک ہی نائٹ سے ہے"

اسی وقت ہوا تیز چلنے لگی اور پون چکیوں کے پنکھے تیزی سے پھرنے لگے۔ یا لیڈی ڈلسینیا مدد کہہ کر انھوں نے خود کو ڈھال سے اچھی طرح ڈھک لیا اور نیزہ جما کر روزی نانٹے کو ایڑ لگائی۔ پہلی پون چکی کے قریب آتے ہی انھوں نے اپنا نیزہ پنکھے پر مارا لیکن پنکھا اتنے زور سے پھرنے لگا کہ ان کے نیزے کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور وہ اور ان کا گھوڑا زمین پر آ رہے۔ اور لڑھکتے ہوئے کافی دور جاکر پڑے۔ ان کی حالت بہت بری تھی کیونکہ گھوڑا ان کے اوپر سے لڑھکتا ہوا گیا تھا جس سے ان کے جسم پر بری طرح چوٹیں آئیں۔

سانچو پانزا دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ "بہت برا ہوا" میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ پون چکیاں ہیں۔ یہ کہکر اس نے اپنے مالک کو اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا اور تکلیف کے مارے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ دونوں چلے۔ سانچو پانزا کو اب خیال ہو رہا تھا کہ یہ نئی زندگی ویسی دلکش نہیں جیسی وہ سمجھے بیٹھا تھا۔ ڈون کوہیٹی اس فکر میں تھے کہ نیا نیزہ کہاں سے لایا جائے۔

(باقی آیندہ)

لطیفہ

افیونی:- رلدو! ذرا ادھر آنا دیکھو یہاں کوئی گرا ہے۔

رلدو:- جناب آپ خود چارپائی سے گرے ہوئے ہیں

افیونی:- اوہو! تو پھر خوب چوٹ لگی ہوگی۔

عفت تنویر

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

تمام دقتوں اور مشکلات کے باوجود جو ہمیں پیش آئیں سالنامہ تمہارے ہاتھ میں ہے، میں نے اسے جہاں تک ہوسکا دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے، امید ہے تم بھی اسے پسند کروگے۔ رسالے کی سالگرہ کی خوشی میں تمہیں ایک تحفہ دیتی ہوں۔ رسالے میں کہیں تمہیں ایک رنگین تصویر نرسریز آف ہیون نظر آئیگی۔ جب تم باہر سیر کرنے جاؤ تو یہ دیکھنا کہ کتنے درختوں، پھولوں اور پرندوں کے نام تم جانتے ہو۔

لکھنے کے مقابلے کی آخری تاریخ ۱۵ اکتوبر تھی لیکن ہمیں سالنامہ اس تاریخ سے پہلے چھاپے خانہ بھیجنا پڑا اس لئے نتیجہ کا اعلان اگلے مہینے کیا جائے گا۔

"نوڈے لیگ" بننے کی خبر سنکر بھی تمہیں خوشی ہوگی۔ صفحہ ۸ پر اس کے متعلق تفصیل سے لکھا ہوا ہے فقط

تمہاری خالہ

مسرت

پی۔ ایل ۱۶۶ دہلی

خفیہ پیغام

ثر بگ مب نی تی نپغلگ پنو بذے

قیبب ذبی دی - یجوی اپبہ -

کدّو میاں

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ ان کے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے۔
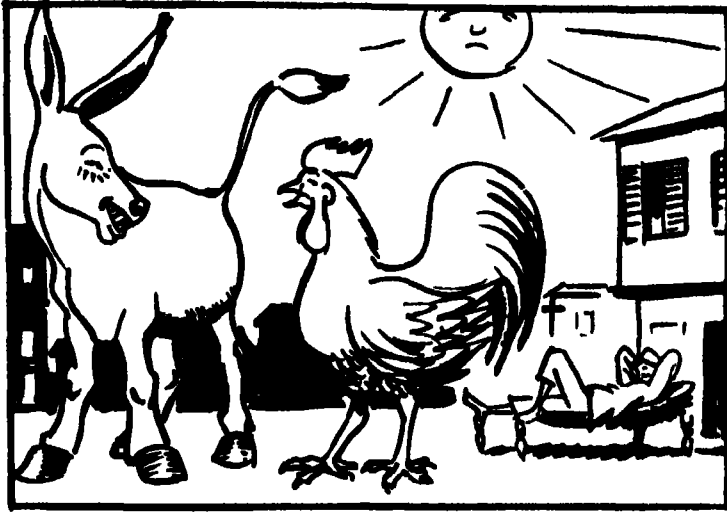
کدو میاں اور ان کے دوست شانٹے کلیر مرغے مانگنے جاتے ہیں۔ ایک گرم دوپہر کو جب سوائے کدو اور ان کے دوست کے ہر شخص سوتا ہوتا ہے۔ کدو میاں کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ چلو بازاری گویوں کی طرح بھیک مانگنے چلیں۔

لہٰذا وہ چل کھڑے ہوئے۔ کدو میاں کے گلے میں سارنگی لٹکی ہوئی تھی اور ان کے دوست اپنے پروں سے ڈھولک پیٹ رہے تھے۔ وہ خود کو دنیا کا مالک سمجھ رہے تھے اور اس خیال میں مگن تھے کہ جلد ہی انھیں بہت سے پیسے اور کھانا ملے گا۔

دوسروں کے آرام کا خیال رکھو

یکایک کدو میاں کے دل میں خیال آیا کہ گانا سنا کر لوگوں کو خوش کیا جائے۔ (خیال ہے اس وقت سب سو رہے تھے)۔ چنانچہ کدو میاں نے ایک لمبی سی ڈھینچو کی آواز نکالی۔ اور شانٹے کلیر نے بھی ساتھ سُر ملایا۔ تمام کھڑکیاں کھلیں اور ان کی آواز سن کر جو لوگ جاگ اٹھے تھے انھوں نے غصے میں آکر پرانے پیپوں اور کھانے کے اینٹیں، جوتیاں، اور سڑے ہوئے پھل انکے اوپر پھینکنے شروع کر دیئے۔
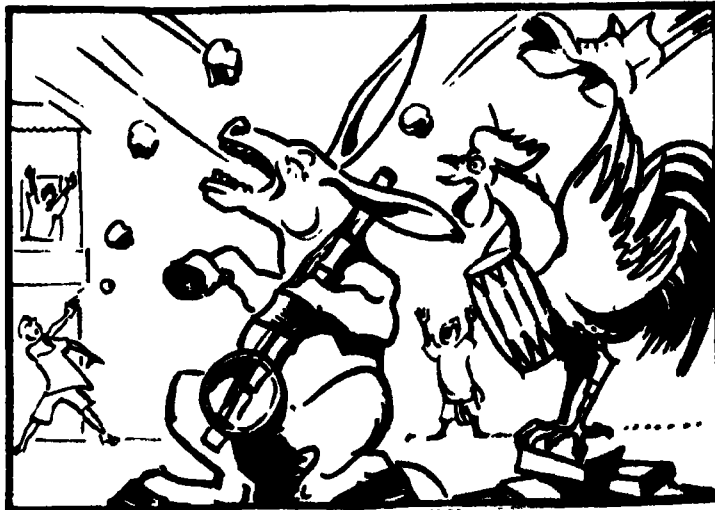
جامعہ ملیہ کی سیر

از

عزیز احمد

دہلی کی خوبصورت جگہوں میں ایک ادکھلا ہے۔ یہ دہلی کے مشرق میں شہر سے سات میل دور جمنا کے کنارے واقع ہے۔ پکنک کے لئے یہ جگہ بہت ہی عمدہ ہے۔ اگلی بار جب تم دہلی آؤ تو وہاں ضرور جانا۔

شاید تم بس سے جانا پسند کرو۔ سفر کا زیادہ حصہ ہرے بھرے کھیتوں اور دیہاتی مناظر میں گذریگا۔ لیکن جب تمہارا سفر ختم ہونے والا ہوگا تو اچانک تم خود کو خوبصورت جدید عمارتوں کے جھرمٹ میں پاؤگے جکا نظارہ آس پاس کے دیہاتی مناظر سے بالکل مختلف ہے۔ بس کا کنڈکٹر تمہیں بتائے گا کہ "یہ جامعہ ملیہ ہے"۔ تمہارا جی چاہے گا کہ تم بس سے اتر کر پیدل گھومتے ہوئے جاؤ۔

یہ خوبصورت عمارتیں جنکی تصویر تم اس پرچے میں بیچ کے صفحے پر دیکھ سکتے ہو، اسلامی طرز کی ہیں لیکن اس میں بہت سی نئی باتیں بڑھا دی گئی ہیں۔ یہ ۱۹۳۶ء میں تیار ہوئی تھیں۔ ان کی ترتیب بہت اچھی ہے اور اردگرد خوبصورت چمن ہے جس میں تمہیں جامعہ کے چست و چالاک ننھے بچے کھیلتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ بچے صاف ستھرے، ذہین اور تمیز دار ہیں۔ تمہیں اجنبی دیکھ کر کوئی بچہ فوراً تمہیں جامعہ کی سیر کرانے پر تیار ہو جائے گا۔

جامعہ نیا لیکن بہت بڑا ادارہ ہے۔ اس میں دو ابتدائی مدرسوں کے علاوہ ایک ثانوی مدرسہ، ایک یونیورسٹی، ایک استادوں کا مدرسہ اور ایک مکتبہ ہے۔ تعلیم کے نئے طریقوں میں جامعہ کی حیثیت رہنما کی سی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کے ذہن ہی کی نہیں بلکہ ساری شخصیت کی نشو و نما کی جائے۔ تمہارا رہنما ان باتوں کا فخر سے ذکر کرتے ہوئے تمہیں بچوں کے بنک لے جائے گا۔ اس بنک کو ایک جماعت بطور پروجکٹ چلاتی ہے اور جماعت کا ہر بچہ باری باری اس میں کام کرتا ہے۔ تمہیں بنک کا اعلیٰ انتظام دیکھ کر حیرت ہوگی۔ ہر چیز اتنی مکمل ہے جیسے کسی بڑے بنک میں ہو۔ مختلف کھاتے، چک بکیں اور پاس بکیں ہوتی ہیں بنک کے اپنے نوٹ ہوتے ہیں جو بچوں کی دوکان میں چلتے ہیں۔ اس دوکان کو ایک اور جماعت بطور پروجکٹ چلاتی ہے۔ یہاں بچوں کے روزانہ استعمال کی بہت سی چیزیں بکتی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے پروجکٹ آرٹ، دستکاری، باغبانی اور اخبار چلانا ہیں۔

جامعہ کے سارے بچے اسکول ہی میں رہتے ہیں۔ تم اس کے ہوسٹلوں کی غیر معمولی صفائی اور ستھرے پن کی تعریف کئے بغیر نہ رہو گے۔ برآمدے تک سائنس کی تجربگاہ کی طرح صاف شفاف ہیں۔ ہر کمرے اور برآمدے میں جامعہ کے بچوں اور استادوں کی بنائی ہوئی تصویریں آویزاں ہیں۔

پڑھائی کے کمرے بھی خوب سجے سجائے ہیں۔ طلباء فرش پر بیٹھتے ہیں۔ اور نیچے ڈسک استعمال کرتے ہیں۔ دیواروں پر ہاتھ کی بنی ہوئی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ اردو کے کمرے میں بڑے ادیبوں کی تصویریں اور ان کی تحریروں کے نمونے آویزاں ہیں۔ طلباء درجے کی پڑھائی ہی سے علم حاصل نہیں کرتے بلکہ ان کو اس بات کی ترغیب دیجاتی ہے کہ وہ کتابوں سے خود علم حاصل کرنا سیکھیں۔ اس سے ان میں خود اعتمادی اور آزادی سے کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

پھر شاید تمہیں جامعہ کیمیکل انڈسٹریز کا کمرہ دکھایا جائے۔ یہاں بچے ایک ماہر کی نگرانی میں پھلوں کے شربت، مچھر بھگاؤ تیل، روشنائیاں اور دوسری دوائیاں تیار کرتے ہیں۔ سارے کام کے دوران میں صفائی کا جو خیال رکھا جاتا ہے اسے تم یقیناً پسند کروگے۔ یہ سامان مناسب قیمت پر بیچا جاتا ہے اور آمدنی جامعہ پر صرف ہوتی ہے۔

جامعہ کے مختلف شعبوں میں پھر کر تم اندازہ لگاؤ گے کہ سارے ادارے میں جمہوریت ہے۔ ہوسٹلوں کا انتظام بچے خود چنے ہوئے نمائندوں کے ذریعے چلاتے ہیں۔

جامعہ کی تاریخ اور ترقی کا حال بتاتے ہوئے تمہارا گائڈ شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی خدمات کا ذکر بڑے فخر سے کرے گا وہ تمہیں بتلائے گا کہ کس طرح اپنی ان تھک کوششوں اور غیر معمولی قوت سے" ذاکر صاحب" نے جامعہ کو کامیاب بنانے کے لئے خون پسینہ ایک کیا ہے۔ ان کی زندگی قربانیوں کی ایک داستان ہے۔ وہ ملک میں بنیادی تعلیم کی واردھا اسکیم کے بانی کی حیثیت سے کافی مشہور رہیں۔ ان کی شخصیت بہت جاذب ہے اور ان سے مل کر کوئی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسرے پروفیسروں میں تمہارا ننھا گائیڈ پروفیسر مجیب کا خاص طور پر ذکر کرے گا۔ وہ پستہ قامت اور منکسر المزاج ہیں۔ لیکن ان کے انداز بہت دلکش ہیں اور وہ بہت سرگرم کام کرنے والے ہیں۔ جامعہ نگر میں خصوصاً چھوٹے بچوں میں، وہ بہت ہر دلعزیز ہیں ان کی سادہ اور بے غرض زندگی جامعہ کے سارے طلبہ کے لئے ایک مثال ہے۔

تم بہت جلدی کرو جب بھی تمہیں جامعہ دیکھنے میں کم از کم دو گھنٹے لگیں گے۔ ظاہر ہے کہ تمہیں بھوک لگنے لگے گی۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ تم پکنک کے لئے سیدھے دریا پر جانے کے بجائے جامعہ کے صاف ستھرے چھوٹے سے قہوہ خانے میں خوشبودار قہوہ کا ایک پیالہ پینا زیادہ پسند کروگے۔ اس قہوہ خانے کو بھی جامعہ کے بچے چلاتے ہیں۔

نوٹ:۔ خط وکتابت کرتے وقت اپنا پتہ اور خریداری نمبر صاف اور خوشخط لکھئے۔

کل کی باتیں

عزیز بھانجو اور بھانجیو!
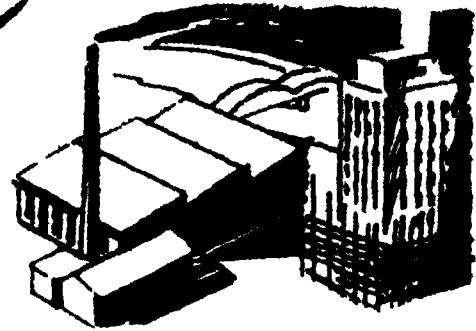
پچھلے مہینے میں نے تمہیں ہندوستان کی صنعتوں کے بارے میں بتایا تھا کہ لڑائی کے زمانے میں یہاں بہت کچھ ترقی ہوئی اور اگر ہندوستان ایشیا اور دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کی برابری حاصل کرنا چاہتا ہے تو صنعتوں کو اور بڑھانا پڑے گا۔

لڑائی کے بعد کی زراعت، صحت عامہ اور اچھے مکانوں وغیرہ کے بارے میں جو اسکیمیں تیار ہوئی ہیں ان کے متعلق تو تمہیں تھوڑا بہت بتا ہی چکی ہوں۔ ان تمام اسکیموں کو عمل میں لانے کے لئے بہت روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہمیں چاہئے کہ بہت منظم طریقے پر ملک میں نفع بخش صنعتیں شروع کریں۔

لیکن ان صنعتوں کو چلائے گا کون۔ سب سے پہلے تو امیر آدمی چاہئیں جو فیکٹریوں اور مشینوں کے لئے روپیہ قرض دیں یا خود خریدیں۔ اس کے علاوہ ہمیں ماہر کاریگر چاہئیں جو مشینوں کا کام جانتے ہوں اور فیکٹری کا انتظام خوش اسلوبی سے کرکے سستے داموں لوگوں کے ہاتھ سامان بیچیں۔

اس کام کے لئے ہمیں ہوشیار مردوں اور عورتوں کی ضرورت ہوگی جو دوکانداری، انجینئرنگ اور بڑے پیمانے پر چیزیں تیار کرنے کی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کریں۔ اسلئے عنقریب تمام ہندوستان میں صنعت و حرفت کی تعلیم کے لئے کالج کھولے جائیں گے۔ ایک ایسا اسکول دہلی میں، اور دوسرا پلادی جے پور میں کھولا جا چکا ہے، لڑائی کے زمانے میں حکومت نے بہت سے نوجوانوں کو یہاں تعلیم حاصل کرنیکا موقع دیا۔ اور اب وہ لوگ اہم جگہوں پر ہیں۔ بیون اسکیم بھی تیار ہوئی تھی۔ یہ لیبر منسٹر مسٹر بیون نے تیار کی تھی اسلئے اسکا یہ نام ہے۔ اسکے تحت میں ہندوستانی طالبعلموں کو انگلستان میں بڑی بڑی فیکٹریوں کے انتظام وغیرہ کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ لوگ بیون بوائز کہلاتے تھے اور ان کا پہلا دستہ ۱۹۴۱ء میں انگلستان گیا اس میں ۵۰ لڑکے تھے۔ اب تک ۱۲ دستے جا چکے ہیں جو ۱۳۰۷ لڑکوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکا انگلستان جانے سے پہلے ۶۰ روپے مہینہ کما رہا تھا لیکن وہاں سے آنیکے بعد اسے ۳۵۰ روپے کی جگہ ملی۔ ایک اور لڑکا ۹ ر آنے روز کماتا تھا لیکن واپس آکر ۸۰۰ روپے مہینہ کما رہا ہے۔

ہمیں ہنرمند مزدوروں کی بھی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ دوسرے ملک ہم سے محض اس وجہ سے بازی لے جائیں کہ ہمارے مزدور ہنرمند نہیں۔ فیکٹری میں کام کرنے والے جتنے زیادہ چابکدست اور ہوشیار ہوں گے اتنا ہی وہ فیکٹری کامیاب ہوگی۔ ہم خود اچھے انجن، اچھی مشینیں، فاؤنٹن پن اور سائیکلیں تیار کرسکیں گے کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ باہر بھی جن کی مانگ ہو۔

صنعت و حرفت کے اسکول تین قسم کی ٹریننگ دیں گے۔ ایک تو ان لوگوں کو جو علمی تحقیقات کریں گے۔ انھیں ٹیکنیکل ہائی اسکول کا امتحان پاس کرکے یونیورسٹی کے ٹیکنیکل ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہونا پڑے گا۔ یہ دیکھنا ان کا کام ہوگا کہ کس طرح سے ہندوستان کی صنعتوں کو ترقی دیجا سکتی ہے اور خام مال کا صحیح استعمال ہوسکتا ہے۔

دوسرے درجے میں فورمین وغیرہ آتے ہیں ان لوگوں کو فیکٹری کی دیکھ بھال اور انتظام کی ٹریننگ دی جائے گی۔ (باقی صفحہ ۲۹ پر)

ہندوستان میں صنعتی تعلیم

حکومت ہند کی صنعتی تعلیم کی اسکیم کے ماتحت ٹراونکور میں ایک تعلیمی مرکز قائم کیا گیا ہے
—— تصویر میں مرکز کے طلبا ایک مشین پر کام کرتے نظر آ رہے ہیں ——

جنگی خدمات کی نمائش کے صنعتی تعلیم کے شعبے میں تماشائیوں کا
—— ایک گروہ کام دیکھ رہا ہے ——
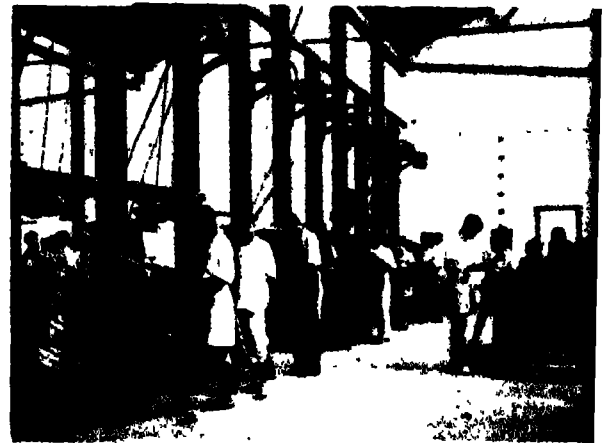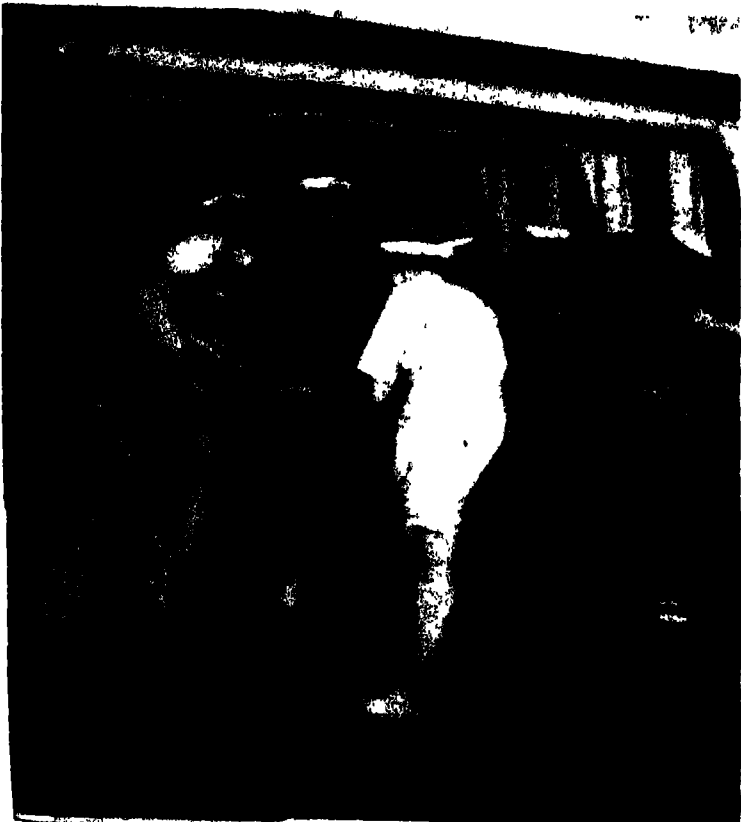
کٹک (اڑیسہ) کے انجینئرنگ اسکول کی مشین شاپ میں نوجوان
—— سیکھنے والے کام میں مشغول ہیں ——

جامعہ ملّیہ

ایک خوبصورت گول کھڑکی سے جا
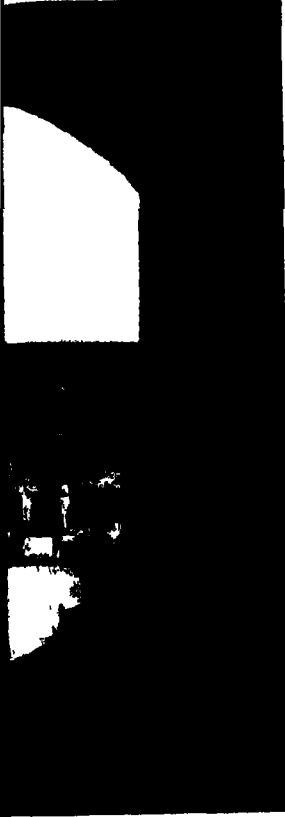
جامعہ کے چونہال بچوں کا ایک گروہ اپنی جماعت سے باہر آ رہا ہے - یہ لوگ اپنی کاپیوں کے سرورق کے ڈیزائن خود تیار کرتے ہیں ؛
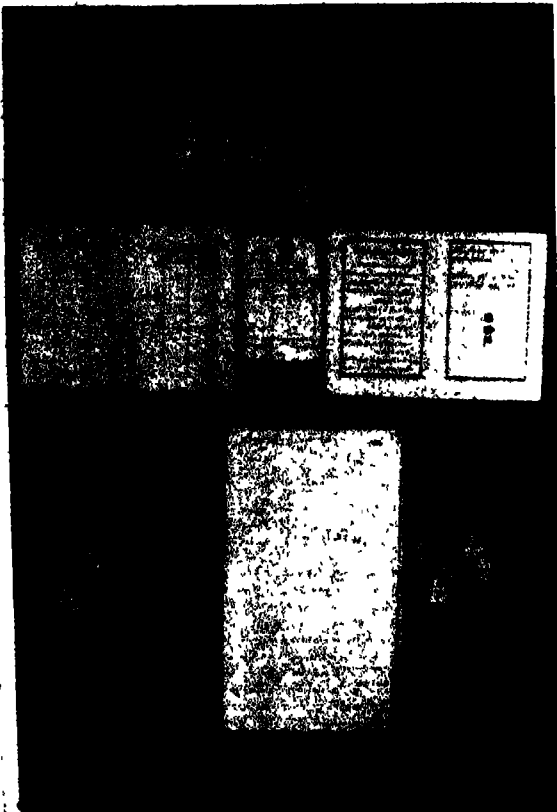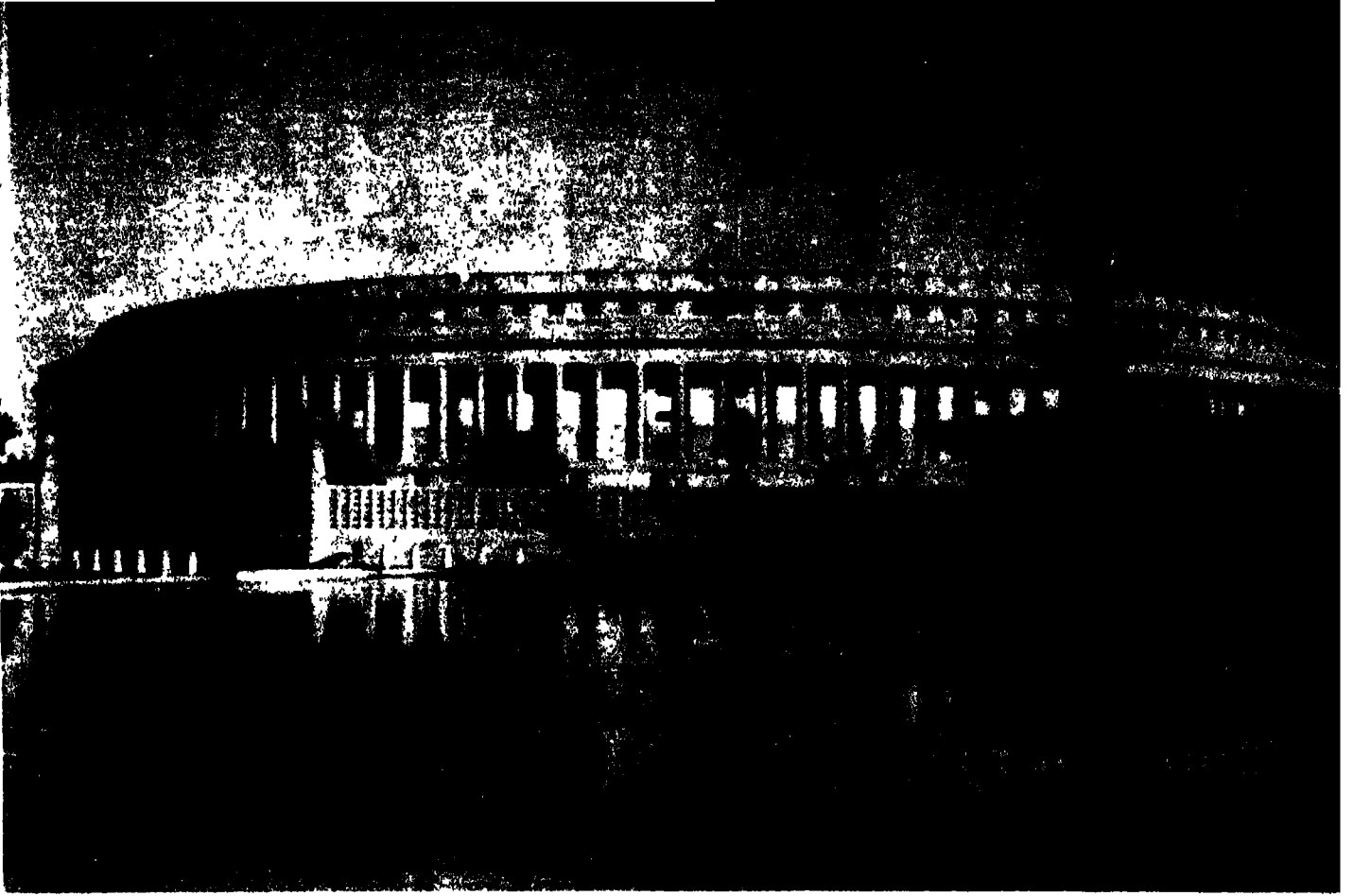
خوب صورت فواروں کے درمیان بنے ہوئے شاندار چیمبر کا خوبصورت نظارہ

کونسل چیمبر نئی دہلی

نئی دہلی میں کونسل چیمبر کی بڑی گول عمارت میں لیجسلیٹو اسمبلی، کونسل آف اسٹیٹ اور چیمبر آف پرنسز کے علیحدہ علیحدہ شاندار ہال ہیں۔ ہندوستانی جنگلوں کی خوبصورت لکڑی سے ان کا اندرونی حصہ سجایا گیا ہے۔ لکڑی پر مختلف صوبوں اور ہندوستانی ریاستوں کے شاہی نشان خوبصورت کام میں بنائے گئے ہیں۔ ایک لائبریری بھی ہے۔ سنترے کے ہرے بھرے درختوں سے سجے ہوئے سائے دار گلشن میں ایم ایل اے اور ان کے مہمان چائے پی سکتے ہیں ؎

کونسل چیمبر کا اندرونی نظارہ

ہماری خدمت کرنے والے

ایم ۔ ایل ۔ اے

تمہیں معلوم ہے ان حروف سے کیا مراد ہے؟ ان کا مطلب ہے ممبر لیجسلیٹو اسمبلی ۔ ٹھیک ہے ۔ مگر تم کہوگے کہ ایم ایل اے بڑے آدمی ہوتے ہیں ۔ وہ بھلا ہماری خدمت کیسے کرسکتے ہیں؟ وہ ہمارے خادم تو نہیں! ہاں، ہیں۔ ہم انھیں ایک خاص کام کے لئے چنتے ہیں۔ اور ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنا کام ٹھیک سے کرتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کام کیا ہے؟ ان کا کام یہ ہے کہ وہ ملک کے انتظام میں مدد کریں، خصوصاً ملک کے امن وامان اور خوشحالی کے لئے قانون بنائیں۔ انھیں یہ بھی طے کرنا ہوتا ہے کہ ٹیکس سے کتنی رقم وصول کی جائے کہ ملک کے ضروری مصارف پورے ہوجائیں۔ ان ضروریات میں عدالتیں، اچھی سڑکیں، ہسپتال اور اسکول بھی شامل ہیں۔

تم جانتے ہو کہ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے۔ اس لئے انتظام کی آسانی کے لئے سارے برطانوی ہند کو صوبوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ ہر صوبے میں ایک یا دو کونسلیں اور اسمبلیاں ہوتی ہیں۔ ان کے ممبروں کا چناؤ عوام کرتے ہیں جنہیں ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے۔ ہر ضلع سے ایک نمائندہ جاتا ہے۔ پھر یہ ایم ایل اے کونسل یا اسمبلی کے جلسے میں شامل ہوتے ہیں اور ان تجویزوں پر بحث کرتے ہیں جو ان کے سامنے آتی ہیں۔ یہ تجویزیں بل کہلاتی ہیں۔ صوبے کا افسر اعلیٰ گورنر کہلاتا ہے۔ جب اسمبلی میں کوئی بل پاس ہوجاتا ہے تو وہ گورنر کی منظوری کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ گورنر اگر چاہے تو عوام کی بھلائی کے لئے اسے نامنظور کرسکتا ہے۔ لیکن عموماً اسے عوام کے چنے ہوئے نمائندوں پر اعتماد ہوتا ہے اور وہ ان کے فیصلوں کو منظور کرلیتا ہے۔ اس کے بعد بل ایکٹ بن جاتا ہے اور ہر شخص کو اس کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔

پھر بعض باتیں ایسی ہیں جن کا انتظام تمام صوبوں میں یکساں طور پر ہونا چاہئے۔ ان کی ذمہ دار مرکزی حکومت ہوتی ہے جس کا صدر دفتر نئی دہلی میں ہے۔ مرکزی حکومت کا افسر اعلیٰ گورنر جنرل کہلاتا ہے۔ اسے اور بھی کام کرنے ہوتے ہیں۔ وہ ملک معظم کا نمائندہ ہوتا ہے اور وائسرائے کہلاتا ہے۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے دو حصے ہیں۔ ایک تو کونسل آف اسٹیٹ اور دوسرا لیجسلیٹو اسمبلی۔ پہلا اعلیٰ طبقے کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسرے میں عوام کے نمائندے ہوتے ہیں۔ مرکزی اسمبلی کے ممبر ہندوستان بھر سے آتے ہیں۔ سرکاری، نامزد شدہ اور چنے ہوئے ممبروں کی مجموعی تعداد ۱۴۵ ہوتی ہے۔

ملک کی حکومت میں ایم۔ ایل۔ اے بہت اہم حصہ لیتے ہیں۔ اس لئے صرف ان لوگوں کو چننا چاہئے جو واقعی اس لائق ہوں۔ جس کسی کو ووٹ دینے کا حق ہو اسے چاہئے کہ اس حق کو بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرے اور اس کا خیال رکھے کہ صحیح آدمی چنا جائے۔ ہندوستان میں تقریباً سارے ان مردوں اور عورتوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے جو یا تو جائداد کے مالک ہیں یا پڑھے لکھے ہیں۔ اور ہر وہ شخص جو ووٹ دے سکتا ہے، ایم ایل اے کے الکشن میں کھڑا ہوسکتا ہے۔ لیکن سرکاری نوکر الکشن کے لئے کھڑے نہیں ہوسکتے۔

ووٹ دینے کا حق ملنا بڑی خوبی اور ساتھ ہی بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ یہ حق لوگوں کو اس امید پر دیا جاتا ہے کہ وہ اچھی شہریت کا مظاہرہ کرینگے اور ایسے آدمی کا انتخاب کرینگے جو نہ صرف لائق بلکہ مخلص، بےغرض اور ان لوگوں کا سچا ہمدرد ہو جنکی خدمت کے لئے وہ اٹھا ہے۔

کبھی کبھی اسمبلی میں نااہل لوگ جگہ حاصل کرلیتے ہیں اور اس کام کیلئے وہ ناجائز طریقے استعمال کرتے ہیں۔ ہر ووٹر کو ایسی حرکتوں سے ہوشیار رہنا چاہئے کہ صرف اس بنا پر کسی کو ووٹ نہ دے کہ کوئی اس کا دوست یا رشتہ دار ہے۔ اسے صرف ایسے لوگوں کو ووٹ دینا چاہئے جنہیں وہ واقعی اس لائق سمجھتا ہے اور جو خلوص اور بےغرضی کے ساتھ قوم کے مفاد کو دل سے عزیز رکھتے ہیں۔

کاذب اور صادق

کسی زمانے میں دو بھائی رہا کرتے تھے۔ ایک کا نام تھا صادق یہ بہت نیک تھا اور ہمیشہ سچ بولتا تھا۔ دوسرے بھائی کو لوگ کاذب کہتے تھے، یہ اتنا بُرا تھا کہ کوئی بھی اس کی بات کا یقین نہ کرتا تھا۔

یہ لوگ بہت غریب تھے، اسلئے جب کاذب اور صادق بڑے ہوگئے تو ان کی ماں نے انھیں کمانے کے لئے بھیج دیا۔ اس کے لئے ان کا خرچ برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ ماں نے دونوں بھائیوں کو ایک ایک تھیلے میں کچھ کھانے پینے کا سامان دیکر رخصت کردیا۔

چلتے چلتے شام ہوئی۔ اب انھیں بھوک لگی، وہیں جنگل میں ایک درخت ٹوٹا پڑا تھا اس پر وہ دونوں بیٹھ گئے اور اپنا کھانا نکالا۔ کاذب نے صادق سے کہا کہ اس وقت تو تم مجھے اپنے کھانے میں سے دے دو پھر تم میرے ہاں سے لے لینا۔ صادق راضی ہوگیا اور دونوں نے مل کر کھانا شروع کیا۔ کاذب نے اچھی اچھی چیزیں تو خود کھالیں اور بھائی کے لئے صرف روٹی کے سخت کنارے چھوڑدئے۔

دوسرے دن صبح کو اور پھر شام کو بھی صادق کا تھیلا ہی خالی کیا گیا۔ رات ہوئی تو دونو کو پھر بھوک لگی۔ کاذب نے صادق کو اپنے کھانے میں سے کچھ نہیں دیا۔ اور کہا کہ یہ مجھے ہی مشکل سے کافی ہوگا۔

صادق بہت خفا ہوا اور اس نے کہا کہ تم نے میرے حصے میں سے بھی تو کھایا تھا۔ کاذب نے جواب دیا۔ "اگر تم اتنے احمق ہو کہ دوسروں کو اپنا حصہ دیتے پھرتے ہو تو کئے کی سزا بھگتو اور بھوکے مرو" صادق بولا "تمہارا نام ٹھیک کاذب رکھا گیا ہے۔ تم ہمیشہ جھوٹ بولتے آئے ہو اور عمر بھر بولوگے"

یہ سنکر کاذب غصے میں صادق کی طرف جھپٹا اور اس کی دونوں آنکھیں پھوڑدیں۔ "اب تمہیں پتہ چلیگا کہ کون جھوٹا ہے۔ اور کون سچا"

یہ کہہ کر وہ بھاگ گیا۔ بیچارا صادق اٹھا اور راستہ ٹٹولتا ہوا جنگل میں بھٹکنے لگا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ کدھر جا رہا ہے آخر اسکے ہاتھ ایک لیموں کے درخت کا تنا آگیا۔ اس نے سوچا کہ رات درختوں میں بیٹھ کر گزارنی چاہئے تاکہ جنگلی جانوروں کا خطرہ نہ رہے۔ جب چڑیاں چہچہانے لگیں گی تو میں سمجھ جاؤں گا کہ صبح ہوگئی اور آگے چل کھڑا ہونگا۔ چنانچہ وہ درخت پر چڑھ گیا۔ یکایک اس نے قدموں کی چاپ درختوں کی طرف آتی ہوئی سُنی پھر نیچے اور قدموں کی اور بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ بھالو، بھیڑیا، اور لومڑی موسم بہار منانے درخت کے نیچے جمع ہوئے تھے انھوں نے کھایا پیا اور خوشی مناتے رہے، جب دعوت ختم ہوگئی تو انھوں نے باتیں شروع کیں۔ لومڑی نے کہا کہ اب ہمیں کوئی کہانی شروع کرنی چاہئے۔ سب نے تائید کی اور بھالو نے کہنا شروع کیا۔ بھالو بولا کہ بادشاہ کی آنکھیں اتنی کمزور ہیں کہ ایک گز کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اگر وہ صبح یہاں آئے اور پتیوں پر پڑی ہوئی اوس سے اپنا منہ دھوئے تو اس کی آنکھیں دوبارہ روشن ہوجائیں گی۔

ٹھیک بھیڑئے نے کہا: "اسی بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جو گونگی اور بہری ہے اگر اسے وہ بات معلوم ہوجائے جو مجھے معلوم ہے تو وہ اچھی ہوسکتی ہے۔ ایک دن شہزادی نے گرجا میں روٹی کا ٹکڑا گرادیا تھا۔ اور وہ ٹکڑا مینڈک نے اٹھا لیا اگر شہزادی کی کرسی کے نیچے کا فرش کھود کر دیکھیں تو انھیں وہ مینڈک ملیگا۔ اب تک اسکے حلق میں وہ

روٹی کا ٹکڑا پھنسا ہوا ہے۔ اگر وہ ٹکڑا اس کے حلق میں سے نکال کر شہزادی کو دے دیں تو وہ بولنے اور سننے لگے گی۔"

"یہی نہیں" لومڑی نے کہا۔ "اگر بادشاہ کو وہ بات معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو اس کے محل میں پانی کی کمی نہیں رہے گی۔ صحن میں بڑے پتھر کے نیچے نہایت شفاف پانی کا چشمہ ہے۔ اگر بادشاہ کو اسے کھودنے کا خیال آجائے تو بات ہے۔"

"اوہو" خرگوش نے اپنی مہین آواز میں کہا۔ "بادشاہ کا باغ نہایت عمدہ ہے لیکن اس میں پھل بالکل نہیں آتے۔ کیونکہ زمین کے نیچے باغ کے گرد سونے کی سنہری زنجیر لپٹی ہوئی ہے، اگر اسے کھود لیا جائے تو بادشاہ کا باغ دنیا کا بہترین باغ ہو جائے۔"

"سچ ہے"۔ لومڑی نے کہا۔ "لیکن اب کافی وقت ہو گیا۔ گھر چلنا چاہئے۔" اور سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے جاتے ہی صادق سو گیا۔

جب صبح کے وقت چڑیوں نے چہچہانا شروع کیا تو صادق اٹھ بیٹھا۔ اور پتیوں پر سے اوس لے کر اپنی آنکھیں دھو ڈالیں۔ ذرا سی دیر میں اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

اب صادق بادشاہ کے محل پہنچا اور وہاں نوکر ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ صحن میں آیا اور تھوڑی دیر پھرنے کے بعد اس نے پانی مانگا۔ ایک خادم نے بڑھ کر پانی پیش کیا۔ لیکن پانی اتنا گدلا تھا کہ بادشاہ پی نہ سکا اور بولا میرے ملک میں کوئی بھی اتنا برا پانی نہ پیتا ہوگا جیسا مجھے ملتا ہے۔

صادق بولا۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں صحن کے بیچ میں جو بڑا پتھر ہے اسے ہٹوا دوں۔ پھر آپ کو بہت عمدہ پانی مل جائیگا۔

بادشاہ نے نوکروں کو حکم دیا کہ کام شروع کریں۔ پھر [illegible] ہی شفاف پانی کا ایک فوارہ سا چھوٹا۔ یہ اتنا صاف تھا کہ دنیا بھر میں ایسا پانی ہونا مشکل ہے۔

کچھ عرصے بعد بادشاہ ایک دن پھر باہر صحن میں آیا۔ اسی لمحہ ایک بہت بڑا باز ادھر سے اڑتا ہوا گزرا۔ سب لوگ چلائے۔ بادشاہ نے اپنی بندوق نکالی۔ لیکن اسے باز نظر ہی نہیں آیا۔ بادشاہ کو اس بات کا ازحد رنج ہوا اور کہنے لگا کاش کوئی میری آنکھیں ٹھیک کر سکتا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اندھا نہ ہو جاؤں۔

صادق نے کہا کہ میں آپ کی آنکھیں ٹھیک کر سکتا ہوں، اور اس نے اپنا قصہ بادشاہ کو سنایا۔

اس کے بعد سے بادشاہ صادق کو اتنا عزیز رکھنے لگا کہ جہاں وہ جاتا اسے ساتھ رکھتا۔ ایک دن دونوں باغ میں ٹہل رہے تھے کہ بادشاہ بولا کوئی شخص بھی اپنے باغ پر اتنا روپیہ خرچ نہ کرتا ہوگا جتنا میں کرتا ہوں نہ معلوم پھر بھی درختوں میں پھل کیوں نہیں آتے۔
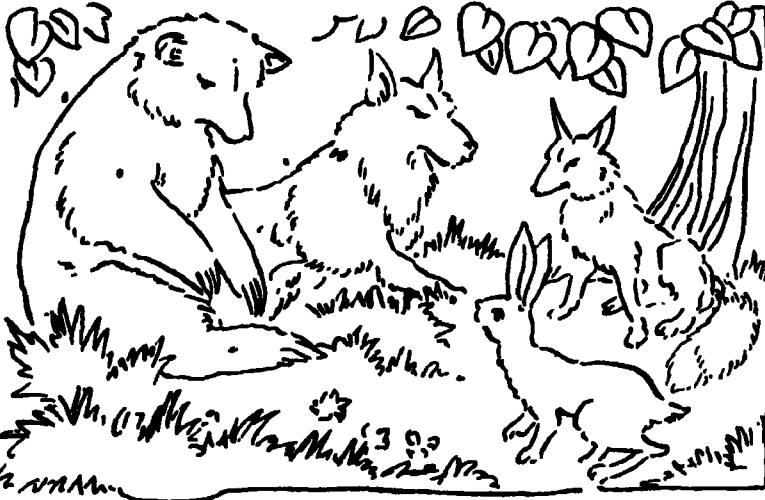
صادق نے کہا۔ اگر آپ مجھے وہ چیز دے دیں جو آپ کے باغ کے چاروں طرف لپٹی ہوئی ہے تو درختوں میں پھل آنے لگیں گے۔

بادشاہ راضی ہو گیا۔ صادق نے آدمی بلا کر باغ کھدوانا شروع کیا اور زمین کے نیچے سے جو زنجیر نکلی وہ بادشاہ نے بڑی خوشی سے صادق کو بخش دی۔ زنجیر نکلنے کے بعد درختوں میں اتنے پھل آئے کہ شاخیں زمین تک چھونے لگیں۔ سیب اور ناشپاتیاں تو بہت ہی میٹھی تھیں۔ بادشاہ نے خوش ہو کر صادق کو مبارکباد دی۔

ایک دن صادق اور بادشاہ سیر کو گئے۔ اتفاقاً شہزادی بھی

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

یونانیوں نے دنیا کو کیا دیا

مختلف قوموں نے دنیا کو مختلف چیزیں دیں۔ بنی اسرائیل کی نسل اور ہندوستان نے دنیا کو بہت سے مذہب دئے۔ روم نے قانون اور قاعدے لیکن یونان نے ہمیں حسن دیا۔ یونانی حسن خواہ کسی شکل میں ہو، اسکی پرستش کرتے تھے۔ کسی اور قوم نے انسان کی اتنی اچھی تصویر کشی نہیں کی جتنی یونانیوں نے۔ آجتک اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود یونانیوں جیسے مجسمے کوئی نہیں بنا سکا۔ لوور (پیرس) کے عجائب گھر میں دنیا کے دو مکمل ترین مجسمے ہیں۔ ایک دنیس آف مائی لوکا ہے اور دوسرا ساموتھریس کی فتح کا بازوؤں والا مجسمہ یہ دونوں مجسمے یونان سے آئے۔ ایک اور مشہور مجسمہ ڈسکس پھینکنے والے کا ہے جو تم سامنے کے صفحے پر دیکھ سکتے ہو یہ ایک کھلاڑی کی تصویر ہے جو ایک یونانی کھیل میں حصہ لے رہا ہے۔ اس کا جسم کتنا خوب صورت ہے۔ یونانی کھیلوں اور ورزشوں کے بہت شوقین تھے کیونکہ ان کا نصب العین یہی تھا کہ کسی طرح سے جسم کو موزوں اور خوبصورت بنایا جائے۔ یہ کھیل یونان کے ایک شہر اولمپیا میں ہوتے تھے۔ اسی لئے آجکل بھی جب مختلف ملکوں کے نوجوان کھیلوں کے مقابلے کے لئے جمع ہوتے ہیں تو ہم اس مقابلے کو اولمپک گیمز کہتے ہیں۔
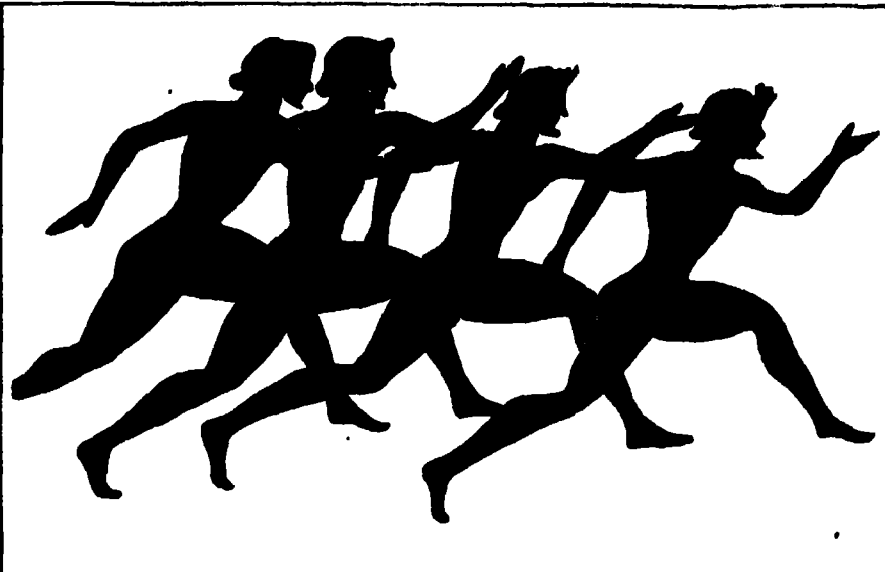
یونانیوں کے بہت سے خوبصورت محل اور عبادتگاہیں بنائیں۔ یونان کے کھنڈر یں ہیں۔ پیری کلیس نے ایتھنز میں اکرو پولیس کی چٹان پر پارتھینن کی عظیم الشان عمارت بنوائی۔ اس عمارت کے خوبصورت ستونوں کا آجتک کوئی عمارت مقابلہ نہیں کر سکی۔ چٹان کی جڑ میں ایک قدرتی کھوکھلا حصہ تھا جو کھلے تھیٹر کا کام دیتا تھا۔ یہاں یورپ کے قدیم اور مشہور ڈرامے پہلی مرتبہ کھیلے گئے۔ ... ۱۷ شوقین تماشائی یہاں سال کے بہترین ڈرامہ نگار کو انعام دینے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ یونانیوں کو علم وادب سے بھی بہت لگاؤ تھا۔ اندھا شاعر ہومر جو رزمیہ شاعری لکھتا تھا دنیا کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔

ایتھنز کا فلسفی سقراط نہ صرف ساری دنیا میں مشہور ہے بلکہ اس نے تمام دنیا کے فلسفے پر اثر ڈالا ہے۔ اسکا شاگرد افلاطون سقراط کو اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ پارسا شخص بتاتا ہے۔ سقراط بہت زندہ دل۔ ظریف طبع۔ محب وطن اور خدا پرست انسان تھا۔ اس نے لوگوں کو حق پرستی اور سوچ سمجھ کر صحیح رائے قائم کرنے کا سبق دیا۔ لیکن ان تمام باتوں کے بدلے اسے ۳۹۹ ق م میں زہر پینا پڑا۔

ارسطو ایک اور یونانی مفکر ہے۔ جس کا فلسفہ عربی زبان میں ترجمہ ہوا مشرق اور مغربی ممالک میں اسکا بہت گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

یونانیوں کا طرز حکومت بہت دلچسپ تھا۔ یہاں مختلف شہروں میں مختلف خود مختار ریاستیں قائم تھیں۔ مثلاً ایتھنز اور سپارٹا۔ لیکن جب کبھی خطرے کا سامنا ہوتا یہ ایک ہو جاتی تھیں۔ ان کا سب سے مقدس اصول آزادی تھا۔ شہری حکومتیں جمہوریت اور شہری حقوق کی حامی تھیں اسلئے اپنے معاملات کی جانچ پڑتال خود کرتی تھیں۔ بعد میں یہ ریاستیں فاتح اعظم سکندر کی حکومت میں شامل ہو گئیں اور سکندر نے انھیں دکھایا کہ بادشاہت کس طرح کی جاتی ہے۔ اس رومانی اور بہادر ہستی نے تھوڑے ہی عرصے میں بہت سے شہر آباد کئے اور یونانی تہذیب کا اثر تمام دنیا میں پھیلا دیا۔ سکندر ہندوستان تک آپہنچا تھا۔ چنانچہ اب بھی راولپنڈی کے قریب ٹیکسلا میں یونانی تہذیب کے نشان باقی ہیں۔ سکندر نے اپنی سلطنت کی حدیں بہت دور دور تک پھیلائیں اور ساتھ ہی ساتھ یونانی تہذیب کا اثر بھی۔ یونانی ادب۔ فلسفہ اور آرٹ نے اور تہذیبوں پر اپنا بہت گہرا اثر ڈالا۔ چنانچہ بابل میں اسکی وفات کے بعد بھی صدیوں تک سرکاری تجارتی اور مذہبی زبان یونانی ہی رہی۔ یونان کی شان و شوکت نے بعد میں آنیوالی نسلوں کو بہت کچھ تہذیب یافتہ بنایا ❊

قدیم یونان کی شان وشوکت
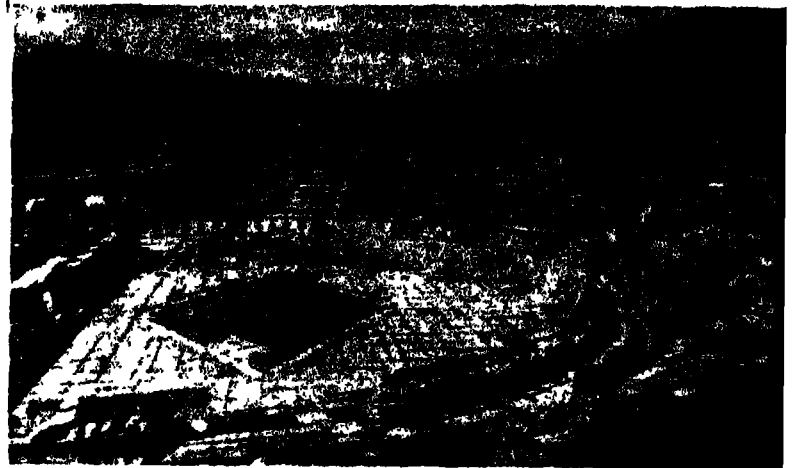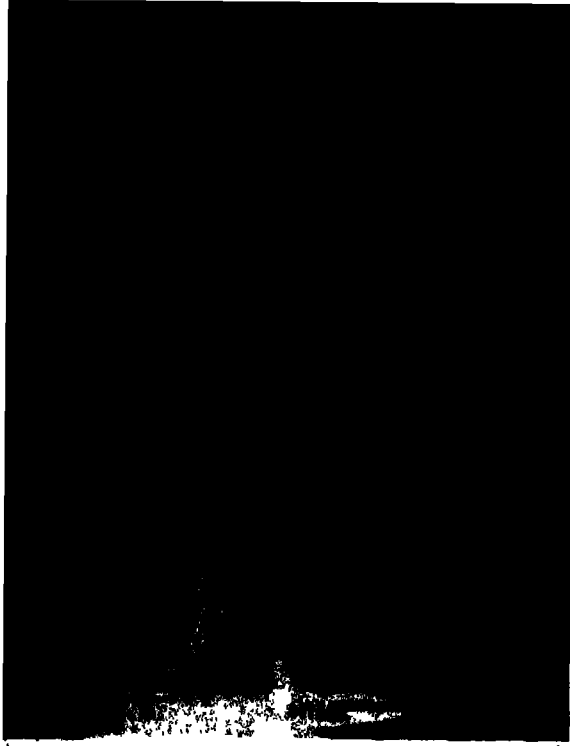
قدیم یونان والے ورزش کے مقابلوں اور کھیلوں کے بڑے رسیا تھے۔ یہ خوبصورت مجسمہ یونان کے مثالی کھلاڑی کا نمونہ پیش کرتا ہے ٭

...ں کے قومی تھیٹر کے کھنڈر۔ یہ نیم دائرے کی شکل کا ہے اور اس کا نصف قطر ۱۶۵ فٹ ہے۔ اس میں سترہ ہزار تماشائی سما جاتے ہیں

...ی نے دنیا کے لئے ایک شاندار میراث چھوڑی ہے۔ دنیا میں
...تراشی کا جواب نہیں ملتا۔ وہاں کے نابینا شاعر ہومر اور وہاں
...نویسوں کو دنیا کے ادب میں اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے۔ فلسفی آج
...کے علماء سقراط اور افلاطون کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے
...ں کے اولمپک کھیلوں نے ساری دنیا کے نوجوان کھلاڑیوں
...ب مثال قائم کردی ہے ٭

تناسب اور باریکی کے لحاظ سے قدیم یونان کی عمارتیں اپنا جواب نہیں رکھتیں پارتھینن کی مرمریں عمارت ۴۳۸ ق م میں مکمل ہوئی تھی۔ یہ قدیم طرز تعمیر کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی ہے ٭

سمجھدار کتے

اسکاٹ لینڈ کا ایک گڈریہ اور اس کے گلے کی نگہبانی کرنے والے چار سمجھدار کتے۔ اس کی انگلی کے ایک اشارے پر چاروں بھیڑوں کو جمع کرنے کے کام پر روانہ ہو جائیں گے۔
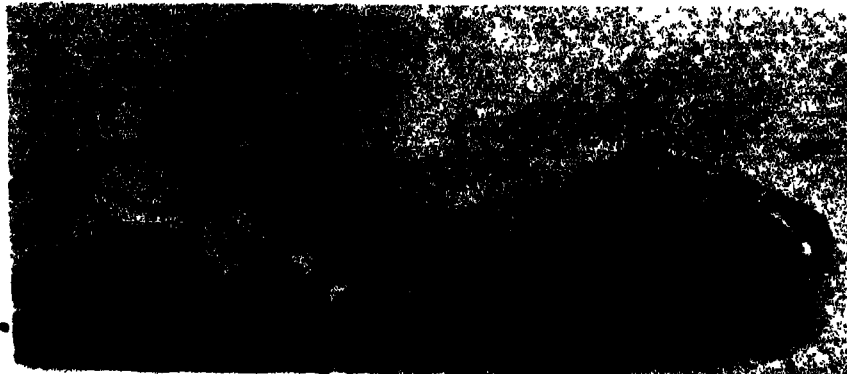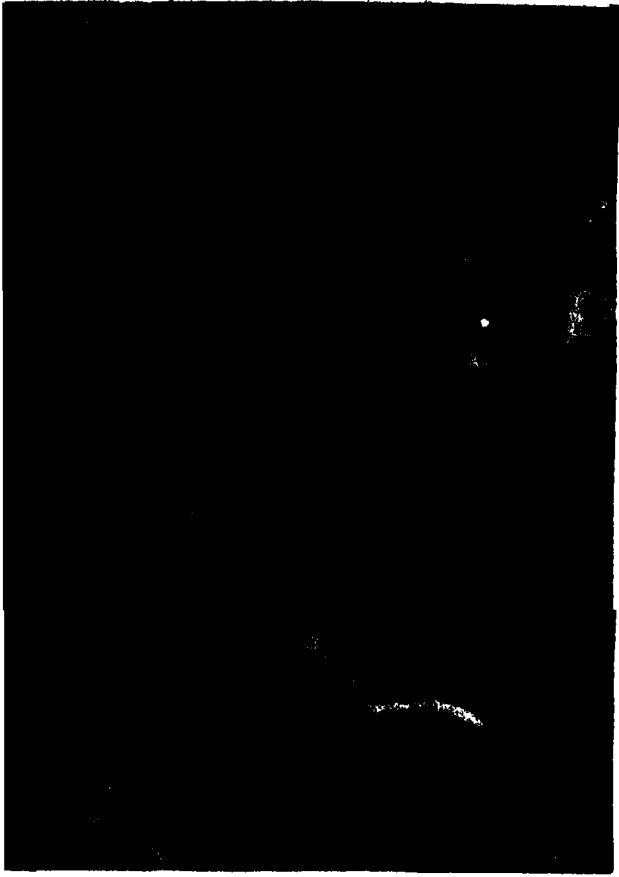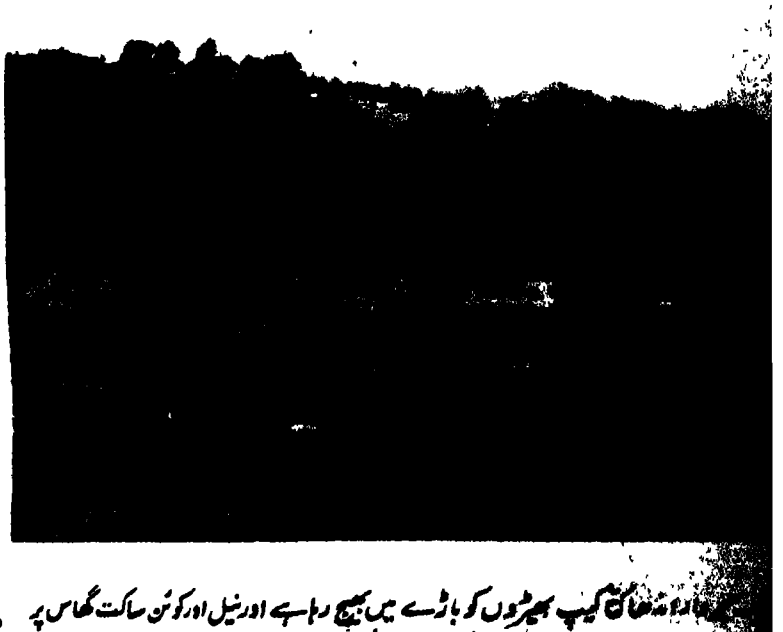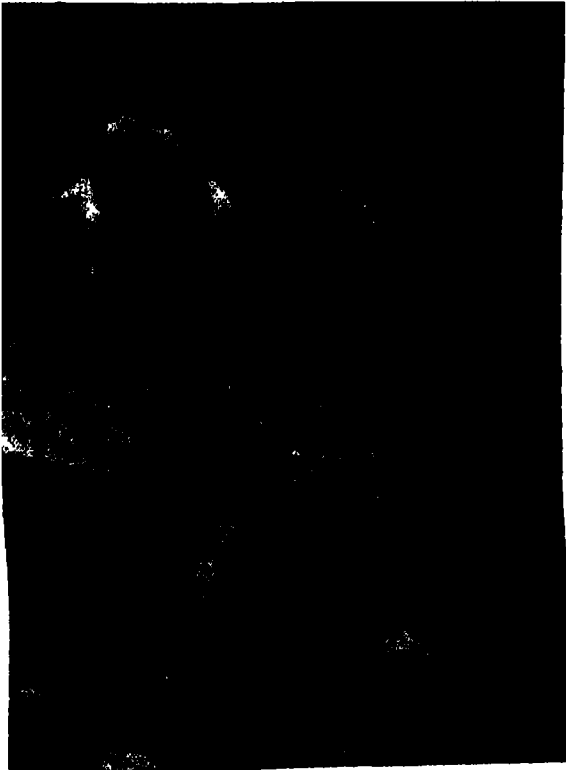
ایک سینٹ برنارڈ کتا اور اس کا "استاد" پادری۔ دونوں سینٹ برنارڈ کے مسافر خانے اور سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کے درمیان کے تاریخی درّے پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہاں صدیوں سے یہ کتے ان مسافروں کی مدد کرتے آئے ہیں جو سردیوں میں برفباری کے دوران میں بھٹک جاتے ہیں۔

انگلستان کا یہ بوڑھا گلہ بان کتا اپنے لانبے لانبے بالوں میں بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے۔

...کا کیپ بھیڑوں کو باڑے میں بھیج رہا ہے اور نیل اور کوئن ساکت گھاس پر پڑے ہوئے ہیں

کتے اسکول جاتے ہیں

اگر تمہارے پاس کوئی کتا ہو جسے تم چاہتے ہو تو تم اسے اپنے ساتھ اسکول لے جانا چاہو گے۔ لیکن جن کتوں کا حال تم یہاں پڑھو گے وہ طالب علم کی حیثیت سے اسکول جاتے ہیں تاکہ وہاں سے کچھ سیکھ کر خود کو زندگی کے لئے تیار کریں۔

سب سے پہلے برنارڈ کتے ہیں یہ یورپ کے اونچے پہاڑ کوہ آلپس میں سینٹ برنارڈ کی خانقاہ کے پادریوں کے پاس سیکھتے ہیں۔ پادری ان بڑے طاقتور کتوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ برفباری کے دوران میں بھٹکے ہوئے مسافروں کو بچائیں۔ کتے ہی کی گردن کے گرد ایک نلی ہوتی ہے جس میں کھانے پینے کا سامان ہوتا ہے تاکہ تھکا ماندہ سردی کھایا ہوا مسافر اتنی طاقت حاصل کرے کہ وہ اپنے وفادار بچانے والے کے ساتھ خانقاہ کی گرم فضا تک جا سکے۔ اگر آدمی اتنا کمزور ہو کہ چل نہ سکے تو کتا اُس وقت تک بھونکتا رہے گا جب تک پادری اس کی مدد کو نہ آجائیں۔

کتوں کے اسکول کا ایک اور ہوشیار طالب علم بھیڑوں کا کتا ہوتا ہے۔ اسکاٹ لینڈ میں اسے کولی کہتے ہیں۔ اسکے لمبے لمبے ریشمی بال اور خوبصورت گھنی دم ہوتی ہے۔ وہ بڑی سنجیدگی سے کام کرتا ہے اور اکثر اپنے کام کو گڈریئے سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر اسکی کوئی بھیڑ کسی دوسرے گلے میں پہونچ جائے تو وہ سینکڑوں میں اپنی بھیڑ کو پہچان لیتا ہے۔ بھیڑوں کی بے وقوفی اور سیدھا پن مشہور ہے لیکن جس وقت کولی اپنی بھیڑوں کو آسانی لیکن ہوشیاری سے سنبھالتے ہیں۔ وہ نظارہ قابل دید ہوتا ہے۔ پلک جھپکتے میں وہ گھاس میں چھپ جاتے ہیں تاکہ گھبرائی ہوئی بھیڑیں ڈریں نہیں۔ پھر بجلی کی طرح یہ تیز اور ذہین کتے بچھڑی ہوئی بھیڑوں کو صحیح راستے پر لگانے کے لئے پہاڑی کے آس پاس چکر کاٹتے ہیں۔ گڈریہ تو کبھی بولتا ہی نہیں۔ سر کے اشارے، ہاتھ کی جنبش یا ہلکی یا لمبی سیٹی سے کولی جان جاتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ ہوشیار کولی چھ ہفتے کی عمر میں اسکول جانے لگتا ہے۔ ہنگری میں بھیڑوں کا کتا پولی کہلاتا ہے۔ اس کے طریقے نرالے ہیں۔ وہ بھاگتی ہوئی بھیڑ کے اوپر چڑھ کر سواری کرتا ہے اور اسے اتنا تھکا دیتا ہے کہ مجبور ہو کر وہ گلے میں لوٹ آتی ہے۔

سائبیریا میں چاندی کی طرح سفید سامویائی کتے نگہبانی نہیں کرتے کیونکہ وہاں بھیڑیں ہی نہیں ہوتیں۔ وہ بارہ سنگھوں کی رکھوالی کرتے ہیں۔ اور اگر سامویائی قبیلے والوں کو یہ معلوم کرنا ہو کہ چڑھی ہوئی ندی کو کس جگہ سے پار کرنا چاہیئے یا سیل، ریچھ یا جنگلی ہنس کہاں مل سکتے ہیں تو وہ اپنے خوبصورت سفید کتے سے پوچھ لے گا۔

کچھ کتے پولیس والوں کا کام کرتے ہیں۔ ان کا کام بڑا مشکل ہوتا ہے۔ وہ ذرا سی غلطی بھی کریں تو غضب ہو جائے۔ وہ مال کی نگرانی کرتے ہیں چوروں کا پتہ لگاتے ہیں اور مجرموں کا مقابلہ کرکے انھیں عدالت میں کھینچ لاتے ہیں۔

لڑائی میں کتوں نے سپاہیوں کے کام کئے ہیں۔ کبھی کبھی دشمن سڑک پر سرنگیں بچھا دیتا ہے۔ ان سرنگوں کا پتہ لگانے کے لئے کتوں کی مدد لی گئی اور انھوں نے اپنی سونگھنے کی طاقت کی بدولت بہت سے آدمیوں کی جان بچائی۔ کتے ہوائی بیڑے میں بھی شامل ہوئے ہیں۔ اس صفحے کے اوپر تصویر میں جکس اور میگی ہوائی چھتری کے ذریعہ ہوائی جہاز سے اتر رہے ہیں تاکہ گمشدہ ہوابازوں کا پتہ لگا کر ان کو بچائیں۔ ان کا دوست اور مالک یعنی ہوائی ڈاکٹر ابھی ابھی اتر چکا ہے اور یہ تینوں ملکر زخمیوں کا پتہ لگانے اور ان کی جان بچانے میں بڑا کام کریں گے۔

پھر بعض کتے اندھوں کی رہنمائی کا کام سیکھتے ہیں۔ اندھا ہونا بڑی مصیبت ہے۔ اندھا ہو کر نہ انسان دوسرے کی مدد کے بغیر چل پھر سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ اندھوں کی لاٹھی بننا کتوں کے لئے بڑا اچھا کام ہے اور اس کام کے لئے اسے بہت اچھے اسکول میں جا کر اچھی طرح سیکھنا پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے ہونے والے مالک کو بھی اسکول جانا پڑتا ہے۔ دونوں ساتھ سیکھتے ہیں۔ آدمی اپنے دوست کتے پر اعتبار کرنا سیکھتا ہے اور کتا ہر مصیبت میں اپنے مالک کی مدد کرتا ہے۔ کسی دوسرے کتے کو دیکھ کر اسے بھونکنا ہرگز نہیں چاہئے۔ اسے صرف اس وقت بھونکنا چاہئے جب تک کہ کوئی خطرے سے آگاہ کرنا

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

بقیہ صفحہ ۲۴

ادھر سے گزری۔ اسے دیکھتے ہی بادشاہ اداس ہوگیا۔ اور کہنے لگا کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسی حسین شہزادی گونگی اور بہری ہے۔

صادق بولا شہزادی ٹھیک ہوسکتی ہے۔ بادشاہ یہ سن کر پھولا نہ سمایا۔ اس نے کہا کہ اگر تم شہزادی کو اچھا کردو تو نہ صرف تمہاری شادی اس سے کر دوں گا بلکہ اپنی آدھی سلطنت بھی تمہیں دے دونگا۔

صادق گرجا میں گیا اور کرسی کے نیچے سے مینڈک کو نکالا پھر اس کے منہ سے روئی نکال کر شہزادی کو دے دی۔ اور وہ فوراً بولنے کے قابل ہوگئی۔

شہزادی کے اچھا ہونے پر سب نے خوب خوشی منائی۔

صادق کی شادی شہزادی سے ہوگئی۔ شادی کی خوشی میں بہت پرتکلف دعوت دی گئی۔ اور ناچ رنگ کی محفل جمی۔ ناچ ہو رہا تھا کہ ایک فقیر اندر آیا اور اس نے کھانا مانگا۔ یہ شخص پھٹے پرانے چیتھڑے پہنے ہوئے تھا۔ صادق اسے پہچان گیا۔ وہ کاذب تھا۔

صادق نے اس سے پوچھا کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔

کاذب نے کہا میں آپ جیسے عالی مرتبہ رئیس سے کبھی نہیں ملا۔

صادق نے کہا: تم مجھے جانتے ہو۔ ایک سال پہلے آج ہی کے دن تم نے میری آنکھیں پھوڑی تھیں۔ لیکن پھر بھی تم میرے بھائی ہو آؤ اور دعوت میں شریک ہو اس کے بعد تم اس ہی درخت کے پاس جانا جہاں پچھلے سال میں تھا۔ شاید تمہیں کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔

کاذب جنگل میں گیا اور لیموں کے درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے سوچا اگر میرا بھائی اس درخت پر بیٹھنے سے آدھی سلطنت کا مالک ہوسکتا ہے تو نہ معلوم مجھے کیا کچھ مل جائے

اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ پچھلے سال کی طرح پھر جانور جمع ہوئے۔ جب دعوت ختم ہوگئی تو لومڑی نے کہا کہانیاں ہونی چاہئیں۔ لیکن بھالو کہنے لگا کہ پچھلے سال ہم نے جو باتیں کی تھیں وہ لوگوں کو معلوم ہوگئیں۔ لہٰذا اس سال جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ منہ سے نہیں نکالنا چاہئے۔ یہ کہکر جانوروں نے ایک دوسرے کو الوداع کہی اور گھر روانہ ہوگئے اور کاذب کو کوئی بات بھی معلوم نہ ہوسکی۔

کتے اسکول جاتے ہیں

بقیہ صفحہ ۲۸

اسے کسی ایسے راستے سے نہ جانا چاہئے جو اتنا تنگ نہ ہو کہ اس کا مالک بھی بہ آسانی اس میں سے گزر سکے۔ اسے یہ سیکھنا پڑتا ہے کہ شہر کی بھری سڑکوں پر جہاں دونوں طرف سے موٹریں اور لاریاں بھاگتی پھرتی ہیں، اپنے مالک کو کس طرح حفاظت سے لے جائے۔

ان حیرت انگیز کتوں کو دیکھ کر تم اندازہ کرسکتے ہو کہ انھیں اپنا کام کس قدر پسند ہے اور وہ اس کو خوشی سے کرنے میں کتنا فخر محسوس کرتے ہیں۔

ننھے ہاتھوں والی پہاڑی لڑکی

بقیہ صفحہ ۳۱

اس کے علاوہ ننھے ہاتھوں والی کے پاس ایک کتا بھی تھا۔ اب کتوں نے انسان کے ساتھ شکار کرنا سیکھ لیا تھا وہ بھیڑ بکریوں کی حفاظت کرتے تھے اور جب ننھے ہاتھوں والی بھیڑ بکریوں اور گایوں کی نگہبانی کرتی تو کتا بھی اس کے ساتھ رہتا تھا۔ ننھے ہاتھوں والی بھیڑوں کی رکھوالی بھی کرتی تھی اور ساتھ ساتھ کھال کے کپڑے اور جوتیاں بھی شکاریوں کے لئے بناتی جاتی تھی۔ وہ گھونگھوں اور سیپوں کے ہار بھی بنا سکتی تھی۔ اس کے پاس ایک ہڈی کی سوئی تھی جس پر اسکو بڑا ناز تھا۔

اس طرح سے پہلے زمانہ کے بچوں نے رفتہ رفتہ بہت سی باتیں سیکھ لیں۔ اور جوں جوں سال گزرتے گئے ان پر ظاہر ہوگیا کہ دنیا عجائبات سے بھری ہوئی ہے۔

کل کی باتیں

بقیہ صفحہ ۱۷

تیسرے درجے میں مزدور آتے ہیں انھیں مختلف پیشوں کی تعلیم دیجائے گی۔ اور یہ بتایا جائیگا کہ کام کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔

ذہین لڑکے اور لڑکیوں کو وظائف دئے جائیں گے تاکہ غریبی کی وجہ سے ان کا پڑھنا نہ رہ جائے۔ لوگ رفتہ رفتہ صنعتی تعلیم کی اہمیت سمجھتے جائینگے اور بہت سے ذہین لڑکے لڑکیاں جو عملی کام کرنا چاہتے ہیں وہ صنعتی پیشوں میں داخل ہو سکیں گے۔

تمہاری خالہ مسرت
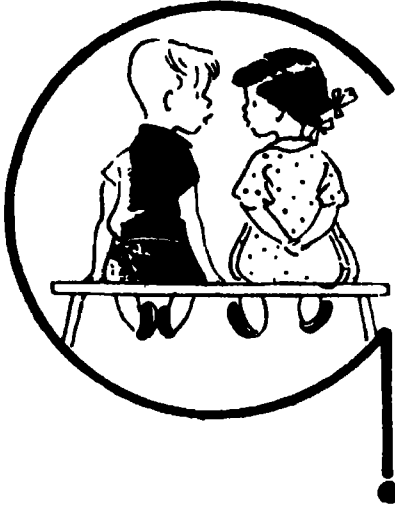
کیا تم جانتے ہو

برف سفید کیوں ہوتی ہے؟

برف جمے ہوئے پانی کے ننھے ننھے ریزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ ریزے شفاف ہوتے ہیں اور اگر یہ الگ الگ رہیں تو روشنی ان کے آر پار ہو جائے۔ لیکن برف کی شکل میں ان میں سے ہر ایک کا رخ مختلف سمتوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے وہ روشنی کے عکس کو مختلف سمتوں میں پھینکتے ہیں۔ چونکہ ان پر پڑنے والی سفید روشنی کا کوئی حصہ ان میں جذب نہیں ہوتا بلکہ ساری کی ساری روشنی منعکس ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سفید نظر آتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا رہنما نشان کون سا ہے؟

ہوابازوں کی رہنمائی کے لئے اسٹڈ بیکر ہوائی جہاز کمپنی نے اپنے ہوائی میدان واقع ساؤتھ بنڈ (انڈیانا) میں لفظ اسٹڈ بیکر لکھوا رکھا ہے جو دنیا کے سب سے بڑے رہنما نشانوں میں ہے۔ یہ لفظ لمبائی میں آدھ میل اور چوڑائی میں بیس منزلہ عمارت کی اونچائی کے برابر ہے۔ اس کے حروف صنوبر کے ساڑھے آٹھ ہزار درختوں پر مشتمل ہیں۔

مچھلی پانی نہیں پیتی؟

چونکہ مچھلی اپنی خوراک سے کافی نمی حاصل کر لیتی ہے اسلئے اسے پانی پینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ اپنے منہ میں پانی کھینچتی ضرور ہے۔ اور اسی لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ پانی پیتی ہے۔ لیکن در اصل وہ پانی کو اپنے گلپھڑوں میں بھر لیتی ہے۔ گلپھڑوں کا خون اس پانی سے آکسیجن کھینچ لیتا ہے اور پانی پھر باہر آ جاتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مچھلی پانی سے سانس لیتی ہے۔

دن کو گھنٹوں میں کس نے تقسیم کیا؟

تمام پرانی قومیں کسی نہ کسی طرح دن کو مختلف حصوں میں تقسیم کر لیتی تھیں۔ لیکن سورج کے سائے کو گھنٹوں کے زاویوں میں بانٹنے کا سہرا بابل والوں کے سر ہے۔ دن کی تقسیم کے لئے دائرے کو برابر کے زاویوں میں بانٹنے کے لئے بارہ کا لفظ نہایت موزوں تھا۔ سورج کا سایہ دھوپ گھڑیوں یا مخروطی میناروں سے حاصل کیا جاتا تھا۔ جو اسی مقصد کے لئے بنائی جاتی تھیں۔ وقت معلوم کرنے کے کچھ اور بھی طریقے تھے۔ مثلاً ایسے گلاسوں کا استعمال جس میں ریت بھری ہو یہ ریت ایک سوراخ سے نکلتی رہتی تھی اور ایک گھنٹہ ختم ہونے پر گلاس خالی ہو جاتا تھا۔ اسی طرح پانی کے گلاس اور گھنٹے بھر میں جل جانیوالی موم بتیاں بھی استعمال ہوتی تھیں۔

آسمان نیلا کیوں ہے؟

آسمان صرف سورج کی روشنی میں نیلا نظر آتا ہے۔ ورنہ اس کا رنگ تاریک ہوتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ آسمان کے نیلے رنگ کو سورج کی روشنی سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ در اصل آسمان غبار کے ننھے ننھے ذروں سے بھرا ہوا ہے۔ جو ہوا میں تیرتے رہتے ہیں۔ یہ ذرے روشنی کی بڑی لہروں کو روک لیتے ہیں اور ہم تک صرف چھوٹی لہریں پہونچتی ہیں جو نیلا رنگ ظاہر کرتی ہیں۔ چنانچہ آسمان کی روشنی در اصل سورج کی روشنی کا عکس ہے۔ لیکن صرف اس حصے کا جس کا رنگ نیلا ہوتا ہے ؛

ننھے ہاتھوں والی پہاڑی لڑکی

جوں جوں سال گزرتے گئے دنیا گرم ہوتی گئی۔ جاڑے کا زمانہ مختصر ہونے لگا اور سردی بھی کم پڑنے لگی۔ لوگ اب کھانے کے لئے بھیڑ بکریاں پالنے لگے تھے۔ یہ کام شکار کی نسبت آسان تھا پھر بھی کبھی کبھی وہ بڑے جانوروں کے شکار کے لئے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ بھیانک آوازیں نکالنے اور غرانے کی بجائے اب وہ ایک دوسرے سے بات چیت بھی کر سکتے تھے اور بجائے درختوں یا غاروں کے جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ یہ جھونپڑیاں وہ خود ہی تیار کرتے تھے۔

ننھے ہاتھوں والی لڑکی انھیں جھونپڑیوں میں ایک پہاڑی پر رہا کرتی تھی۔ ایسی جھونپڑیاں بنانا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ سب سے پہلے ننھے ہاتھوں والی کے باپ نے ایک گول گڑھا کھودا۔ پھر وہ ایک سیدھا درخت کاٹ کر لایا اور اپنی کلہاڑی سے اس کو چھیل کر اسے گڑھے کے بیچ میں گاڑ دیا اور پھر اسے مٹی سے اس طرح جما دیا کہ وہ سیدھا کھڑا رہے۔ اس کے بعد وہ چھت کے لئے بہت سی ٹہنیاں کاٹ کر لایا۔ ان ٹہنیوں کو برابر برابر گڑھے کے چاروں طرف مٹی کی منڈیر پر رکھا اور دوسرے سرے بیچ کی بلی سے باندھ دئے۔ پھر ان ٹہنیوں پر بہت سی گھاس اور پتے جما دئے تاکہ ٹھنڈی ہوا اور بارش اندر نہ جا سکے۔

گڑھے کے گرد جو مٹی کی منڈیر تھی اسکا ایک حصہ صاف کر کے دروازہ بنا دیا۔ جس گاؤں میں ننھے ہاتھوں والی رہتی تھی اس میں کئی ایسی جھونپڑیاں تھیں سب سے بڑی جھونپڑی میں ان کا سردار رہتا تھا وہ بہت طاقتور اور عقلمند تھا۔ اس لئے گاؤں کے تمام لوگ اس پر بھروسہ کرتے تھے۔

ننھے ہاتھوں والی کے گھر میں ایک آتشدان تھا جو ان کی جھونپڑی کو گرم رکھتا تھا۔ اس ہی پر چھوٹی موٹی چیزیں بھی پکائی جاتی تھیں۔ لیکن جھونپڑی کے برابر ایک گڑھے میں ایک بڑا چولہا تھا جو بڑے بڑے جانور پکانے کے کام آتا تھا۔

ان کے گھر میں کوئی ساز و سامان نہ تھا۔ گھاس پھوس اور کائی بستر اور قالین کا کام دیتے تھے۔ جھونپڑی میں ایک لیمپ بھی تھا جو ایک پتھر کو بیچ میں سے صاف کر کے بنایا گیا تھا۔ اس میں پگھلی ہوئی چربی جلائی جاتی تھی۔ اندھیری راتوں میں یہی لیمپ جھونپڑی کو روشن رکھتا تھا۔

ننھے ہاتھوں والی اپنے گاؤں کے سب لوگوں کو جانتی تھی۔ وہ تیز گام اور بازو زور کی طرح جنگلی جانوروں سے بھی نہیں ڈرتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا گاؤں بہت محفوظ تھا۔

اوّل تو وہ ایک اونچی پہاڑی پر واقع تھا۔ دوسرے اس کے چاروں طرف گاؤں والوں نے ایک منڈیر میں نوکدار بلیاں گاڑ کر ایک مضبوط احاطہ بنا لیا تھا جس میں جنگلی جانور نہیں گھس سکتے تھے۔

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

ہاتھی کا سنگار

عکس بین بنائیے

عکس بین سائنٹیفک کھلونوں میں سے ایک بہت دلچسپ کھلونا ہے اسکی مدد سے تم لاتعداد خوبصورت اور نئی وضع کے نمونے بنا سکتے ہو اور اس کا تیار کرنا بھی کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

۴ انچ چوڑا اور ½۴ انچ لمبا مضبوط گتّے کا ایک ٹکڑا لیجئے اور چوڑان کی طرف سے اس طرح کاٹیئے جیسا کہ تصویر نمبر۱ میں دکھایا گیا ہے۔ پھر A اور B کو V کی شکل کا کاٹیئے اور نچلے سرے سے ایک انچ اوپر ½۲ انچ لمبی ایک سیدھی لائن اور اس لائن کے دونوں طرف زاویہ قائمہ بناتی ہوئی ½ انچ لمبی دو چھوٹی چھوٹی لائنیں کاٹیئے۔

گتّے کے دوسری طرف نقطے دار لائن پر چاقو سے نشان لگائیے۔ چاقو سے نشان اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ گتّا موڑنے میں آسانی ہو یہ عکس بین کا خول ہے۔

اب آئینے کے بدلے ۳ انچ لمبے اور ½۱ انچ چوڑے ہموار اور چپٹی سطح کے ٹین کے دو ٹکڑے لیجئے اور کسی دھات کی پالش سے ان کی سطح رگڑ کر آئینہ کی طرح چمکا لیجئے پھر گوند لگا کر ایک کاغذ سے انھیں اس طرح جوڑیئے کہ مرضی کے مطابق کسی زاویہ پر کھولے جا سکیں جیسا کہ تصویر نمبر۲ میں دکھایا گیا ہے۔ کاغذ ٹین کے پچھلے حصے پر لگانا چاہئے۔

اب جیسا کہ تصویر نمبر۱ میں دکھایا ہے گتّا میز پر اس طرح رکھئے کہ چاقو سے بنائی ہوئی لکیریں نیچے کے رخ رہیں۔ پھر سامنے کی لائن C کو اوپر کے رخ موڑیئے اور پہلو کے تین مثلثوں کو بھی اوپر کی طرف موڑ کر سیدھا کھڑا کیجئے۔ ٹین کے آئینوں کو ۶۰ ڈگری کے زاویے پر کھول کر گتّے میں اس طرح رکھئے کہ ٹین A اور B پر کٹے ہوئے نشانوں میں پھنس کر اپنی جگہ جم جائیں۔

رنگین گتّے کے مختلف شکلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے کر آئینوں کے بیچ میں گتّے پر رکھئے۔ اور عکس بین کو جیسا کہ تصویر نمبر۳ میں دکھایا گیا ہے اس طرح پکڑیئے کہ آئینوں پر خوب روشنی پڑے۔ اس میں تمہیں بہت سے خوبصورت ڈیزائن نظر آئیں گے۔ عکس بین کو ہلا کر ڈیزائن بدلے جا سکتے ہیں۔ رنگین ٹکڑے کسی شکل کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر باقاعدہ دائرے۔ مثلث S یا X کی شکل کے کاٹے جائیں تو زیادہ خوبصورت ڈیزائن نظر آئیں گے۔

(بک آف نالج)

جادو کا مربع

1	15	5	12
8	10	4	9
11	6	16	2
14	3	13	7

جادو کے مربعے میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس میں دئے ہوئے ہندسوں کو خواہ اوپر سے نیچے جوڑیں۔ چاہے دائیں سے بائیں چاہے ترچھی لائنوں میں ان کا مجموعہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔ یہاں جو مربع دیا گیا ہے وہ جادو کا نہیں لیکن اگر اس کے چار ٹکڑے کردئے جائیں اور پھر ان چاروں ٹکڑوں کو دوبارہ اور طرح ترتیب دی جائے تو جادو کا مربع بن سکتا ہے۔ جس میں ہر رخ سے ہندسوں کی حاصل جمع ۳۴ ہوگی۔ ذرا کر کے دیکھئے

جادو کی مہر
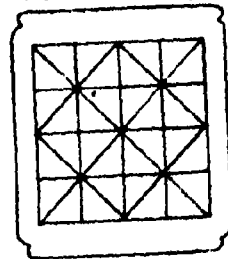
یہ عجیب و غریب مہر ایک بادشاہ تمام شاہی کاغذات پر لگار بیٹھا تھا۔ جو کوئی بھی بادشاہ کے دربار میں آتا تھا وہ اس سے پوچھتا کہ بتاؤ مہر کے بیچ میں جو مربع ہے اس میں سب چھوٹے بڑے ملا کر کل کتنے تکون ہیں۔ درباری اس معمے کو حل کرنے کی بہت کوشش کرتے کوئی کچھ تعداد بتاتا کوئی کچھ آپ بتائیے کل تکونوں کی تعداد کیا ہے؟

کیا قاضی نے انصاف کیا؟

بہت مدت گزری دو عرب مسافر چلتے چلتے ایک گاؤں میں کھانا کھانے کے لئے ٹھہرے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ وہ کھانا شروع کرنے والے تھے کہ ایک اجنبی آیا اور اس نے کھانے میں شرکت کی اجازت چاہی۔ دونوں مسافر راضی ہوگئے اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ جب تینوں کھا چکے تو اجنبی نے مسافروں کو ایک ہی قیمت کے آٹھ سکے دے کر کھانے کی قیمت ادا کردی۔ پھر اپنے میزبانوں کو الوداع کہہ کر رخصت ہوگیا جس مسافر کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اس نے نو سکے لے لئے اور تین سکے دوسرے کے لئے چھوڑ دئے۔ لیکن دوسرا آدمی جھگڑنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ برابر کا حصہ ملے۔ آخرکار وہ قاضی کے پاس پہنچے قاضی نے ان کی کہانی سنی اور ۷ سکے پانچ روٹیوں والے کو دے دئے اور ایک تین روٹی والے کو کیا قاضی نے انصاف کیا؟

کھیت اور کنوئیں

ایک کسان کے پاس ایک چوکور کھیت تھا جس کے چاروں کونوں پر ایک ایک کنواں تھا۔ کسان کھیت کی لمبائی چوڑائی اس طرح دگنی کرنا چاہتا ہے کہ کھیت چوکور رہے اور کنوئیں بھی کھیت کے کناروں پر رہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ (بک آف نالج)

مبر سنہ ۱۹۴۵ء
جلد ۳ — نمبر ۲

نونہال

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ ۴ آنے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوبصورت چیتل اس موٹر کو دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں جس پر سے یہ تصویر لی گئی تھی

فہرست

ہندوستان کے پالتو جانوروں میں سب سے زیادہ کارآمد گائے ہے۔ گائے کی ایک خوبصورت تصویر۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد جاپان پر صرف امریکن فوجوں کا ہی اختیار تھا۔ اب واشنگٹن سے اعلان کیا گیا ہے کہ برطانوی اور چینی فوجیں بھی امریکن فوجوں کے ساتھ ساتھ جاپان پر قبضہ کریں گی۔ پچھلے چند ہفتوں سے جاپانی افسر اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ مشترکہ اختیار کی بہترین صورت کیا ہو۔ لیکن ابھی تک کوئی آخری فیصلہ اسکے متعلق نہیں ہو سکا۔ پچھلے ماہ کا ایک اور اہم واقعہ پریذیڈنٹ ٹرومین کی تقریر ہے جس میں انھوں نے امریکن گورنمنٹ کی غیر ملکی پالیسی کا اعلان کیا ہے۔ ان کی تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ وہ سب قوموں کو خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی پوری آزادی دینا چاہتے ہیں۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو دنیا کے امن کے لئے تجویزیں ہو رہی ہیں اور دوسری طرف بعض جگہوں میں اب تک لڑائی اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ مثلاً فلسطین میں اب تک حالات بدستور ہیں۔ یہودی برابر فلسطین میں داخل ہو رہے ہیں اور عرب ان سے لڑ رہے ہیں۔ برطانوی گورنمنٹ نے فلسطین کے بارے میں تجویزیں تیار کی ہیں۔ پریذیڈنٹ ٹرومین اور مسٹر اٹیلی کی آنے والی ملاقات میں ان پر بحث ہوگی یہ ملاقات ۱۱ رنومبر کو ہوگی۔

انڈوچائنا میں انامی فرانسیسیوں کے خلاف لڑ رہے ہیں اور جزائر شرق الہند کے ڈچ علاقے میں انڈونیسی ڈچ حکومت کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ جاپان کا انجام قریب آتے دیکھ کر انڈونیشیا کے محب وطن لوگوں نے ڈاکٹر سکارنو کی قیادت میں خودمختار حکومت کا اعلان کر دیا تھا۔ اب ڈچ حکومت نے مصالحت کی کچھ شرطیں پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر سکارنو نے اس کانفرنس میں شرکت منظور کر لی ہے جس میں ان شرائط پر بحث ہوگی۔

ان تمام تر لڑائی، جھگڑوں، خون خرابے اور مصیبتوں کا حال پڑھ کر سمجھتے ہوگے کہ تم اسکا کچھ علاج نہیں کر سکتے لیکن دراصل تم ہی حالات بہتر بنا سکتے ہو۔

اگر دنیا کا ہر شخص اپنے حق سے زیادہ نہ لے خود غرضی اور بے رحمی چھوڑ دے اور محبت اور ہمدردی اپنا شعار بنائے تو دنیا میں لڑائیاں نہ ہوں۔ تم ابھی سے اپنا کام شروع کر دو کبھی بے رحمی اور بے انصافی سے کام نہ کرو۔ نازیوں اور جاپانیوں نے اپنے دشمنوں پر ظلم کئے لیکن ہندوستان میں بھی بہت سے جاندار رہتے ہیں جن پر ظلم ہوتا ہے۔ تم پوچھو گے وہ کون ہیں۔ پرندے اور جانور۔ جانور اگرچہ بول نہیں سکتے لیکن ان میں احساس ہوتا ہے۔ لوگ جب جانوروں سے بُرا برتاؤ کرتے ہیں تو یہ بات بھول جاتے ہیں۔ ان پر حد سے زیادہ بوجھ لادتے ہیں اور پھر اوپر سے مارتے ہیں۔ میں نے اکثر بازاری کتوں پر لڑکوں کو بلا وجہ پتھر پھینکتے دیکھا ہے۔ یہ بہت بری بات ہے۔ تمہیں اپنے میں رحمدلی کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اگر تم جانوروں پر ظلم کروگے تو بڑے ہوکر انسانوں پر ظلم کرنے سے بھی دریغ نہ کروگے اور بے رحمی تمہاری عادت ہو جائیگی۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ ایسی صورت میں ہم کبھی امن وامان کے خواب نہیں دیکھ سکتے۔

بڑے مصنفوں کی کہانیاں

ڈون کی ہوٹی

(۲)

"ڈون کی ہوٹی سپین کے ایک بہت بڑے مصنف "سروانٹیز" کی لکھی ہوئی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ آپ بھی ہیرو کے مضحکہ خیز کارناموں کا لطف اٹھائیے"

روزی نانٹے کا کارنامہ

ڈون کی ہوٹی اور سانچو دوپہر تک چلتے رہے اور آخر کار ایک سایہ دار چشمے کے کنارے آکر رکے۔ یہ جگہ دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ دوپہر ڈھلنے تک یہیں آرام کیا جائے۔ لہٰذا انھوں نے روزی نانٹے اور گدھے کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔

چشمے کے آس پاس چند چھکڑے والے ٹھیرے ہوئے تھے۔ انکے گھوڑے بھی وہیں کہیں چر رہے تھے ان سے روزی نانٹے نے دوستی گانٹھنا چاہا لیکن گھوڑوں نے اسے دیکھ کر دولتیاں جھاڑنی شروع کر دیں۔ چھکڑے والوں نے جو شور سنا تو دوڑے ہوئے آئے اور روزی نانٹے کو اس بری طرح پیٹا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔

ڈون کی ہوٹی نے روزی نانٹے کی اس درگت کے انتقام کی ٹھانی اور سانچو سے چیخ کر کہا کہ تم بدلہ لینے میں میری مدد کرو۔ یہ نائٹ نہیں بلکہ معمولی آدمی ہیں۔ سانچو نے کہا کہ دو آدمی ۲۰ سے نہیں لڑ سکتے۔

ڈون کی ہوٹی بولے "میں سو آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں" اور یہ کہکر حملہ بول دیا۔ لیکن چھکڑے والوں نے ذراسی دیر میں ڈون کی ہوٹی اور انکے اسکوائر کو لکڑیوں سے مار مار کر زمین پر گرا دیا۔ اسکے بعد وہ اپنے چھکڑے جوت وہاں سے چل دئے۔

چند گھنٹے بعد ایک نحیف سی آواز سنائی دی: "اے آقا۔ اے میرے مالک ڈون کی ہوٹی مجھے ایک خوراک اس جادو کی دوا کی دے دیجئے جسکا آپ ذکر کیا کرتے تھے۔ جو زخموں کو اچھا کر دیتی ہے اور ہڈیوں کو جوڑ دیتی ہے" یہ سانچو کی درد بھری التجا تھی۔
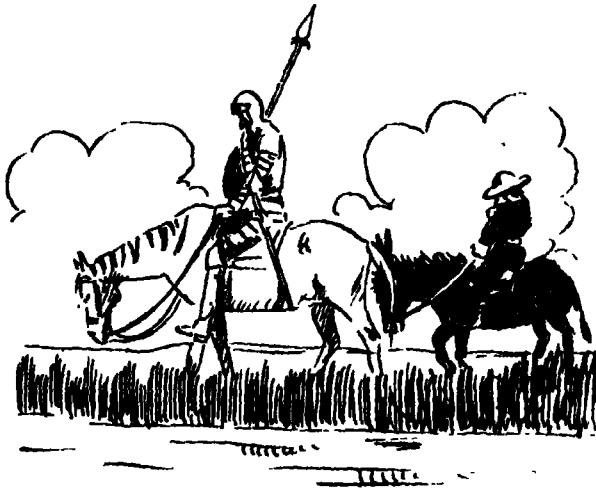
"اگر میرے پاس دوا ہوتی تو مشکل ہی کیا تھی۔ میں جب چلنے کے قابل ہونگا تب دوا لاؤنگا۔" نائٹ نے کہا۔

وہ اسقدر پٹا تھا کہ بہت دیر کے بعد وہ اٹھ کر گدھے پر سوار ہو سکا۔ بیچارے روزی نانٹے کی حالت تو اتنی بری تھی کہ وہ اپنے مالک کو سوار نہ کر سکتا تھا۔

سانچو اس حماقت زدگی سے بہت ناخوش تھا۔ اس نے اپنے آقا سے کہا: "مجھے بہادری دکھانے کی بالکل خواہش نہیں۔ اسکا نتیجہ سوائے ہڈیاں تڑوانے کے کچھ نہیں ملتا"۔

ڈون کی ہوٹی نے کہا "تم نہیں سمجھتے نائٹوں کو ایسے حادثات کبھی کبھار پیش آہی جاتے ہیں"۔

سانچو نے کہا "ادہو۔ تو آپکا خیال ہے کہ ایسے حادثے کبھی کبھار ہی پیش آتے ہیں۔ اس تھوڑے سے عرصے میں دو تو میں ہی دیکھ چکا ہوں"۔

جیسے ہی وہ سڑک پر مڑے سانچو بولا "وہ دیکھو سرائے"۔

ڈون کی ہوٹی جو گدھے پر سے لٹکے پڑ رہے تھے بولے "تمہارا مطلب اس قلعہ سے ہے؟"

"نہیں جناب وہ سرائے ہے۔ سانچو نے غصے سے کہا۔

لیکن نائٹ اس بات پر اڑے رہے کہ نہیں وہ قلعہ ہے۔ وہ جھگڑتے رہے یہاں تک کہ مکان کے دروازے پر پہنچ گئے یہ واقعی ایک

سرائے تھی۔ سانچو بہت خوش ہوا اور اسنے اندر جاکر آرام کیا۔

جادو کی دوائی اور ایک بڑی لڑائی

یہ لوگ سرائے میں آرام کر رہے تھے کہ ڈون کی ہوٹی نے جادو کی دوائی بنانی شروع کی۔ یہ عجیب غریب دواؤں کا مرکب تھا جب دوا تیار ہوگئی تو ایک بڑی سی خوراک ڈون کی ہوٹی نے پی لی۔ پہلے تو اس سے جی ذرا متلایا لیکن پھر تین گھنٹے تک وہ سوتے رہے جب وہ سوکر اُٹھے تو طبیعت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ اسلئے انھوں نے فوراً سرائے سے روانہ ہونیکا ارادہ کرلیا۔ سانچو نے بھی جادو کی دوا کی ایک بڑی خوراک پی تھی لیکن اسپر اسکا الٹا اثر ہوا۔ اسکے آنا درد ہوا کہ وہ تکلیف کے مارے بلبلانے لگا۔

ڈون کی ہوٹی نے اسے یہ کہکر تسلی دی کہ دوا صرف نائٹوں کے لئے ہی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ پھر وہ اصطبل میں گیا اور روزی نانٹے کو باہر نکالا جب سرائے کے مالک نے کرائے کا مطالبہ کیا تو ڈون کی ہوٹی نے اس بنا پر انکار کردیا کہ اسے نائٹوں سے پیسے وصول کرنے کا کوئی حق نہیں یہ کہا اور اس سے پہلے کہ کوئی اسے روکتا وہ روانہ ہوگیا۔

سرائے کے مالک اور اسکے دوست اتنے تاؤ میں آئے کہ انھوں نے سانچو پانزا کو پکڑ لیا اور ایک کمبل لاکر سانچو کو ہوا میں اتنا اچھالا کہ بیچارا ڈر کے مارے چیخنے لگا۔

ڈون کی ہوٹی نے اپنے اسکوائر کی آواز سنی اور پیچھے مڑکر دیکھا کہ کیا ماجرا ہے۔ وہ رکا اور سانچو کو اوپر نیچے اچھلتا دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ دروازہ بند تھا اسلئے وہ باہر ہی کھڑا ان لوگوں کو برا بھلا کہتا رہا۔

جب وہ لوگ تھک گئے تو سانچو کو چھوڑ دیا۔ سانچو اپنے گدھے پر سوار ہوکر اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ڈون کی ہوٹی نے اسکی خستہ حالت دیکھ کر جادو کی دوا پھر پیش کی اور کہا ایک خوراک پی لو تو سب تکلیف کافور ہوجائیگی۔ "کیا آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ دوا آپ کو ہی مبارک رہے میرے سامنے اسکا ذکر نہ کیجئے۔"

راستے میں ڈون کی ہوٹی سانچو سے باتیں کرتے رہے۔ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انھوں نے ایک غبار کا بادل سا اپنی طرف آتا دیکھا "دیکھو سانچو تمہاری سب تکلیفوں کا اجر اب ملجائیگا۔ بہت سے سپاہی جارہے ہیں۔ انکے قدموں سے یہ خاک اڑ رہی ہے۔" دوسری سمت میں بھی انھوں نے خاک اڑتی دیکھی۔ ڈون کی ہوٹی بولے "دیکھو سانچو دو فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی ہیں۔"

ڈون کی ہوٹی اس لڑائی کا نقشہ الفاظ میں کھینچ رہے تھے۔ کہ اتنے میں غبار چھٹ گیا۔ اور سامنے بھیڑوں کے دو گلے نظر آنے لگے جنکی میں میں کی آواز ساری فضا میں پھیل رہی تھی۔

سانچو نے کہا "آپ اس امید میں تھے کہ نائٹ اور سپاہی نظر آئینگے۔ یہ تو بھیڑیں نکلیں" لیکن ڈون کی ہوٹی نے اس بات پر کان نہ دھرا اور اپنا نیزہ گھماتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے۔

چرواہا بہت چیخا کہ بھیڑوں کو مت چھیڑو لیکن یہ دیکھ کر ڈون کی ہوٹی اسکی پرواہ نہیں کرتے اس نے ان پر پتھر پھینکنے شروع کردئے۔ ایک پتھر ان کے اتنے زور سے آکر لگا کہ وہ سمجھے کوئی بڑا زخم آیا ہے۔ جھٹ انھوں نے جادو کی دوا کی بوتل نکال ہونٹوں سے لگالی۔ لیکن ایک پتھر بوتل میں آکر لگا اور بوتل چکنا چور ہوگئی۔ اس سے ان کی دو انگلیاں کچل گئیں اور تین چار دانت جھڑ گئے۔
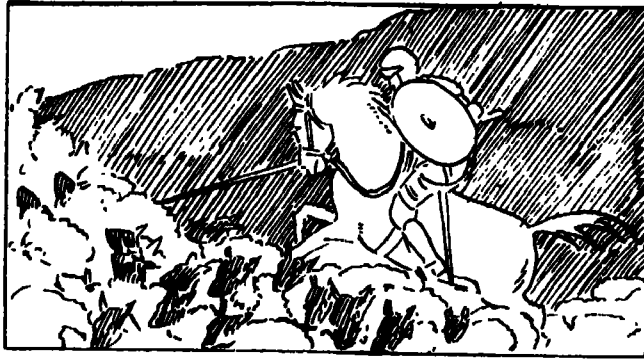
سانچو اپنے مالک کا دیوان پن دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کی مدد کو دوڑا اور ملامت بھرے لہجے میں کہا "آپ اس قدر پاگلوں کی سی حرکتیں کیوں کرتے ہیں کہ ہر طرف آپکو فوجیں۔ نائٹ اور بادشاہ ہی نظر آتے ہیں۔"

ڈون کی ہوٹی بڑے وثوق سے بولے کہ دراصل یہ نائٹ ہی تھے لیکن مکار جادوگر نے انھیں بھیڑیں بنا دیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ڈون کی ہوٹی انپر فتح پالیگا۔

دہی

اپنے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ڈون کی ہوٹی نے سانچو سے کہا

کہ میری خود لاؤ۔ سانچو نے چرواہے سے کچھ دہی خریدا۔ اسکے پاس کوئی برتن نہ تھا اسلئے اس نے خود میں ڈال لیا۔ جب سانچو سامنے آیا تو ڈون کی ہوٹی نے کہا۔ "دوست میری خود مجھے دے دو کیونکہ دشمن آرہا ہے" اس سے پیشتر کہ سانچو کچھ کہہ سکے ڈون کی ہوٹی نے خود اسکے ہاتھ سے چھین کر بغیر دیکھے سر پر رکھ لی۔ دہی ان کے تمام چہرے اور ڈاڑھی پر بہہ نکلا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت گھبرائے اور سانچو کو آواز دی کہ "دیکھو مجھے کیا ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میرا بھیجا پلپلا ہو کر بہہ نکلا ہے۔ منہ پونچھنے کے لئے کوئی کپڑا دو۔ سانچو چپ رہا اور کپڑا لا کر دے دیا۔ ڈون کی ہوٹی نے اپنی خود اتاری کہ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔ اس میں کچھ سفید سفید چیز دیکھ کر انھوں نے سونگھا: "او ہو تم اس میں دہی خرید کر لائے تھے" بدتمیز کمینے نمک حرام اسکوائر۔ اس نے سانچو سے کہا۔ سانچو چالاکی سے کہا میری بھلا یہ مجال کہاں کہ حضور کی ٹوپی میں دہی لاؤں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جادوگر کی کارستانی ہے۔ جو آپ کو پریشان کرنے پر تلا ہوا ہے۔ میرے پاس تو نہ دودھ ہے نہ دہی اور کوئی اس قسم کی چیز۔ اگر میرے پاس دہی ہوتا تو میں اسے اپنے پیٹ میں رکھتا نہ کہ آپکی خود میں" ڈون کی ہوٹی اپنا سر منہ اور ڈاڑھی پونچھ کر گھوڑے پر ڈٹ گئے اور بولے اب میں اس شیطان کے مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔
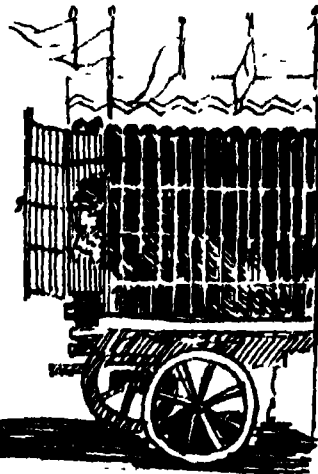
شیر سے مقابلہ

ایک چھکڑا جسے خچر کھینچ رہے تھے ان کی طرف آتا نظر آیا: "تم ور گاڑی میں کیا لے جا رہے ہو۔

"میں دو خوفناک شیروں کو پنجرے میں بند کر کے لے جا رہا ہوں" چھکڑے والے نے کہا "افریقہ کی فوجوں کے سردار نے شاہ اسپین کی خدمت میں یہ تحفہ بھیجا ہے۔"

"کیا شیر بہت بڑے ہیں" ڈون کی ہوٹی نے پوچھا۔

"یہ اتنے بڑے ہیں کہ آجتک اتنے بڑے شیر کبھی افریقہ سے اسپین نہیں لائے گئے۔ وہ بھوکے ہیں۔ آج انھیں کھانا نہیں ملا۔ میں انھیں ایسی جگہ لیجانا چاہتا ہوں جہاں گوشت مل سکے۔ جناب آپ ہمیں جانے دیجئے"

ڈون کی ہوٹی مسکرائے اور کہا "مجھے معلوم ہے کہ میرے دشمن جادوگر نے یہ شیر مجھ سے لڑنے کے لئے بھیجے ہیں۔ لیکن اسے معلوم ہو جائیگا کہ میں انکی کتنی پرواہ کرتا ہوں۔ انھیں پنجرے سے نکالو تاکہ میں انھیں مزا چکھاؤں کہ ڈون کی ہوٹی لامانچا کیسا ہے" چھکڑے والا ذرا ہچکچایا۔ ڈون کی ہوٹی گرجے۔ "پنجرہ کھولو۔ ورنہ ابھی نیزے سے تمہیں چھکڑے میں ٹھونک دونگا"

خوفزدہ چھکڑے والے نے التماس کی کہ خچروں کو کھول کر اور کہیں باندھنے کی اجازت دی جائے۔ ڈون کی ہوٹی نے کہا اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو اجازت ہے"

"تمہارا مالک اتنا پاگل کیوں ہے" چھکڑے والے نے سانچو سے چپکے سے کہا۔ سانچو نے کہا "وہ پاگل نہیں بلکہ بہت بہادر آدمی اور مہمیں سر کرنیکا شوقین ہے"

سانچو نے بہت سمجھایا کہ ایسے جان جوکھوں کے کام میں نہ پڑو۔ لیکن

ڈون کی ہوٹی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ڈون کی ہوٹی نے فیصلہ کیا کہ وہ گھوڑے سے اتر کر شیر کا مقابلہ کرینگے کیونکہ انکا خیال تھا کہ کہیں گھوڑا نہ ان جنگلی شیروں کو دیکھ کر ڈر جائے۔

اس نے اپنا نیزہ پیچھے رکھا تلوار سونت کر دوسرے ہاتھ سے ڈھال سامنے کی اور پنجرے کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اسکے اصرار پر پنجرے کا دروازہ کھولا گیا۔ اس میں ایک بڑا خوفناک شیر تھا۔ پہلے تو شیر پنجرے کے چکر لگاتا رہا۔ اس نے اپنا ایک پنجہ پھیلایا پھر اٹھا اور آہستہ سے چھینکا۔ پھر زبان سے اپنا منہ چاٹ کر صاف کیا اور سر پنجرے سے باہر نکالکر اس نے اپنی انگارہ جیسی دہکتی ہوئی آنکھیں چاروں طرف پھرائیں۔ یہ نظارہ اتنا بھیانک تھا کہ کوئی بہت ہی بہادر شخص اسکی تاب لا سکتا تھا (باقی صفحہ ۲۰ پر)

ریڈر

جس نے برطانیہ کو تباہی سے بچایا

۱۹۴۰ء میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا جرمن جنگ جیت جائیں گے۔ فرانس ہار چکا تھا اور برطانیہ لڑنے کے لئے تنہا رہ گیا تھا۔ ہٹلر کا خیال تھا کہ برطانیہ پر بم گرا کر ہار منوائی جا سکتی ہے۔ اسلئے اس نے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں بے گناہ لوگوں پر بم برسانے اور شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جہاز بھیجے۔ ان میں چند جہاز تو برطانیہ پہنچنے سے پہلے ہی برباد کر دئے گئے۔ اور کچھ کو لندن اور دوسرے شہروں میں مار گرایا۔ برطانیہ کے لڑاکا جہازوں اور ہوا مار توپوں کے نشانے اتنے صحیح تھے کہ بہت کم نازی ہوائی جہاز واپس جا سکے۔ اس طرح برطانیہ کو ہوائی طاقت کے ذریعے فتح کرنے کی کوشش ناکام ہوئی۔

برطانیہ کے پاس جرمنی کی نسبت کم جہاز تھے۔ دنیا کو تعجب ہوا کہ برطانیہ نے جرمنی کے طاقتور بیڑے کو کیونکر ہرا دیا۔ یہ راز اب ظاہر کیا گیا ہے۔

برطانیہ کو ریڈر سٹیشنوں نے بچایا۔ ریڈر سے ریڈیو کی لہروں کے ذریعے دشمن کے آتے ہوئے جہازوں کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کی طاقت کیا ہے اور وہ کس سمت میں کتنی بلندی پر اڑ رہے ہیں۔ کہر اور اندھیرے میں بھی دشمن کے جہاز ریڈر سے نہیں بچ سکتے تھے۔ ریڈر کی وجہ سے رائل ایر فورس کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کب اور کس جگہ جہاز پر حملہ کرنا چاہئے۔

اگر یہ آسان تجربہ کر کے دیکھا جائے تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ ریڈر کس طرح کام کرتا ہے۔ ایک چٹان کے قریب کھڑے ہو جاؤ اور اس کی طرف منہ کر کے زور سے چیخو تو آواز اس سے ٹکرا کر تمہیں گونجتی ہوئی سنائی دیگی۔ ریڈر کا اسٹیشن بھی اسی اصول پر چلایا جاتا ہے۔ یہاں سے ریڈیائی لہریں بھیجی جاتی ہیں جو ہوائی جہاز سے ٹکرانے کے بعد واپس آجاتی ہیں اور ایک خاص ریڈیو رسیور ان لہروں کو وصول کر لیتا ہے۔ کیونکہ ریڈیائی لہریں ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے جاتی ہیں۔ اسلئے اس تمام عمل میں بہت کم وقت لگتا ہے۔ لہروں کی رفتار معلوم ہونے کی وجہ سے آسانی سے حساب لگایا جا سکتا ہے کہ جہاز کتنی دور ہے۔ فرض کرو ہم نے ایک ریڈر اسٹیشن سے لہریں بھیجیں اور وہ ٹکرا کر سیکنڈ کے [illegible] حصے میں ہم تک پلٹ کر آئیں ہمیں معلوم ہے کہ ریڈیو کی لہر ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں اسلئے اسٹیشن سے جہاز تک اور وہاں سے اسٹیشن تک کا فاصلہ ۳۷۲ میل ہوا۔ اس فاصلے کو آدھا کرنے سے ہمیں یہ معلوم ہو جائیگا کہ جہاز اسٹیشن سے ۱۸۶ میل دور ہے۔

ریڈیو کی لہروں کے ذریعے چیزوں کا پتہ لگانے کے تجربے پندرہ برس پہلے شروع ہوئے۔ یہ تجربے کامیاب رہے اور ۱۹۳۵ء تک برطانیہ میں کئی ایسے اسٹیشن قائم ہو گئے۔ یہ دنیا میں پہلا ریڈر سسٹم تھا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی برطانیہ نے سارے ساحل پر ریڈر اسٹیشن بنا لئے۔

۱۹۴۰ء میں انگریزی سائنسدانوں نے یہ راز امریکنوں کو بھی بتا دیا اور انھوں نے اسکا نام ریڈر رکھا۔

اس میں اور نئی نئی ترقیاں ہوتی رہیں اور بہت سے اور کاموں میں اسکا استعمال ہونے لگا۔

جرمنی کے بغیر ہوابازوں کے جہازوں سے ریڈر ہی نے بچایا اسی کی مدد سے کہر اور اندھیرے میں اتحادی جرمنی میں ٹھیک نشانوں پر بم برسا سکے۔ فرانس میں فوجیں اتارنے کی کامیابی کا سہرا بھی اسی عجیب وغریب ایجاد کے سر ہے۔ اب لڑائی ختم ہو چکی ہے اور سائنسدان یہ چھان بین کر رہے ہیں کہ امن کے زمانے میں اسے کس طرح استعمال کیا جائے۔ اسکی مدد سے سفر کے خطرے کم ہو جائیں گے۔ ہوابازوں کو آنے والے طوفان اور پہاڑوں کا پہلے سے پتہ چل جائیگا۔ پانی کے جہاز بھی بغیر ایک دوسرے سے ٹکرائے سمندر پار کر سکیں گے۔ بعض سائنسدان کہتے ہیں۔ ریڈر کی مدد سے چاند کے متعلق بھی ہماری معلومات میں اضافہ ہوگا۔

لکھنے والوں کا انعامی مقابلہ — بقیہ صفحہ ۱۵

مفلسی، جہالت، محتاجی و گداگری، فساد و خونریزی۔ جوا و شراب اور دوسری بری باتیں ان میں نام کو نہیں۔ انکی اپنی حکومت ہے۔ اپنے دفاتر اور اپنی عدالتیں ہیں وہ خود بادشاہ اور خود رعایا ہیں کاش کہ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اتفاق ہوتا تو ہم بھی ان تمام نعمتوں سے مالامال ہوتے کسی شاعر نے اسکے متعلق کہا ہے؎

ملک روندے گئے ہیں بیروں سے ÷ چین کس کو ملا ہے غیروں سے
ملک میں اتفاق ہوتا اگر ÷ کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیوں کر

— خورشید آرا

سچی کہانی

جنگ کے زمانے میں جب آسمان سے بموں کی بارش ہوا کرتی تھی، اسکول، مکان اور دوکانیں اکثر اچانک تباہ ہوجاتی تھیں اور بہت سے مرد، عورتیں اور بچے اینٹوں اور پتھروں اور ٹوٹے ہوئے شہتیروں کے اس انبار میں دب جاتے تھے جو چند منٹ پہلے ان کا گھر تھا۔ ان ہولناک دنوں میں نہ صرف مردوں اور عورتوں نے بلکہ بچوں نے بھی بہادری کے کام کرکے دکھائے۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جن کی داستان ہم تک پہنچی ہی نہیں۔ ایک بہادر لڑکی کی کہانی یہاں درج کی جاتی ہے جو دب جانے پر بھی گاگا کر اپنی ماں کی ہمت بڑھاتی رہی۔ مارگرٹ ولس انگلینڈ کے شمال مشرقی ساحل پر اسکاربرا میں رہتی تھی۔ اسکی عمر صرف گیارہ سال تھی جب دشمن کے ایک بم سے اسکا گھر تباہ ہوا۔ رات کے ساڑھے نو بجے یہ واقعہ پیش آیا۔ گھر کے سب لوگ سیڑھیوں کے نیچے ایک ذرا سی جگہ میں صبح کے ساڑھے چھ بجے تک پھنسے کھڑے رہے۔ مارگرٹ کی چھوٹی بہن مرگئی تھی۔ اسکے والدین اور ایک خالہ کے بہت سخت چوٹیں آئی تھیں۔ مارگرٹ کے اوپر کا دھڑ بچ گیا تھا لیکن نچلا حصہ گیس کے پائپوں اور بجلی کے تاروں میں دب گیا تھا۔ جب تک وہ تار کاٹے نہیں گئے برابر جھٹکے لگتے رہے۔ آگ بھڑک رہی تھی اور بچاؤ کرنے والے دستوں کو برابر سب گھر والوں پر پانی ڈالنا پڑتا تھا۔ مارگرٹ نے ذرا بھی گھبراہٹ یا پریشانی نہیں دکھائی بلکہ ہمت سے کام لیا۔ اور اپنی ماں کی ڈھارس بندھانے کے لئے وہ گاتی رہی وہ گرل گائیڈ تھی۔ اسلئے اسکو گرل گائیڈ ایسوسی ایشن کی طرف سے گلٹ کراس ملا۔ اس تصویر میں وہ تمہیں یہ تمغہ پہنے ہوئے نظر آرہی ہے۔

اب دو بہادر لڑکوں کی کہانی سنو۔ یہ دونوں چھٹی کے دن دوپہر کو اپنی کشتی میں خلیج فورتھ کی سیر کو نکلے اگر تم نقشہ میں دیکھو تو سکاٹ لینڈ کے جنوب مشرقی ساحل پر تمہیں خلیج فورتھ مل جائے گی۔ ان دونوں نے ایک ہوا باز کو جس کی گردن ٹوٹ گئی تھی بچایا۔

یہ لڑکے چودہ سالہ ایلن میک رابرٹ اور ۱۲ سالہ جیمس لنٹن تھے۔ ان کی کشتی کے پاس ایک برطانوی ہوائی جہاز گرا اس میں آگ لگی ہوئی تھی۔ دونوں فوراً ہوا باز کو بچانے کے لئے پہنچے انھوں نے دیکھا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی ہے اور وہ بیہوش پڑا ہے۔ انھیں ایک میل دور ساحل تک اسے لیجانا پڑا جو کہ نہایت تھکا دینے والا کام تھا۔ جیمس ایک ہاتھ سے ہوا باز کو پکڑے ہوئے تھا اور دوسرے سے وہ کشتی میں جو پانی بھر رہا تھا اسے پھینکتا جاتا تھا۔ ورنہ کشتی اپنے ساتھ سب کو ڈبوتی۔ اس کا دوست ایلن کشتی کو کھیتا ہوا بہت حفاظت سے کنارے تک لے گیا۔ ہوا باز کو ہسپتال پہنچایا گیا جہاں وہ جلد اچھا ہوگیا۔

نوٹ:۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھیے۔ ۔۔۔۔۔۔ (ادارہ)

کدّو میاں نمبر ۲

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں دو لمبے لمبے کان ہیں۔ انکی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ اُلٹا ہے ؛

کدّو میاں اور جیپ

کدو میاں کو پٹرول کی ایک دوکان کے باہر ایک جیپ خالی کھڑی مل گئی۔ وہ اپنے دوست شانٹے کلیر مرغے کو ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے۔
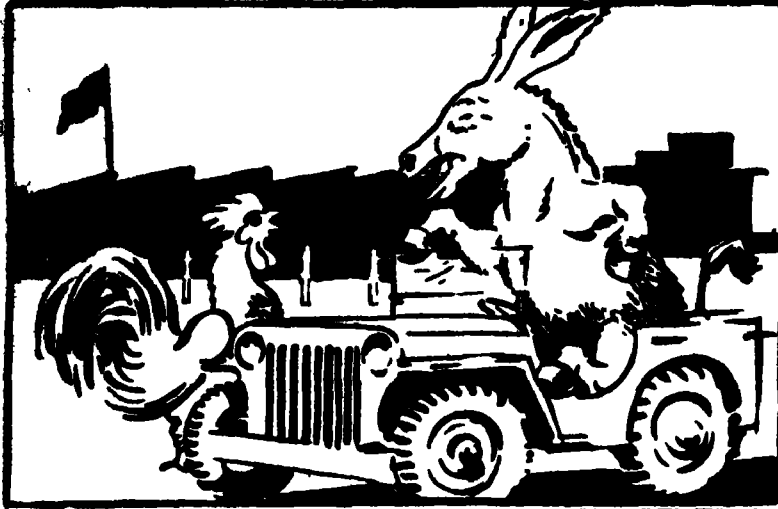
جیپ پہاڑی کی ڈھلان پر بڑی تیزی سے بھاگنے لگی۔ کدو میاں اور شانٹے کلیر مرغے کے حواس گم ہوگئے۔ انھیں جیپ کو روکنے کا طریقہ تو معلوم ہی نہیں۔ جب جیپ پہاڑی پر لڑھکنے لگی تو لوگ اس کے سامنے سے ہٹ کر اِدھر اُدھر ہوگئے۔
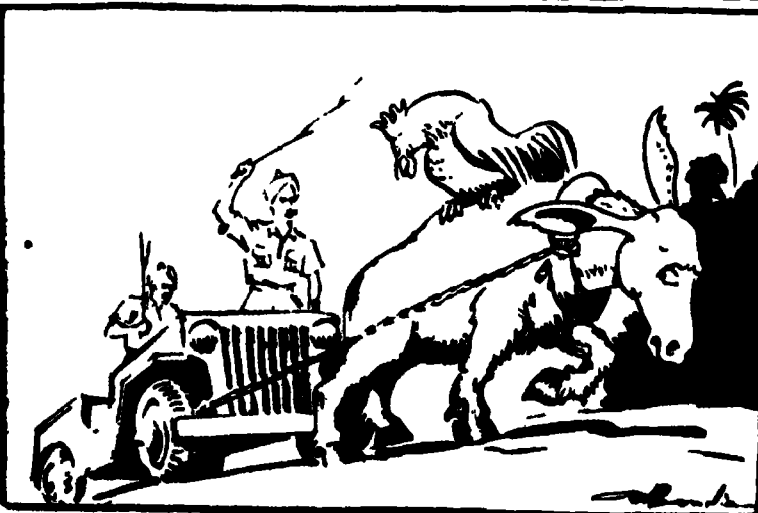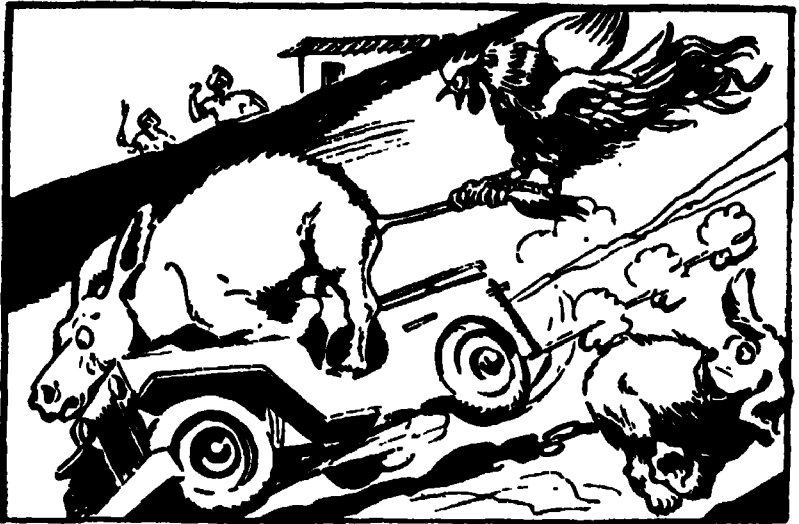
خوش قسمتی سے جیپ میں پٹرول بہت کم تھا اور قبل اس کے کہ کسی کو نقصان پہونچے وہ آپ ہی آپ رُک گئی۔ سپاہی بھاگتے ہوئے آئے اور انھوں نے کدو میاں کی خوب مرمت کی اور انھیں جیپ میں جوت کر پہاڑ کی چڑھائی پر چلانا شروع کیا ؛

شرارت کبھی فائدہ مند نہیں ہوتی

کل کی باتیں

عزیز بھانجو اور بھانجیو !
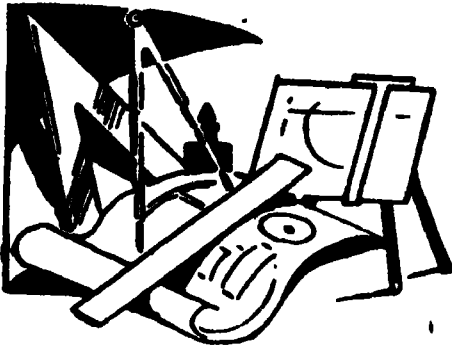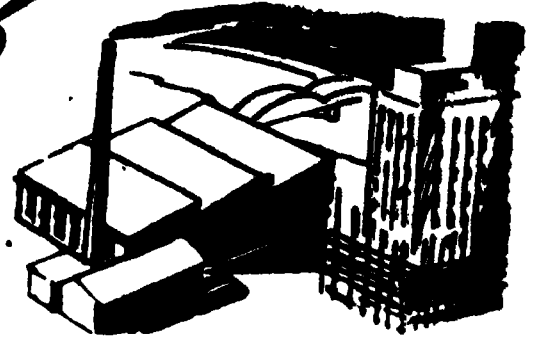
پچھلے چند سال سے برابر ہم سے کہا جا رہا ہے کہ سفر کم کرو۔ وہ بھی صرف ایسی حالت میں جبکہ اشد ضروری ہو، اور جب کبھی سفر پر جاؤ اپنے ساتھ کم سے کم اسباب لیجاؤ۔ تم نے اسکے متعلق کئی اشتہار بھی دیکھے ہوں گے۔ اور شاید سنیما میں انفارمیشن فلم بھی دیکھی ہو جو یہی سبق دہراتی ہے۔ اس فلم میں موجودہ زمانے میں سفر کرنے کی جو دقتیں دکھائی گئی ہیں اس میں مبالغے سے کام نہیں لیا گیا۔ اگر تم کسی ریلوے اسٹیشن پر جا کر دیکھو تو تمہیں ایسے ہی سین نظر آئیں گے۔ گاڑیاں اتنی کھچا کھچ بھری ہوئی آتی ہیں کہ لوگ پائدانوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ گاڑی اسٹیشن میں داخل ہونے نہیں پاتی کہ مسافر اس میں گھسنے لگتے ہیں۔ جو لوگ گاڑی کے اندر ہوتے ہیں وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو باہر ہوتے ہیں وہ اندر داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اسی کشمکش میں بہت سے لوگوں کے چوٹیں بھی آجاتی ہیں۔ اس ہجوم کی وجہ یہ ہے کہ گاڑیوں کی کمی ہے اور بہت سے لوگ بلا کسی ضروری وجہ کے سفر کرتے ہیں۔ لڑائی کے زمانے میں ریلیں فوجی کاموں کے لئے استعمال میں آرہی تھیں۔ اب لڑائی ختم ہوگئی ہے اور ریلوے بورڈ نے آنیوالے زمانے کے لئے ایک اسکیم تیار کی ہے جسکے مطابق ریلوں میں بہت توسیع ہوگی۔ پرانی لائنوں کی مرمت وغیرہ کیجائیگی تاکہ وہ استعمال ہوسکیں۔ ہمارا ملک بہت وسیع ہے اور ابھی تک ہندوستان کے ہر کونے میں ریلیں نہیں پہنچی ہیں۔ نئی اسکیم کے ماتحت اگلے چند سالوں میں ۵۰۰۰ میل لمبی نئی ریلوے لائنیں بنائی جائینگی۔ اور سوائے پہاڑیوں اور صحرا کے کوئی اہم جگہ ریل سے ۲۵ میل سے زیادہ دور نہ رہیگی۔ ابتک گاؤں والوں کو یا تو آہستہ چلنے والی بیل گاڑیوں میں جانا پڑتا ہے یا سامان سر پر لاد کر اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے میلوں پیدل چلنا پڑتا ہے۔ اب تیسرے درجے کے مسافروں کے لئے بہتر اور زیادہ آرام دہ ڈبے بنائے جائینگے۔ ویسے تو تیسرے درجے کے مسافر کم قیمت کے ٹکٹ خریدتے ہیں لیکن اتنے زیادہ لوگ اس درجے میں سفر کرتے ہیں کہ ریلوے والوں کو اور مسافروں کی نسبت انھیں لوگوں سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ تیسرے درجے کی گاڑیاں بہت بے آرام اور غلیظ ہوتی ہیں۔ اس طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ دراصل گندگی تو ہماری ہی وجہ سے ہے۔ ہمارے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ ڈبے کو صاف رکھنا ان کا فرض ہے وہ کاغذ، کیلے کے چھلکے اور کھانے پینے کی چیزیں وہیں پھینکتے رہتے ہیں اور جدھر دل چاہتا ہے تھوک دیتے ہیں۔ ان کے دماغ میں یہ بات نہیں آتی کہ پبلک گاڑیاں انکی اتنی ہی ملکیت ہیں جتنی ریلوے کمپنی کی۔ اس بات کا خیال نہ رکھنے کو احساس شہریت کی کمی کہتے ہیں۔ احساسِ شہریت ہی ہمیں اچھا یا برا شہری بناتا ہے۔ جتنا زیادہ یہ احساس ہم میں ہوگا ہم اتنے ہی تہذیب یافتہ کہلائیں گے۔ نئی اسکیم کے ماتحت بہت سے بکنگ آفس کھولے جائیں گے تاکہ مسافروں کو ٹکٹ خریدنے میں آسانی ہو۔ آرام دہ مسافر خانے بنائے جائینگے۔ اچھا کھانا اور نہانے دھونے کے لئے بہتر انتظام ہوگا۔ ریلوے ملازمین کے فائدہ کا بھی اسکیم میں خیال رکھا گیا ہے۔ کام کرنیکی شرائط بہتر ہوں گی، انکے لئے بہتر مکان اور ہسپتال بنائے جائینگے اور انکی فلاح و بہبود کا خاص خیال رکھا جائیگا۔ انکے لئے ٹریننگ اسکول بھی ہونگے جہاں وہ پڑھ کر ترقی کر سکیں۔ اسکیم میں ہندوستان میں انجن بنانے کی تجویز بھی پیش کی گئی ہے۔

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

ایک گاڑی بمبئی سنٹرل سٹیشن کے یارڈ میں داخل ہو رہی ہے۔ بائیں طرف وہ کیبن ہے جہاں سے گاڑیوں کی آمد و رفت کی نگرانی کی جاتی ہے

ہندوستان کی سب سے تیز گاڑی دکن کوئن بجلی سے چلتی ہے اور مغربی گھاٹ کے خوبصورت مناظر سے گزرتی ہوئی

لکھنؤ کا ریلوے سٹیشن اپنی قسم کی جدید ترین عمارتوں میں سے ہے۔ یہاں مسافروں کے آرام کی ہر سہولت فراہم کی گیا
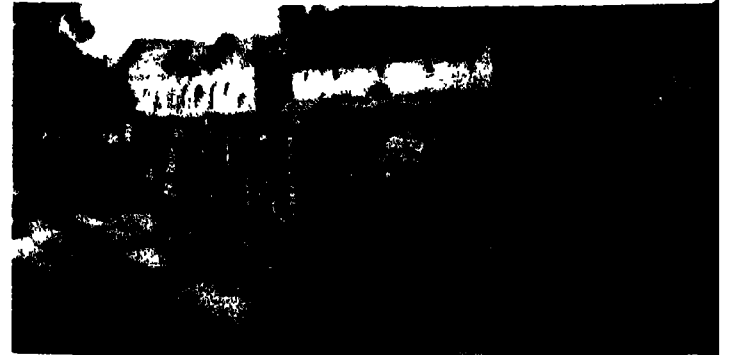
کی صنعتی ترقی میں ریلوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہاں ایک سوتی مل کے باہر مال کے ڈبوں میں سامان لادا جا رہا ہے

ایک ریلوے ورکشاپ میں ایک انجن کی مرمت ہو رہی ہے ←

حیدرآباد ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست ہے۔ یہ دکن کے پوربی حصے میں واقع ہے اور اس کا رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل ہے یہاں معدنیات کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ گولکنڈہ کی جواہرات کی کانیں دنیا بھر میں مشہور رہ چکی ہیں۔ بعض علاقوں میں زمین بہت زرخیز ہے اور افراط سے غلہ پیدا ہوتا ہے۔ دریاؤں اور مصنوعی جھیلوں کی افراط نے ملک کے قدرتی حسن کو چار چاند لگا دئے ہیں۔ بہت سی تاریخی یادگاریں بھی ہیں جن میں سے چند مشلاً اجنتا اور ایلورا کے غار نقاشی اور سنگتراشی کے حسن کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ دیس بدیس کے لوگ قدیم ہندوستان کی ان عظیم الشان یادگاروں کو دیکھنے آتے ہیں۔

حیدرآباد کے حکمران کو ہز اگزالٹڈ ہائینس، نظام کہتے ہیں اور ریاست بھی مملکتِ نظام کے نام سے مشہور ہے۔ ملک کا انتظام تجربہ کار حاکموں کی ایک کونسل کے سپرد ہے۔ ان میں سے کچھ برطانوی ہند میں اعلیٰ عہدوں پر رہ چکے ہیں۔

ریاست کی راجدھانی حیدرآباد آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کے شہروں میں چوتھے نمبر پر ہے۔ یہ شہر اسلامی طرز کا ہے کیونکہ اس کی عمارتیں مغل طرز کی ہیں۔ زیادہ تر باشندے مسلمان ہیں اور اردو زبان ہر جگہ بولی جاتی ہے۔

یہاں عثمانیہ یونیورسٹی ہے جو ملک کا پہلا ادارہ ہے جس نے اردو میں اعلیٰ تعلیم کو رواج دیا۔

ریاست کے باشندوں میں اکثریت ہندوؤں کی ہے جو دیہاتوں میں رہتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ان کی زبان تیلگو ہے۔

حیدرآباد شہر پر ایک طائرانہ نظر

اعلیٰحضرت حضور نظام جوبلی ہال میں مختلف قوموں کی طرف سے پیش کئے ہوئے سپاسناموں کا جواب دے رہے ہیں
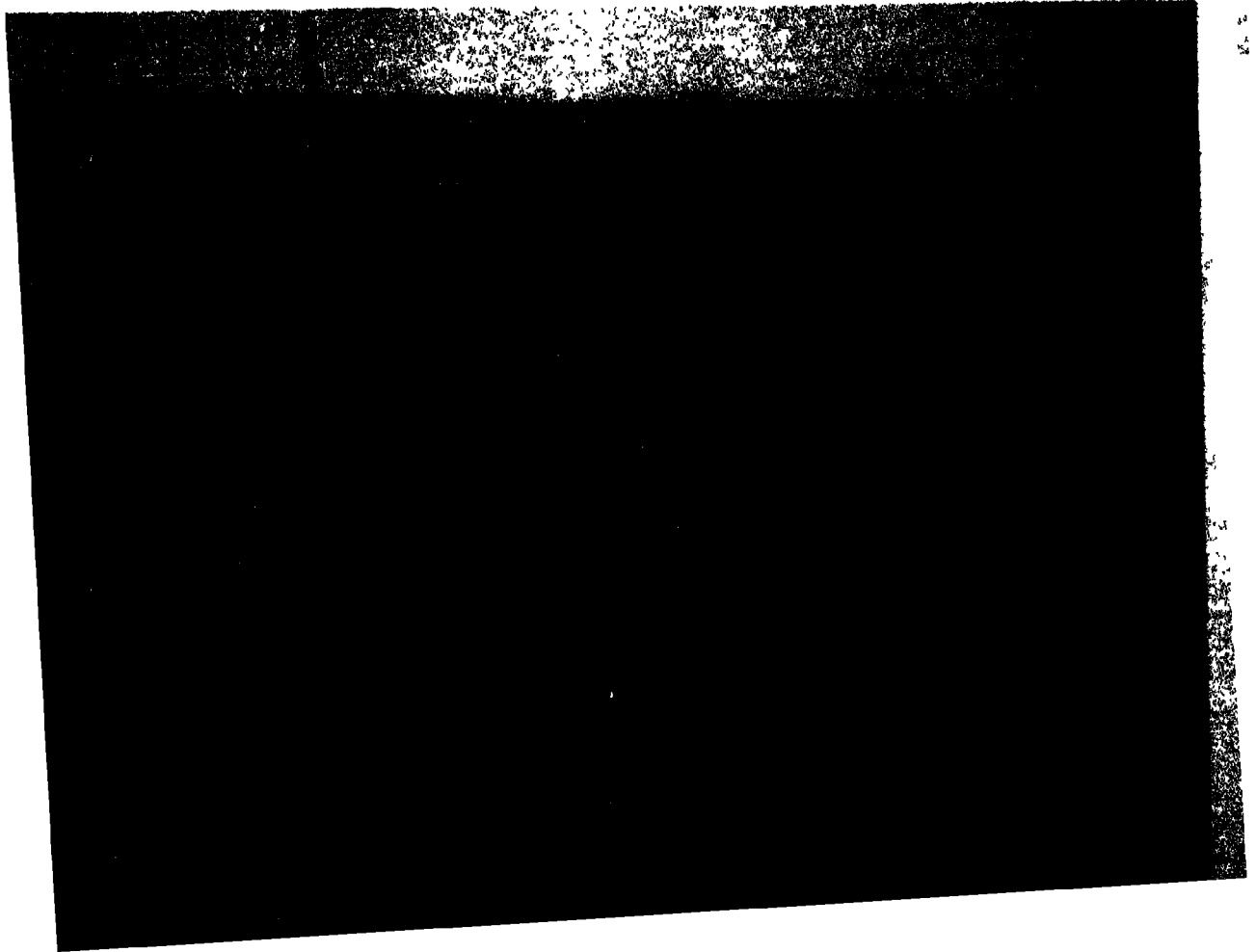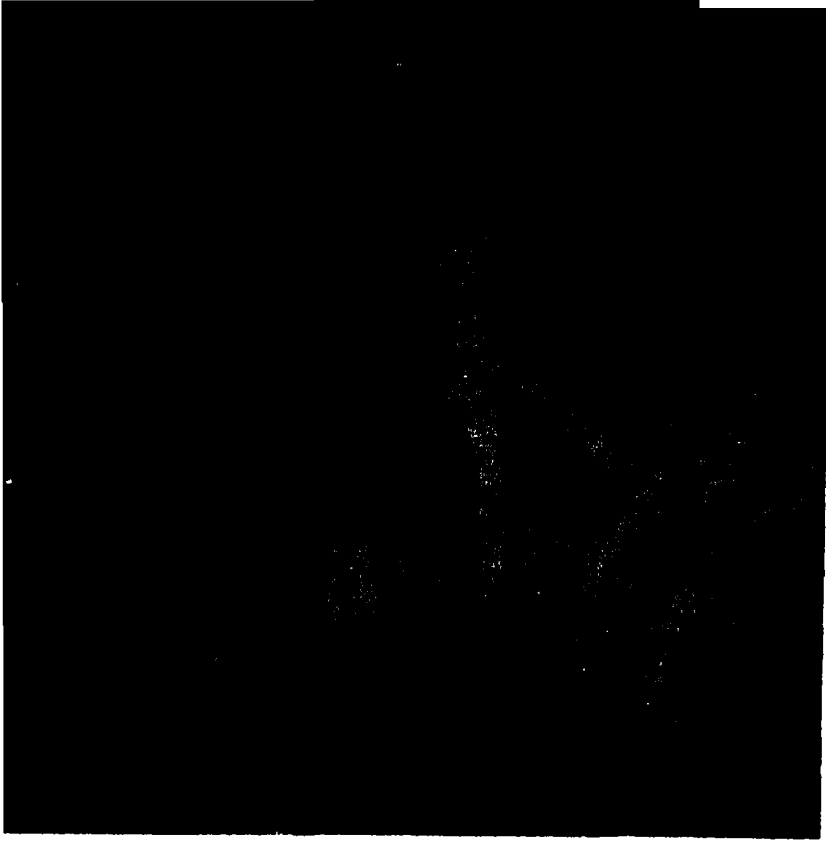
عثمانیہ یونیورسٹی کی شاندار عمارت
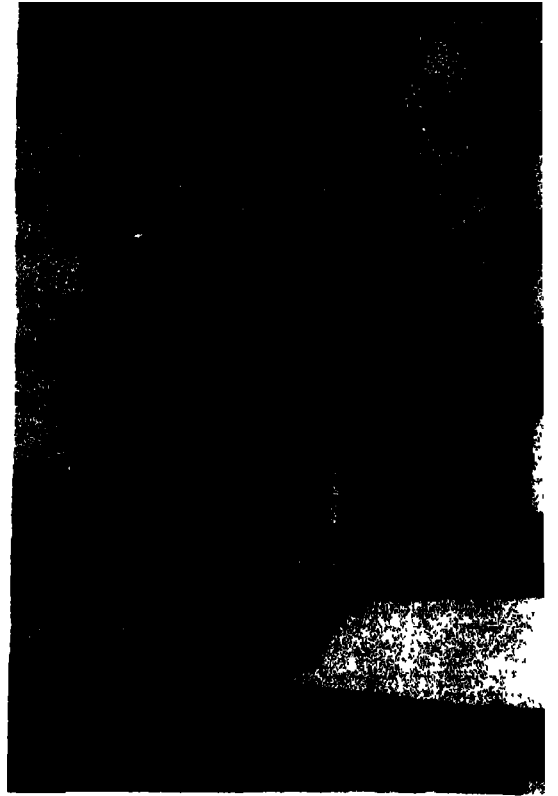
[جنو]بی ہند کی سب سے زیادہ شاندار اسلامی عمارت چار مینار۔ اس میں
[چا]ر محراب ہیں جو شہر کی چار مختلف سڑکوں کے مقابل ہیں۔ اسے ۱۵۹۱ء
میں حیدرآباد کے بانی محمد قلی قطب شاہ نے بنوایا تھا۔

اجنتا کے غار دوسری صدی قبل مسیح سے لے کر ساتویں صدی عیسوی کے وسط تک
کی ہندوستانی نقاشی کا عجائب گھر ہیں۔ یہاں ایک غار کا اندرونی حصہ [illegible]
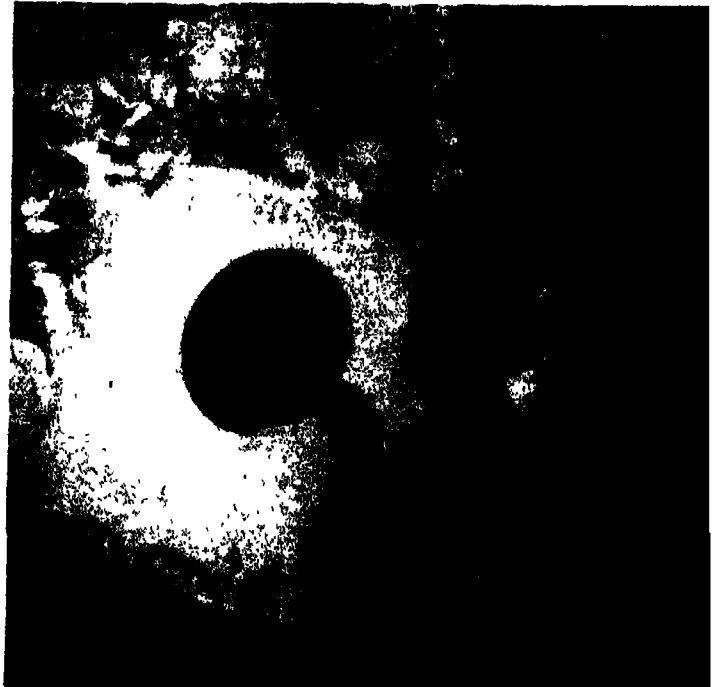
[اج]نتا کے غاروں میں سے ایک کا اندرونی نظارہ۔ یہ غار نقاشی، سنگتراشی اور تعمیر کی ملاوٹ
[illegible] ہے [illegible] کو دیواروں کی تصویریں دکھانے کے لئے روشنی ڈال رہا ہے۔

ایک ہندستانی بینک میں

خزانچی یا صراف صبح آتے ہی نقدی گنتے ہیں روزانہ کئی لکھ پتیوں کی دولت کے برابر رقم ان کے ہاتھ سے گزرتی ہے

ایک خاتون گود میں اپنے بچے کو لئے بینک کے ایک افسر سے بات کر رہی ہیں

...ندی بھی بیچتے ہیں۔ یہاں ایک صراف سونے کے ٹکڑے تولتا ہوا نظر آرہا ہے۔
...کے سامنے چاندی کی جو اینٹیں رکھی ہیں وہ من من بھر کی ہیں۔

امپیریل بینک آف انڈیا کی بمبئی کی شاخ کی شاندار عمارت

اس صفحے کی تصویروں سے تمہیں معلوم ہوگا کہ ہندوستانی بینک کس طرح کام کرتے ہیں عام طور پر سب لوگ میز اور کرسیاں استعمال کرتے ہیں۔ خزانچی یا صراف البتہ پرانی قسم کے اینٹ کے چبوتروں پر بیٹھتے ہیں۔

بینکوں میں کیش اور سیونگ سرٹیفکٹ بھی بکتے ہیں۔ اس تصویر میں ایک بوڑھا تاجر خریدتا نظر آرہا ہے۔ بینک کا ایک کلرک اس کا فارم بھر رہا ہے

ہماری خدمت کرنیوالے

بینک

بہت دن پہلے جب دنیا میں تہذیب نہ تھی تو نہ روپیہ تھا اور نہ بینک تھے۔ لوگ تبادلے کے ذریعے اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ فرض کرو کہ ا کے پاس بکری تھی لیکن اس کو کمبل کی ضرورت تھی۔ تو وہ اپنی بکری ب کو دیکر اس کا کمبل لے سکتا تھا۔ کیونکہ ب کو بکری کی حاجت تھی۔ یہ سیدھا سادہ سودا تھا۔ لیکن اگر ا کو کچھ ہتھیاروں کی ضرورت ہے اور وہ اس کے بجائے آدھی بکری دینے کو تیار ہے تو دقت ہوگی کیونکہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ آدھی بکری کاٹ کے دے دی جائے اور آدھی کسی اور موقعے کے لئے رکھ لی جائے۔ اسی دقت کے احساس نے لوگوں کو اس فیصلے پر پہونچایا کہ وہ کوئی ایسی چیز دریافت کریں جو بکریوں اور کمبلوں کی بجائے استعمال کی جاسکے۔ اسی چیز کا نام روپیہ پیسہ پڑا۔

روپیہ پیسہ کسی چیز سے بن سکتا تھا۔ پہلے پہل مختلف چیزیں مثلاً کوڑیاں، پر اور شیر کے دانت اس مقصد کے لئے استعمال کئے گئے۔ دھات کے سکوں کا استعمال بعد میں شروع ہوا۔ کبھی کبھی چمڑے کے سکے بھی استعمال کئے گئے جن پر سکے کی قیمت درج ہوتی تھی۔ بعد میں جب دنیا زیادہ مہذب ہوئی تو روپیہ پیسہ کی جگہ کاغذ کے نوٹوں کا رواج ہوا۔

جب انسان نے روپیہ پیسہ کا استعمال سیکھ لیا تو اس نے اپنی ضروریات سے بچے ہوئے روپے پیسے کو آئندہ کے لئے جمع کرنا شروع کیا۔ یہ عادت قدرتی ہے۔ یہانتک کہ جانور اور کیڑے مکوڑے بھی اپنی کمائی میں سے برے وقت کے لئے کچھ نہ کچھ بچا رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان نے روپیہ بچانا شروع کیا تو اسے پسماندہ رقم کو چوری اور ڈاکے سے بچانے کا انتظام بھی کرنا پڑا۔ اسی ضرورت نے بینکوں کو جنم دیا۔

جمع کرنا اچھی عادت ہے۔ لیکن روپے پیسے کو گھر میں رکھنا عقلمندی کے خلاف ہے۔ اس طرح دولت نہ صرف غیر محفوظ رہتی ہے بلکہ بیکار پڑی رہتی ہے۔ اور ملک کی اقتصادی مشین کو رواں رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ روپیہ پیسہ برابر چکر میں رہے۔ جب روپیہ بینک میں جمع کیا جاتا ہے تو بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اوّل تو یہ محفوظ رہتا ہے۔ دوسرے بینک اس پر سود دیتا ہے۔ لیکن بینک اپنے پاس سے سود نہیں دیتا۔ وہ اس روپے سے منافع حاصل کرتا ہے اور اس منافع کا ایک حصہ سود کی شکل میں روپیہ جمع کرنیوالے کو بھی ملتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بینک کو روپے سے منافع کیسے ہوتا ہے؟ تم جانتے ہو کہ جب کوئی کاروبار شروع کیا جاتا ہے تو بہت پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرض کرو کوئی شخص ایک کارخانہ کھولنا چاہتا ہے۔ یہ کام شروع کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ درکار ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سال بھر میں ایک لاکھ سے کہیں زیادہ روپیہ واپس آجائیگا لیکن اس وقت تو اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں وہ کسی بینک سے روپیہ قرض لے گا اور اس پر سود ادا کرے گا۔ اس سود کا ایک حصہ بینک کا منافع ہوگا اور بقیہ روپے کے اصل مالک کو سود کی شکل میں ملے گا۔

دیکھا جدید تجارت کی بینک کس طرح خدمت کرتا ہے؛ یہ نہ صرف کاروبار کے لئے روپیہ قرض دیتا ہے بلکہ کبھی کبھی حکومتیں بھی بینک سے روپیہ اُدھار لیتی ہیں۔

یہ بینک کی متعدد خدمتوں میں سے صرف ایک ہے۔ بینک میں روپیہ جمع کرنے سے سود کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ہر وقت نقد روپیہ اپنے ساتھ رکھنے میں خطرہ ہے۔ چنانچہ اگر تمہارا روپیہ کسی بینک میں جمع ہے اور تم کسی کو روپیہ دینا چاہو تو تم اپنے بینک کو حکم دے سکتے ہو کہ اتنا روپیہ فلاں شخص کو ادا کر دیا جائے۔ اس حکمنامے کو چک کہتے ہیں۔ اس پر بینک کا نام چھپا ہوتا ہے۔ جس کو روپیہ دینا ہو اس کا نام اور رقم لکھ دی جاتی ہے۔ اب وہ شخص بینک کو چک دکھا کر روپیہ وصول کر سکتا ہے۔ تم سوچ سکتے ہو کہ جن لوگوں کو روپے کے لین دین سے اکثر سابقہ پڑتا ہے انھیں اس سے کتنی آسانی ہوتی ہوگی۔ ایک چھوٹی سی چک بک جیب میں رکھ کر انسان مزے میں گھوم کر ہزاروں کا لین دین کر سکتا ہے۔

اسکے علاوہ بینک ہر قسم کی مالی خدمات کرتے ہیں اور چوری، نقصان یا دھوکے بازی سے حفاظت کا سامان کرتے ہیں۔ وہ اپنے گاہکوں کی طرف سے دوسرے بینکوں سے چک کا روپیہ وصول کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کاروباری مقصد سے غیر ممالک کو جائے تو اسے اپنے ساتھ بہت روپیہ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا بینک ان ملکوں کے بینکوں کو لکھ دے گا جہاں وہ جا رہا ہے اور وہ اپنے بینک کے حساب میں سے روپیہ نکال سکتا ہے۔ بینکوں میں سیف ڈپازٹ کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ جہاں لوگ قیمتی چیزیں اور دستاویزیں گھر سے زیادہ حفاظت کے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ اور ان تمام خدمات کے لئے بینک برائے نام اجرت لیتا ہے۔

تم جانتے ہو کہ کاروباری تبادلے کی اصل چیزیں سونا اور چاندی ہیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہر شخص روزانہ کے کاروبار میں استعمال کرنے کے لئے ہر وقت سونا چاندی ساتھ رکھے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کاغذ کے نوٹ بنائے گئے ہیں۔ ایک روپے سے لے کر ہزاروں روپے کی مالیت تک کے نوٹ چھاپے گئے ہیں۔ اور آزادی کے ساتھ روزانہ زندگی میں استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ نوٹ ریزرو بینک آف انڈیا کی طرف سے شائع ہوتے ہیں۔ یہ بینک تقریباً اسی مالیت کے نوٹ شائع کرتا ہے جتنی رقم سونے چاندی کی شکل میں اسکے پاس محفوظ ہوتی ہے۔ ان نوٹوں میں اس بات کا وعدہ ہوتا ہے کہ جتنی رقم اس پر چھپی ہے وہ طلب کرنے پر فوراً ادا کر دی جائیگی۔ لوگوں کو ریزرو بینک پر پورا بھروسہ ہے اور وہ خوشی کے ساتھ سونے چاندی کے بجائے کاغذ کے نوٹ قبول کر لیتے ہیں۔

بینک کی خدمات اسقدر زیادہ اور اتنی اہم ہیں کہ موجودہ زندگی میں ان کا وجود لازمی ہوگیا ہے۔ یہ سوچنا مشکل ہے کہ بینک کے بغیر حکومت اور تجارت کی مشین کیسے چل سکتی ہے!

کیا آپ جانتے ہیں

کوئلہ دفن شدہ دھوپ ہے؟

کوئلے کو کبھی کبھی دفن شدہ دھوپ کہا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ بہت دن ہوئے جب اس زمین پر آدمی کا نام ونشان نہیں تھا تو جنگلوں میں فرن کے پودوں اور بڑے بڑے درختوں کی افراط تھی۔ سورج ان پر چمکتا رہتا تھا۔ ہزاروں سال تک وہ دھوپ کو اپنے اندر جذب کرتے رہے۔ پھر یہ درخت گر گئے اور انکی مرجھائی ہوئی پتیاں اور شاخیں زمین میں دفن ہوگئیں۔ زمین کے اندر ان میں تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی اور کافی عرصے کے بعد یہ سخت اور کالی ہوگئیں۔ پھر زمانہ گذر گیا تو انسان نے زمین کھود کر اس مادے کا پتہ لگایا اور اس کا نام کوئلہ رکھ دیا۔

مچھلیاں زمین پر کیوں زندہ نہیں رہتیں؟

ہر جاندار کی زندگی کے لئے ہوا بہت ضروری ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مچھلی جب پانی سے نکل کر ہوا میں آتی ہے تو ہوا ہی کی کمی کی وجہ سے مرجاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہوا میں سانس لینے کے لئے پھیپھڑوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ لیکن مچھلی کے پھیپھڑے نہیں ہوتے بلکہ گلپھڑے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ صرف پانی سے ہوا کھینچ سکتی ہے۔ اسلئے کھلی ہوا میں اسے ہوا نہیں ملتی اور وہ گھُٹ کر مرجاتی ہے۔

کاغذ گرمی پہونچنے سے مُڑ کیوں جاتا ہے؟

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کاغذ کو گرمی پہونچائی جاتی ہے تو وہ مُڑ جاتا ہے۔ جانتے ہیں کیوں؟ ہر چیز میں تھوڑا بہت پانی ضرور ہوتا ہے۔ پانی ہی کی موجودگی کاغذ کے ورق میں وزن پیدا کرتی ہے۔ جب کاغذ کو گرمی پہونچتی ہے تو پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے اور کاغذ کی وہ جگہیں جن میں پہلے پانی تھا ہوا سے بھر جاتی ہیں۔ اب اگر کاغذ میں کوئی طاقت ایسی ہو جو اس میں بل ڈال سکے تو اسکو پانی کا وزن غائب ہوجانے کی وجہ سے اپنا کام کرنے کی آزادی مل جاتی ہے۔ چنانچہ کاغذ مڑ جاتا ہے۔

ستارے جھلملاتے کیوں ہیں؟

جب ہم ستاروں کو دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں جھلملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کی روشنی ٹھیری ہوئی ہے اور اس سے ہر طرف یکساں کرنیں پھیلتی ہیں۔ وہ اسلئے جھلملاتے نظر آتے ہیں کہ ہماری زمین کی فضا میں پہونچنے سے پہلے روشنی کی لہریں آپس میں ٹکراجاتی ہیں۔ اسوجہ سے کچھ کرنیں دوسری کرنوں کے مقابلے میں دیر سے ہم تک پہونچتی ہیں اور جو روشنی ہماری آنکھوں تک پہونچتی ہے وہ جھلملاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

کیڑوں کے جسم میں پودے اُگتے ہیں؟

سمندر میں رہنے والے مونگے کے ننھے ننھے کیڑے اسوقت تک اپنا کھانا نہیں ہضم کرسکتے جب تک ان کے جسم میں اگنے والے ننھے پودے اُنکی مدد نہ کریں۔ یہ پودے سمندر کے پانی سے معدنی مادے نکالکر انھیں مونگے کے کیڑے کی خوراک بنا دیتے ہیں۔

چیونٹے اپنی لڑائیوں میں تیزاب استعمال کرتے ہیں؟

بعض قسم کے چیونٹے اپنی زندگی سپاہیوں کی طرح اپنی قوم کی حفاظت کرنے میں گذار دیتے ہیں۔ وہ اپنے جبڑوں کی مدد سے دشمنوں سے لڑتے ہیں اور ان کے جسم پر زخم پیدا کرکے ان پر ایک قسم کا تیزاب چھڑکتے ہیں۔ جب انسان نے لڑائی میں تیزاب استعمال کیا اس سے بہت پہلے چیونٹے اس فن کے ماہر تھے۔

رنگ بھرنے کا انعامی مقابلہ

نیچے دی ہوئی تصویر میں رنگ بھر کر ہمیں ۱۵ر جنوری ۱۹۴۶ء تک بھیج دیجئے۔ پہلا اور دوسرا انعام حاصل کرنے والوں کو کتابیں دی جائیں گی۔

کوپن

نام ________
عمر ________
پتہ ________

پہیلی

ایک چھوٹا ٹکڑا ہے لیکن بڑا ہی جسکا کام — کرتا ہے گھر کی حفاظت در پہ ہے اسکا مقام
جلدبازی مت کرو پہلے کرو کچھ غور بھی — جب سمجھ جاؤ کہ کیا ہے تب بتا دو اسکا نام

افتخار احمد اقبال۔ حیدرآباد دکن

۱۹۴۵ء ۱۹۴۶ء

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

لکھنے کے انعامی مقابلے کے لئے مضامین کی کثرت دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ یہ مقابلہ نہایت کامیاب رہا۔ تقریباً سارے مضامین عمدہ اور نہایت صاف لکھے ہوئے تھے۔

'نونہال' کے دونوں انعام لڑکیوں نے حاصل کئے۔ پہلا سیدہ مارہروی نے اور دوسرا خورشید آرا نے۔

ہیڈے کا پہلا انعام اے زیڈ ایم اسمٰعیل کو ملا ہے اور دوسرا موزیل شوہیٹ کو۔

دلاور محمود کا مضمون بہت اچھا تھا اسلئے انھیں ایک خاص انعام دیا گیا ہے۔ اس دفعہ رنگ بھرنے کا مقابلہ ہوگا۔ یہ ننھے پڑھنے والوں کے لئے ہے اپنے مضامین اور مقابلے کے لئے جو کچھ بھیجو اس میں اپنی عمر نام اور پتہ ضرور لکھا کرو۔

امید ہے تم اس مرغی خانہ کی تصویر میں رنگ بھرنا پسند کرو گے۔

تمہاری خالہ
مسرت
پی او بکس 166 دہلی

خفیہ پیغام

مہدی گیل قی نپظلک بتمے پچہیڑیم پخوی
گقو قذ او یچہ۔

بچّوں کے قلم سے

میری بلّی

اچھی اچھی پیاری پیاری — میں نے ہے اک بلّی پالی
چلتی ہے وہ مٹک مٹک کر — چال ہے اسکی عجب نرالی
رنگ بدن کا دودھ کا ایسا!!! — دُم ہے اُس کی کالی کالی
ڈالتی منہ برتن میں نہیں وہ!!! — الگ ہے اُس کی ایک پیالی
چھیچھڑے ہوں یا دودھ ملائی — دی جو چیز وہ اس نے کھالی
مارتی پنجہ بھی وہ نہیں ہے — ہے کیا اچھی بھولی بھالی
راشد کھیلتا ہوں میں اس سے — پڑھنے سے جب وقت ہو خالی
فوراً اس نے مڑکر دیکھا!!! — جس دم میں نے بجائی تالی
میں نے پکارا اور وہ آئی — آئی اور ہاتھوں میں اٹھالی
چھوٹے کے پھر گیند اسکو دکھائی — وہ جھپٹی اور میں نے چھپالی
کھیلتی ہے لڑھکا لڑھکا کر — گیند ہو، گولی ہو یا چھالی
وقت گذر جاتا ہے اچھا! — بلّی ہے وہ تماشے والی

کھیل کے کچھ بلّی سے راشد
ہم نے سبق کی کوفت مٹالی

راشد حسن قادری۔ آگرہ

لطیفے

ڈاکٹر:۔ تم اب جلد اچھے ہو جاؤ گے۔
مریض:۔ ایسی دوا دیجئے کہ مجھے پسینہ آجائے۔
ڈاکٹر:۔ ابھی بل بھیجے دیتا ہوں

خریدار:۔ (دوکاندار سے) کیا یہ کپڑا اونی ہے؟
دوکاندار:۔ ہاں صاحب۔
خریدار:۔ مگر اس پر لیبل تو سوتی لگا ہوا ہے۔
دوکاندار:۔ اجی صاحب یہ تو چوہوں کو دھوکا دینے کے لئے لگایا گیا ہے۔

ذکی احمد۔ کاکو

بیٹا:۔ ابّا! مجھے ڈھول لا دیجئے۔
باپ:۔ نہیں۔ تم مجھے سونے نہ دو گے۔
بیٹا:۔ جب آپ سو جائیے گا تو میں بجاؤں گا۔

محمد عبدالواسع۔ پٹنہ

لکھنے کا انعامی مقابلہ

ماہ ستمبر کے انعامی مقابلے میں سیدہ مارہروی کو پہلا انعام دیا گیا ہے۔ دوسرا انعام خورشید آرا کو۔ دونوں مضامین نیچے درج ہیں۔ دونوں کو انعام میں کتابیں بھیجی جارہی ہیں۔

"نونہال کیسے تیار ہوتا ہے"

آپ سچ پوچھتی ہیں تو ستمبر ۱۹۴۵ء کے رسالے میں مجھے سعیدہ حامد صاحبہ کا مضمون "نونہال کیسے تیار ہوتا ہے" اور اس سے متعلق تمام تصویریں بہت پسند آئیں، یہ تو ہوگیا آپ کے سوال کے ایک حصّہ کا جواب۔

اب سوال کا دوسرا حصّہ یہ ہے کہ ـــــ کیوں؟ سو آنکھیں کہتی ہیں کہ نونہالوں نے آج اپنی خالہ کی زیارت کرلی، دِل خوش ہے کہ ہمارے باغ کا چمن آرا ایسا ہے اور اب روح اس لئے بیتاب ہے کہ کیونکر آپ کی اس میز تک پہونچا جائے جہاں بیٹھ کر آپ ہم سب کی تحریروں کا مطالعہ کرتی ہیں، جہاں پر آپ ہماری تجویزوں اور مشوروں پر غور کرتی ہیں اور پیارے نونہال کو ایسے سلیقے اور اس خوب صورتی سے ترتیب دیتی ہیں، مگر یہ عزیز صاحب کون ہیں ـــــ ؟ میں تو پردہ کرتی ہوں پھر دفتر میں آپ سے ملاقات کیسے ہوسکتی ہے اور نونہال کی بناوٹ وسجاوٹ کو کیوں کر دیکھ سکتی ہوں؟ گھر کی ملاقات میں آپ کی گھریلو زندگی دیکھنے کو ملیگی مگر ہمارا آپکا رشتہ تو ایک نونہال کے سبب قائم ہوا ہے اور میری دلی تمنا ہے کہ آپ کو نونہالی بھائی بہنوں کے خطوط پڑھتے دیکھوں، ان سب کو جواب لکھواتے سنوں، مضامین کے انتخاب اور ترتیب میں یہ نہیں وہ اور وہ نہیں یہ کرتے دیکھوں، آپ کے تو بے گنتی اور بے شمار بھانجے بھانجیاں ہونگی اور پھر قدرتاً جتنے مُنہ اتنی آپ سے باتیں ہوتی ہونگی، ذرا بڑی عمر والے اور سمجھدار مشورے دیتے ہوں گے، صلاحیں پیش کرتے ہونگے اور اشاعت کے لئے مضامین لکھتے ہونگے، ان سے چھوٹے کم عمر والے ضدیں کرتے ہونگے اچھی اچھی تصویروں کے لئے تقاضے کرتے ہونگے عمدہ کہانیوں اور پہیلیوں کے لئے اور بعض بعض تو روٹھ جاتے ہونگے، کیسے مزے کی بات ہے کہ، ایک خالہ اور ان گنت بھانجے بھانجیاں، سعیدہ بہن نے نونہال کی کہانی سنا کر ہماری معلومات میں بڑا اضافہ کیا ہے اور جس کو میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکی تھی اُسے سعیدہ بہن کے سلجھے ہوئے بیان اور تصویروں نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا کہ جو کتابیں، اخبار اور رسالے ہم سب پڑھتے ہیں وہ کیوں کر چھاپے جاتے ہیں، میں واقعی نہیں جانتی تھی کہ زرد کاغذ، پتھر، الٹی لکھائی، تصویروں کے بلاک اور سلینڈر وغیرہ کیا بلا ہے لیکن آج مجھے بہت کچھ معلوم ہوگیا۔ میں اپنی نونہالی بہنوں کے بارے میں خصوصیت سے کہتی ہوں کہ اس صنعت وحرفت سے تقریباً سب کی سب کوری ہونگی جیسی کہ ایک میں دیہاتن اور اب تو انسان کی اس کاریگری کا اتنا بڑا انتظام اور اہتمام دیکھ کر بے ساختہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھوں۔ سعیدہ بہن چھاپے خانوں کا اگر یوں ہی تذکرہ کرجاتیں تو ممکن تھا کہ وہ اتنا دلچسپ نہ ہوتا مگر پیارے نونہال کے ذکر اور اُس سے متعلق تصویروں نے بڑا مزے دار مضمون بنا دیا ہے، غرض اس ماہ کے رسالے میں تو مجھے صرف یہ باتیں پسند آئی ہیں۔

ع۔ ف۔ سیدہ مارہروی

"اتفاق"

ماہ گذشتہ کے نونہال میں بعنوان (اتفاق) جو مختصر مضمون دیا گیا ہے بہت خوب ہے اتفاق واقعی قابلِ قدر چیز ہے۔

انسان تو انسان جانور بھی اس سے بہت فائدہ حاصل کرتے ہیں ایک چیونٹی اگر کسی رہ گزر میں کوئی مرا ہوا کیڑا یا کوئی دوسری کھانے کی چیز پاتی ہے تو دوسری چیونٹیوں کو خبر دیتی ہے وہ سب متفق ہوکر اپنی اس غذا کو لیجا کر باہم ل بانٹ کر کھاتی ہیں۔

کوّا بھی جب کسی مردار کو پاتا ہے تو کائیں کائیں کرکے اپنے ساتھیوں کو مطلع کرکے اپنی دعوت میں شریک کرلیتا ہے۔

اگر کسی کوّے کو آپ گرفتار کرلیں تو دوسرے کوّے اس کی مدد کرنے کو آن کی آن میں موجود ہوجائیں گے۔ اور آپ کا ایسا پیچھا کریں گے کہ آپکو چھپتے ہی بن پڑے گا۔

شہد کی مکھی بڑے اتفاق سے رہتی ہے اس کے اندر کارکن جماعتیں جُدا جُدا ہوتی ہیں، ہر جماعت اپنے اپنے فرائض انجام دیتی ہے ؎

زاتفاق مگس شہد می شود پیدا   خدا چہ لذتِ شیریں در اتفاق نہاد

جب جانور اتفاق کی برکت سے اپنی زندگی کو خوشگوار بنا لیتے ہیں۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ اتفاق کی برکت سے سب کچھ حاصل کرسکتا ہے۔ دنیا میں جن قوموں اور ملکوں میں اتفاق ہے وہ کسی کی محتاج نہیں۔

(باقی صفحہ ۶ پر)

جھیل باسی تیراک

تیراک اک ننھا لڑکا تھا۔ وہ ایک ایسے عجیب و غریب گاؤں میں رہتا تھا جو جھیل پر بسا ہوا تھا۔ تیراک تمام دن اپنے لکڑی کے مکان کے نیچے سے بہتے ہوئے پانی کی موجوں کے اتار چڑھاؤ کا میٹھا میٹھا شور سن سکتا تھا۔ اس کا وقت نہایت مزے سے گزرتا تھا۔ وہ اور دوسرے بچے جھیل کے کنارے پر گھاس میں کھیلا کرتے تھے۔ ان کے گھروں سے کنارے تک جو پل جاتا تھا اس پر سے وہ کودتے پھاندتے خوشی سے چیختے چلاتے کنارے تک پہنچ جاتے تھے۔ اور کنارے پر چرتے ہوئے مویشیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ رات کو سب مویشی لکڑی کے پل پر سے ہو کر گھر کے دوسری طرف ایک سائبان میں بند کر دئے جاتے تھے۔ یہاں ان پر کوئی جنگلی جانور حملہ نہ کر سکتا تھا۔

تیراک کے ذمے کافی کام رہتا تھا۔ وہ روٹی کے لئے پتھروں پر رکھ کر اناج پیس سکتا تھا۔ لکڑی کے فرش میں جو دروازہ تھا وہ اسے بھی اٹھا سکتا تھا۔ اور پھر وہ اپنی ٹوکری اس امید میں نیچے لٹکا دیتا تھا کہ شاید کوئی مچھلی اس میں پھنس جائے۔ وہ شکار کرنے بھی جاتا تھا۔

موسم بہار میں تیراک جھیل کے کنارے جَو، باجرہ اور گیہوں بونے میں مدد کرتا تھا۔ یہ اناج پک کر ان کی روٹی کے لئے کافی ہوتا تھا۔

تیراک کے پاس زمین جوتنے کے لئے کوئی ہل نہ تھا۔ ایک بارہ سنگھے کا سینگ لے کر اس نے ایک ڈنڈے میں لگا دیا تھا اور جب وہ اس ڈنڈے کو زمین پر گھسیٹتا تھا تو بیج بونے کے لئے زمین میں نالیاں سی بن جاتی تھیں۔ یہ طریقہ بہت دیر طلب تھا۔ لیکن تیراک کو اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ معلوم ہی نہ تھا۔

کبھی کبھی گرمی کے زمانے میں جب شکار کرنا یا کھیلنا ناممکن ہوتا تھا تو تیراک اور دوسرے بچے مٹی کے برتن بناتے تھے۔ وہ مٹی میں ریت ملا کر اسے پانی سے گوندھتے تھے۔ اور پھر اس سے رکابیاں اور برتن گھڑ لیتے تھے۔ تیراک کو اپنے برتنوں پر انگوٹھے کے ناخن سے تصویریں بنانا بہت پسند تھا۔

جب برتن بن جاتے تھے تو بچے انھیں سکھانے کے لئے دھوپ میں رکھ دیتے تھے اور پھر ان کے نیچے آگ جلا دیتے تھے تاکہ وہ پک کر سخت ہو جائیں۔ برتن بنانا بہت دلچسپ مشغلہ تھا۔ تیراک نے اپنے کھیلنے کے لئے کچھ مٹی کے جانور۔ پرندے اور مچھلیاں وغیرہ بھی بنائی تھیں۔

تیراک بعض دفعہ اپنے باپ کی عجیب کشتی میں بھی جایا کرتا تھا۔ اس وقت اسے بہت خوشی ہوتی تھی۔ ہم اگر اس کشتی کو دیکھتے تو شاید بہت خوبصورت نہ سمجھتے لیکن تیراک کو بہت عمدہ سمجھتا تھا۔ کشتی کیا تھی ایک درخت کا تنا تھا۔ جسے تیراک اور اسکے باپ نے بیٹھنے کے لئے کھوکھلا کر لیا تھا۔ تنے کی صرف چھال باقی رہ گئی تھی۔ اگر تیراک ذرا بھی جلدی حرکت کرتا تو کشتی کا توازن بگڑ جاتا تھا۔ بعض دفعہ تو وہ گر پڑتا تھا۔ لیکن کیونکہ اسے تیرنا بہت اچھا آتا تھا وہ گرنے کی بالکل پرواہ نہ کرتا تھا۔ کشتی چپوؤں سے کھیتے تھے۔ کبھی تیراک اور کبھی اس کا باپ چپو چلاتے تھے جب وہ کسی ایسی جگہ پہنچ جاتے جہاں بہت سی مچھلیاں ہوں تو وہ اپنے چپو احتیاط سے کشتی میں رکھ دیتے تھے اور دونوں اپنے برچھے کی شکل کے کانٹے نکال لیتے تھے۔ یہ برچھے چمڑے کی پتلی سی رسی سے بندھے ہوتے تھے تاکہ آسانی سے کشتی تک کھینچے جا سکیں۔

تیراک مچھلیاں پکڑنے میں بہت ہوشیار تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے مچھلیاں پکڑ کر ٹوکری میں بھرتا جاتا تھا۔

یہ ٹوکری اس نے خود نازک ریشوں سے بُنی تھی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ اگر وہ بہت سی مچھلیاں لے کر گھر جائیگا تو اس کی ماں بہت خوش ہوگی۔

وہ اپنے باپ کے ساتھ شکار پر جانا بھی بہت پسند کرتا تھا۔ جب زمین برف سے ڈھکی ہوتی تھی وہ اکثر شکار کے لئے جاتے تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں جنگلی جانوروں کا پیچھا کرنا بہت آسان ہوتا تھا۔ سفید برف پر جانوروں کے قدموں کے نشان صاف معلوم ہوتے تھے۔ تیراک نے جب پہلی مرتبہ ہرن مارا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس کی ماں نے ہرن کی کھال صفائی سے سی کر تیراک کو ایک کوٹ بنا دیا۔

تیراک فلیکس کے بنے ہوئے موٹے کپڑے بھی پہنتا تھا۔ وہ رنگین مٹی کے دانوں کے ہار بھی بناتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اور دوسرے جھیل باسی اچھے کپڑے اور ہار پہن کر بہت اچھے معلوم ہوتے تھے لیکن ہمیں وہ عجیب بدصورت معلوم ہوتے۔ جھیل باسیوں کے اوپر اور نیچے کے دانت برابر ملجاتے تھے۔ ہمارا اوپر کا جبڑا ذرا آگے ہوتا ہے۔ ذرا اپنا اوپر کا اور نچلا جبڑا ملا کر دیکھو کیسے عجیب معلوم ہوتے ہو۔ جھیل میں رہنے والوں کے بال بھی بہت سخت کھُردرے اور موٹے تھے۔ وہ انھیں ہڈی کی لمبی پنوں سے اٹکائے رکھتے تھے۔ انکی چند پنیں۔ بہت سے برتن اور رکابیاں جھیل میں جا پڑے، اور سینکڑوں برس بعد وہ لوگوں کو ملے۔ اب ہم انھیں دیکھ کر لکڑی کے مکانوں میں رہنے والے جھیل باسیوں کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں جو اپنے موٹے بالوں میں پنیں لگاتے تھے اور مٹی کے برتن استعمال کرتے تھے۔

صفحہ ۱۲ کے معمّوں کے حل

۱۔ گوٹوں کو اس طرح کھسکاؤ:- ۲ سے ۱ - ۵ سے ۲ - ۶ سے ۵ - ۷ سے ۶ - ۴ سے ۷ - ۴ سے ۷ - ۳ سے ۴ - ۱ سے ۳

۲۔ جہاز کے دھوئیں اور جھنڈے کو ایک ہی سمت میں (جدھر کی ہوا چل رہی ہو) اُڑنا چاہئے۔ اور لڑکی کے سائے کو سورج کے مخالف سمت میں پڑنا چاہئے۔

۳۔ ۳ اور ۶ نمبر والے حصّوں میں یہ مماثلت ہے کہ دونوں میں دو دو موٹی لکیریں ہیں۔

ڈون کی ہوٹی: بقیہ صفحہ ۵

ڈون کی ہوٹی ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ کھسکے وہ اس انتظار میں تھے کہ شیر باہر نکل آئے تب اسے ٹکڑے ٹکڑے کریں۔

لیکن شیر نے انکی طرف بالکل دھیان نہ دیا۔ ان کی طرف دیکھا اور پیٹھ پھیر کر اپنی دُم ان کی طرف کردی اور چپکا اپنے پنجرے میں لیٹ گیا۔ ڈون کی ہوٹی نے چھکڑے والے سے کہا کہ اُسے مار کر باہر نکالو تو تمہیں میں ایسا نہ کرونگا۔ کیونکہ اگر میں نے اسے مارا تو یہ مجھے ہی پہلے پھاڑ کھائیگا" چھکڑے والے نے کہا۔

"میری استدعا ہے جناب نائٹ کہ آپ نے جو کچھ آج کیا ہے اسی پر اکتفا کیجئے۔ کیونکہ جتنی ہمت کا آپ نے ثبوت دیا ہے وہ اور کوئی نہ دے سکتا تھا۔ ہار اسکی ہوئی ہے اور آپ کامیاب ہوئے"۔ چھکڑے والے نے چالاکی سے کہا۔

تم سچ کہتے ہو۔ اچھا دوست دروازہ بند کردو اور جو کچھ تم نے آج دیکھا ہے مجھے اسکے متعلق نہایت عمدہ الفاظ میں سرٹیفکیٹ دو۔ خدا حق اور شجاعت کو سدا قائم رکھے۔

چھکڑے والے نے وعدہ کیا کہ وہ شاہ اسپین کو اسکی بہادری کی داستان سنائے گا۔

تمہارا اسکے متعلق کیا خیال ہے سانچو۔ ڈون کی ہوٹی نے کہا۔ کیا سچی بہادری کے سامنے جادو چل سکتا ہے۔ آج سے میرا نام شیر دل نائٹ ہوگیا۔

اسکے بعد خچرّوں کو چھکڑے میں جوت چھکڑے والا اپنی راہ چل دیا اور ڈون کی ہوٹی اور سانچو اپنی راہ۔ (باقی آئندہ)

کل کی باتیں: بقیہ صفحہ ۹

کنچراپارا میں انجن بنانیکا کارخانہ کھولنے کی تجویز زیرِ غور ہے۔ اور شاید اجمیر میں بھی ایسا ہی دوسرا کارخانہ کھولا جائے۔ ریل کے ڈبے جن میں بیٹھکر تم سفر کرتے ہو بہت مدّت سے ہندوستان میں بن رہے تھے لیکن انجن باہر سے آتے تھے۔ اب انجن بھی ہندوستان میں بنائے جائینگے۔

اگر یہ تمام تجویزیں عمل میں آجائیں تو سفر کی دلچسپی بڑھ جائیگی، اور ہم اپنی آنکھوں سے اپنے وطن کے مختلف عجائبات دیکھ سکیں گے۔ تمہاری خالہ مسرّت

جلترنگ بنائیے
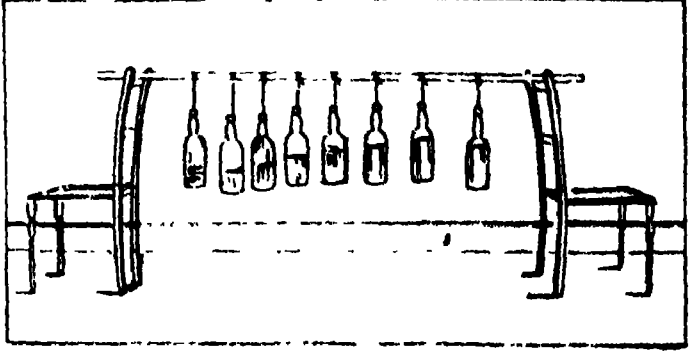
یہ دلچسپ ساز پُرانی بوتلوں سے بنایا جاسکتا ہے۔ بوتلیں مضبوط اور ایک ہی سائز کی ہونی چاہئیں۔ جب بوتلیں جمع ہوجائیں تو ایک لکڑی لو اور جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے دو کرسیوں کی پشت پر ٹکا دو۔ پھر بوتلیں اس لکڑی میں لٹکا دو۔ بوتلیں کافی دُور دور رہیں تاکہ جب تم انھیں بجاؤ تو وہ ایک دوسرے سے ٹکرا نہ جائیں۔ پھر تھوڑا تھوڑا پانی بوتلوں میں بھرو۔ اونچے سُروں کے لئے کم پانی ڈالو اور نیچے سُروں کے لئے زیادہ۔ بوتلوں کو پنسل سے بجاکر دیکھو کہ ٹھیک سر نکلتے ہیں یا نہیں۔ یہ نہایت ہوشیاری کا کام ہے۔ جب سب سُر ٹھیک ہو جائیں تو پنسل بوتلوں پر مارکر تمہیں جتنی طرزیں آتی ہیں اس پر بجاسکتے ہو۔ پنسل زیادہ زور سے نہیں مارنی چاہئے ورنہ بوتلیں ٹوٹ جائیں گی۔ مشق کرتے کرتے دو پنسلوں سے زیادہ مشکل طرزیں بھی اس پر بجائی جاسکتی ہیں۔

———

مزے مزے کے کرتب
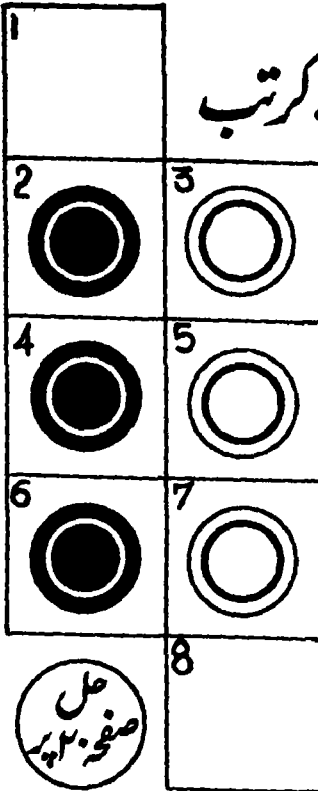
اس شکل میں گوٹوں کی جگہیں اس طرح بدلنا ہے کہ سیاہ گوٹیں 3، 5 اور 7 نمبر کے خانوں میں پہونچ جائیں اور سفید گوٹیں 2، 4 اور 6 نمبر کے خانوں میں۔ پہلے سیاہ گوٹ کھسکائی جائے۔ اسکے بعد باری باری سے سفید و سیاہ۔ ہر گوٹ پاس والے خالی خانے میں کھسکائی جاسکتی ہے۔ لیکن کوئی گوٹ کسی دوسری گوٹ پر سے نہیں گزر سکتی۔ صرف سات چالوں میں نقشہ حل کرنا ہے۔

غلطیاں نکالو!

شیلا کی ایک سہیلی سمندر کے کنارے رہتی تھی۔ اس نے شیلا کو یہ تصویر بھیجی۔ شیلا نے تصویر دیکھتے ہی کہا کہ کسی لاپرواہ آرٹسٹ کی بنائی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں دو فاش غلطیاں ہیں۔ تم بتا سکتے ہو اس میں کیا غلطیاں ہیں؟
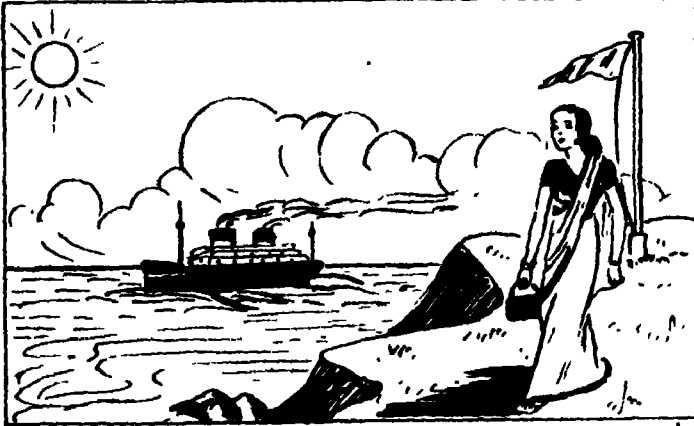
پہچانو!

اس دائرے میں چھ حصے ہیں۔ ہر حصے میں ایک شکل بنی ہوئی ہے۔ انھیں غور سے دیکھو اور بتاؤ کہ کون سے دو حصوں میں مماثلت ہے جو انھیں بقیہ چار حصوں سے نمایاں کرتی ہے؟
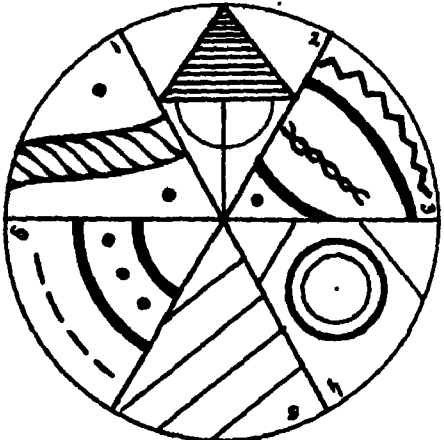
عزیز بھانجو اور بھانجیو!
اگرچہ ابھی تک مجھے "نوڈے لیگ" کے متعلق تمہاری رائے معلوم کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ تم نے اس خبر کو بہت دلچسپی سے پڑھا ہوگا۔ "نوڈے لیگ" کا خاص بلّا تیار کرنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ بلّے پر یہی ڈیزائن ہوگا جو اس صفحہ پر دیا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں تمہیں اور باتیں جب بتاؤں گی جب تم مجھے خط لکھو گے۔ ممبری کے فارم کو صفائی سے بھرنا اور ساتھ ۸ آنے کے ٹکٹ رکھنا مت بھولنا۔

تمہاری خالہ

مسرت

ـــــــ ٭ ـــــــ

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ....

چندہ بھیجنے کی تاریخ .... چندہ ختم ہونے کی تاریخ ....

نام ....

تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ....

سرپرست کا نام ـــــــــــــــــــــــ

پورا پتہ ـــــــــــــــــــــــ

ـــــــــــــــــــــــ

دستخط ـــــــــــــ

تاریخ ـــــــــــــ

مدیرہ:۔ مسرت جہاں بیگم تیموری ایم۔ اے۔ پبلشرز ادارۂ مطبوعاتِ متحدہ۔ پی۔ بی ۱۶۶ دہلی

UNITED PUBLICATIONS

WRITE FOR DESCRIPTIVE LEAFLET CONTAINING FULL PARTICULARS TO:

UNITED PUBLICATIONS

POST BOX No 166 DELHI.

ted by Survey of India, Hathibarkala, Dehra Dun for United Publications

نونہال

جنوری سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۳

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

ناریل سے شکلیں

یہ خوبصورت شکلیں انڈمان کے لوگوں نے سیاحوں کو خوش کرنیکے لئے ناریل سے تیار کی تھیں

"مسکراتا ناریل" - ناریل سے تیار کئے ہوئے اس مسکراتے چہرے کی نمائش کرتے وقت اس خوبصورت لڑکی کی تصویر کھینچ لی گئی ۞

جنوبی ہندوستان اور مشرقی جزائرالہند میں ناریل افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ بہت سی صنعتوں کے لئے خام مواد کا کام دیتا ہے اور اس سے بہت سی کارآمد چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اس صفحے پر ہم ناریلوں اور ان سے بنی ہوئی چند چیزوں کی تصویریں شائع کر رہے ہیں ۞

مدراس کے یہ ناریل سب کے سب ایک خوشے میں لگے ہوئے تھے۔ کیا تم انھیں گن سکتے ہو؟

فہرست

جنوری میں مجلس اقوام متحدہ کی میٹنگ ہوگی جس میں ایٹم کی قوت کے سوال پر سوچ بچار کیا جائیگا۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے۔ ایٹم کی قوت پہلی مرتبہ بموں کی صورت میں جاپان کے خلاف استعمال کی گئی۔ لیکن اسکا یہ استعمال تباہی کے لئے تھا۔ یہ قوت انسان کے فائدے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے اور در اصل ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ یہ مجلس اس بات پر غور کریگی کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کی بہترین صورت کیا ہے۔

اگرچہ لڑائی ختم ہوچکی ہے اور جرمنی اور اس کے ساتھی بالکل تباہ ہوچکے ہیں پھر بھی دنیا میں پہلے جیسی ہی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ چین میں دو پارٹیوں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔ ایک طرف جنرل چیانگ کائی شک کی پارٹی ہے اور دوسری طرف کیمونسٹوں کی۔ جاوا میں بھی حالت ٹھیک نہیں۔ انڈونیشیا جو ڈچ نو آبادی ہے۔ آزاد ہونا چاہتی ہے۔ ملک میں ہر طرف بدامنی اور شورش پھیلی ہوئی ہے۔ ڈچ حکومت اور انڈونیشیا کے درمیان مصالحت کرانے کی سب کوششیں بیکار ہو چکی ہیں۔ اب برطانیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ حالات پر قابو پانے کے لئے اور فوجیں انڈونیشیا میں اتاری جائیں۔

شمالی ایران میں بغاوت پھیلی ہوئی ہے خبر آئی ہے کہ باغیوں نے بہت سے سرکاری افسروں کو قتل کر ڈالا۔ ایرانی حکومت ابھی تک بغاوت دبانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

برطانیہ کے غیر ملکی معاملات کے سکریٹری مسٹر بیون نے فلسطین کے عربوں اور یہودیوں کے جھگڑے کے بارے میں اپنی پالیسی کا اعلان کیا۔

انھوں نے کہا کہ فلسطین کا انتظام ایک جماعت کے سپرد کیا جائیگا۔ لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس جماعت میں کون کون سی قوموں کے نمائندے شامل ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ عربوں سے اس سلسلے میں مشورہ کیا جائیگا۔ مسٹر بیون کی رائے ہے کہ اگر ٹھنڈے دل سے معاملات پر غور کیا جائے تو ضرور کوئی ایسی صورت نکل آئیگی جو یہودیوں اور عربوں دونوں کے لئے مناسب ہو۔

میرے خیال میں مسٹر بیون کا کہنا بالکل درست ہے جب تک کہ ہم سب لوگ معقولیت اور نرمی کو سامنے نہیں رکھیں گے دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ ہم سب کو اپنے معاملات میں انصاف اور ایمانداری کا خیال رکھنا چاہیئے۔ وہی زبان پر لانا چاہیئے جو دل میں ہو اور وہی دل میں ہونا چاہیئے جو زبان پر ہو۔ اگر ہر شخص کے دل میں خود غرضی اور دھوکہ بازی ہو تو سب جلسے جماعتیں اور کونسلیں بیکار ہیں۔ خیال اور عمل مختلف ہونا ہی بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے۔ دنیا میں امن اور سکون پیدا کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ سچائی اور صاف گوئی سے کام لیا جائے ۔

بڑے مصنفوں کی کہانیاں

ڈون کی ہوٹی

ڈون کی ہوٹی سپین کے ایک بہت بڑے مصنف سروانٹیز کی لکھی ہوئی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ آپ بھی ہیرو کے مضحکہ خیز کارناموں کا لطف اٹھائیے۔

(۳)

ڈچز

شیروں سے لڑنے کے بعد ڈون کی ہوٹی اور سانچو پانزا کو اور بہت سے خوشگوار اور ناخوشگوار واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ جنگل سے واپس آرہے تھے کہ انھوں نے دور سے ایک حسین خاتون کو دیکھا جو سبز رنگ کا شہسواری کا لباس پہنے، سفید گھوڑے پر سوار خادموں کے ساتھ جارہی تھی۔ ڈون کی ہوٹی یہ نظارہ دیکھ کر بہت مرعوب ہوئے۔ اور انھوں نے سانچو پانزا کو ہدایتیں دے کر ڈچز کو ایک پیغام بھجوایا۔ انھوں نے سانچو سے کہا کہ خاتون سے کہنا "شیروں کا نائٹ[1] آپکی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ وہ آپکے ہر حکم کی تعمیل کریگا۔

یہ خاتون ایک ڈچز (بیگم) تھی۔ اس نے ڈون کی ہوٹی کے عجیب و غریب کارناموں کی بابت پڑھ رکھا تھا۔ ڈچز نے اپنے شوہر سے مشورہ کرنیکے بعد محض دل لگی کی خاطر اس مسخرے پن میں شرکت کرنیکا فیصلہ کرلیا۔

ڈون کی ہوٹی کو اس بات کا پورا یقین دلانے کے لئے کہ وہ لوگ ابھی تک نائٹیٹ کے قانون اور قاعدوں پر چلتے ہیں۔ اس نے نہایت ملائم اور دلکش الفاظ میں اپنے اسکوائر کے ہاتھ ڈون کی ہوٹی کو اپنے قلعہ میں آکر ٹھیرنے کی دعوت کہلا بھیجی۔

ڈون کی ہوٹی کا بہت پرجوش استقبال کیا گیا اور نہایت دھوم سے ان کا جلوس قلعہ تک پہنچا۔ نوکروں کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ نائٹ کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کیا جائے۔ جب ڈون کی ہوٹی قلعہ میں داخل ہوئے تو دو حسین لڑکیوں نے سرخ رنگ کا نہایت اعلے چغہ ان کے کندھوں پر ڈال دیا اور عطر ڈ۔

ڈون کی ہوٹی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ سب کام ویسے ہی ہو رہے ہیں جیسا کہ وہ شولری[2] کی کتابوں میں پڑھتے آئے تھے۔ اب انھیں پورا یقین ہوگیا کہ وہ سچ مچ کے نائٹ ہیں۔

سانچو پانزا گورنر بنتے ہیں

ڈیوک اور ڈچز نے نائٹ اور ان کے اسکوائر کی بہت آؤ بھگت اور خاطر تواضع کی۔ نوکروں نے باتوں میں سانچو پانزا کو ذرا چھیڑا لیکن انھوں نے کچھ پرواہ نہ کی کیونکہ انھیں قلعہ میں تمام آرام اور آسائشیں میسر تھیں۔

ڈچز اسے بہت پسند کرتی تھی اور جب یہ معلوم ہوا کہ نائٹ نے سانچو کو کسی جزیرہ کا گورنر بنانے کا وعدہ کیا ہے تو اس نے ڈیوک سے کہہ کر سانچو کو جزیرہ باراٹیریا کا گورنر بنوا دیا۔

اپنے مالک سے مشورہ لینے کے بعد سانچو اپنے اہالی موالی کے ساتھ اپنی حکومت کی طرف چل کھڑا ہوا۔ بہت شان و شوکت سے انھیں کرسئ عدالت پر بٹھایا گیا اور انھوں نے مقدمات کے فیصلے شروع کئے۔

دو بوڑھے آدمی سامنے آئے ایک کے پاس لاٹھی کی بجائے ایک کھوکھلا ڈنڈا تھا اور دوسرے کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ بغیر لاٹھی والے بوڑھے نے کہا کہ میں نے اس شخص کو کچھ دن ہوئے دس سونے کے کراؤن قرض دئے تھے تاکہ اس کا کام نکل جائے۔ میں نے فوراً ہی اپنی رقم واپس نہ مانگی۔ دو تین مرتبہ تقاضہ کرنے کے باوجود اس نے میری رقم واپس نہیں کی۔ ابھی

[1] نائٹ اعلیٰ خاندان کے ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ [2] شولری وہ قاعدے اور قانون جن کے نائٹ پابند تھے

نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے تم سے دس کراؤن کبھی قرض لئے ہی نہیں۔ اگر لئے تھے تو میں واپس کر چکا ہوں۔ دونوں کا کوئی گواہ نہ تھا۔ پہلے شخص نے کہا "حضور گورنر اگر یہ حلف اٹھائے کہ اس نے رقم واپس کر دی ہے تو میں روپیہ نہیں مانگوں گا" سانچو نے اپنا عصا اٹھایا۔ دوسرے بوڑھے نے اسکا دوسرا پکڑ کر قسم کھائی کہ میں نے روپے تو لئے تھے لیکن واپس کر چکا ہوں۔ دوسرے بوڑھے نے اسکا یقین کر لیا اور دونوں سلام کر کے جانے لگے۔ لیکن سانچو نے انھیں روکا اور بوڑھے سے کہا کہ یہ ڈنڈا تم مجھے دے دو۔ بوڑھے نے دے دیا۔ سانچو نے ڈنڈا دوسرے بوڑھے کو دے کر کہا کہ اب تمہارا قرضہ ادا ہو گیا۔ بوڑھے کو بہت تعجب ہوا کہ لکڑی دس کراؤن کی کیسے ہو سکتی ہے۔

سانچو نے کہا کہ اسکے دو ٹکڑے کرو۔ اسکے اندر سے دس کراؤن نکلے۔

ہر شخص نے گورنر کی عقلمندی کی داد دی اور اسکو سلیمان ثانی کہنے لگے۔

سانچو نے اپنے جزیرے پر بہت قابلیت سے حکومت کی اور بہت سے اچھے قانون بنائے جو آج تک رائج ہیں۔

لیکن سات دن کے بعد وہ اس تمام شان و شوکت سے اکتا گیا۔ اسکا دل معمولی کھانے اور اپنے جیسے معمولی آدمیوں کے لئے ترسنے لگا۔ اس رات اسے نوکروں نے جگا کر بتایا کہ دشمن شہر کے دروازے پر ہے۔ شہر کو بچانے کے لئے سانچو کو اٹھ کر ہتھیاروں سے مسلح ہونا پڑا۔ نقاروں اور سنکھوں کی آوازیں آنے لگیں۔

بیچارے سانچو نے یہ سوچ کر کہ یہ کام ڈون کی ہوٹی کا ہے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اسے بھاری زرہ بکتر پہننے پر مجبور کیا گیا۔ اور جب سانچو دشمن کی طرف چلا تو ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ نوکروں نے اسطرح شور مچایا کہ لوگ سمجھیں دشمن بھاگ گیا۔ لیکن سانچو کا دل بھر چکا تھا صبح اٹھ کر اس نے گدھے کی زین کسی اور اپنے مالک نائٹ کے پاس جا پہنچا۔
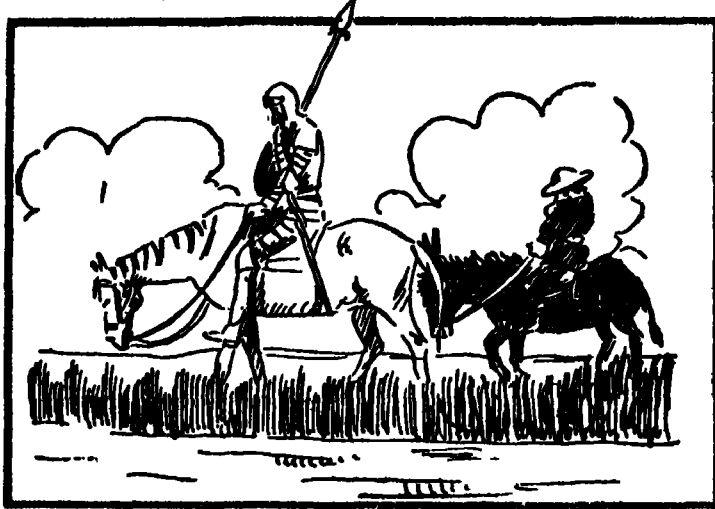
سانچو جزیرے والوں کو اتنا عزیز ہو گیا تھا کہ وہ اسکے جانے پر روئے۔

سفید چاند کا نائٹ

ڈون کی ہوٹی اپنے گھوڑے پر معمول کے مطابق لیس ہوئے جا رہے تھے کہ انھیں سامنے سے ایک نائٹ آتا دکھائی دیا۔ یہ نائٹ سر سے پاؤں تک ہتھیاروں سے مسلح تھا اور اسکی ڈھال پر ایک بڑا سا چاند بنا ہوا تھا۔ یہ نائٹ ڈون کی ہوٹی کے پاس آیا اور کہا اے مشہور نائٹ میں سفید چاند کا نائٹ ہوں۔ اور شاید آپ نے میرے کارناموں کے بارے میں سنا بھی ہو۔ میں تم سے لڑنے آیا ہوں تاکہ تم سے اس بات کا اقرار کرواؤں کہ میری محبوبہ تمہاری ڈلسینیا سے زیادہ خوبصورت ہے۔

ڈون کی ہوٹی حیران ہوئے لیکن فوراً تاؤ آگیا اور انھوں نے مقابلہ کی دعوت منظور کر لی لڑائی کا انجام سفید چاند کے نائٹ کی فتح پر ختم ہوا۔ کیونکہ وہ زیادہ پھرتیلا تھا۔ ڈون کی ہوٹی حملہ ہونے سے پہلے ہی ٹھوکر کھا کر گھوڑے سمیت زمین پر گر پڑے۔ سفید چاند کے نائٹ نے ڈون کی ہوٹی کی خود کو اپنے نیزے سے چھوا۔ ڈون کی ہوٹی نے کہا۔

"مجھے مار ڈالو۔ شکست کی بے عزتی کے باوجود میں یہی کہوں گا کہ لیڈی ڈلسینیا سب سے زیادہ حسین عورت ہے۔"

سفید چاند کے نائٹ نے کہا "میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا اور نہ لیڈی ڈلسینیا کے حسن کے متعلق کچھ بحث کرنا چاہتا ہوں۔ تم گھر جاؤ اور ایک سال کے لئے نائٹ بننے سے توبہ کرو۔"

ڈون کی ہوٹی نے جواب دیا کیونکہ اس سزا سے لیڈی ڈلسینیا پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اسلئے میں سچے نائٹ کی طرح آپکا حکم پورا کروں گا۔"

ڈون کی ہوٹی گھر آتے ہیں

ڈون کی ہوٹی کے گھر واپس آنے کی داستان سنانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ سفید چاند کا نائٹ کون تھا۔ وہ سمیسن کراسکو تھا جو مانچا میں رہتا تھا۔ وہ ڈون کی ہوٹی کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ سمیسن اور دوسرے لوگوں کو ڈون کی ہوٹی کے پاگل پن اور اسکی صحت گرتی دیکھ کر بہت رحم آیا۔ انھوں نے ڈون کی ہوٹی کو گھر میں بٹھلانے کے لئے یہ نئی ترکیب نکالی تھی۔

ڈون کی ہوٹی فوراً گھر واپس نہیں لوٹے کیونکہ ان کی صحت بہت خراب تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ اچھے ہوئے وہ بارسیلونا سے سانچو کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ کئی دن کے سفر کے بعد (صحت کی خرابی کی وجہ سے گھوڑے کی سواری مشکل تھی) وہ اپنے گاؤں پہنچے۔

انکے آنے کی خبر پہلے ہی مشہور ہو چکی تھی۔ گاؤں کے باہر ان کے دوست پادری اور سمیسن ملے۔ وہ دعا میں مشغول تھے۔ انھوں نے بہت خوشی سے انکا استقبال کیا۔ ڈون کی ہوٹی گھوڑے سے اتر کر ان سے بغلگیر ہوئے۔

ڈون کی ہوٹی نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ وہ کیوں سال بھر کے لئے واپس آگئے۔ اور چونکہ وہ اب بہادری کے کام نہیں کر سکتے تھے اسلئے وہ گڈریئے بن کر بھیڑوں کی دیکھ بھال کریں گے اور لیڈی ڈلسینا کی تعریف میں گانا گا کر اور اس کا نام درختوں پر کھود کر دن گزاریں گے۔ انکے دوستوں نے اس تجویز کی تعریف کی کیونکہ کھلی ہوا میں رہنا ڈون کی ہوٹی کی صحت کے لئے اچھا تھا۔ لیکن یہ تصور کر کے انھیں ہنسی آئی کہ ایک بوڑھا نائٹ جنگلوں میں عاشقانہ گیت گاتا پھریگا۔

ان کی بھتیجی اور ملازمہ نے گھر میں ان کا استقبال کیا۔ دوسرے دن جب ملازمہ ان کے کمرے میں گئی تو اس نے دیکھا کہ ڈون کی ہوٹی بہت بیمار ہیں۔ کئی دن تک ان کی حالت میں کچھ تبدیلی نہ ہوئی۔ ان کے دوست اور بھتیجی پریشان ہوئے۔ جس دن سے اس کا مالک بیمار ہوا سانچو نے اس کی پٹی نہ چھوڑی۔

انھوں نے ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد مایوسی سے سر ہلایا۔

سب لوگ رونے پیٹنے لگے۔ کیونکہ باوجود پاگل پن کے ڈون کی ہوٹی بہت نیک دل آدمی تھا۔ نائٹ نے سب کو اپنے پاس سے ہٹ جانے کو کہا۔ کیونکہ وہ سونا چاہتا تھا۔ سب لوگ چلے گئے اور وہ چھ گھنٹے تک سویا۔ جب وہ اٹھا تو کہا: "اے خدا تیری رحمتوں کا شکریہ جو گنہگار اور بے گناہ سب کے لئے برابر ہیں۔"

بھتیجی نے اسے باتیں کرتے سنا تو اندر آئی۔ اسے دیکھ کر ڈون کی ہوٹی بولے: "مجھ پر خدا نے رحم کیا اور میرے دماغ کو روشنی بخشدی ہے۔ نائٹ بننے کے سب خیال اب میرے ذہن سے صاف ہو چکے ہیں۔ یہ سب میری حماقت تھی۔ افسوس ہے بہت دیر میں میری آنکھیں کھلیں۔ میں اب مرنے والا ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے مرنے کے بعد دیوانہ کہیں۔ اسلئے جا کر میرے سب دوستوں کو بلا لاؤ تاکہ میں آخری بار ان سے عقل کی باتیں کر سکوں اور وصیت کر جاؤں۔"

بھتیجی، سانچو، اور ملازمہ نے رونا شروع کر دیا۔ کیونکہ ڈون کی ہوٹی جیسا نیک اور رحمدل انسان ہونا مشکل تھا۔

تین دن وہ اور زندہ رہا۔ اور تیسرے دن اس دنیا سے سفر کر گیا۔ یہ ہوا اس عجیب وغریب انسان ڈون کی ہوٹی آف مانچا کا انجام۔ وہ بہت شریف، نیک اور عقلمند انسان تھا۔ جو لوگ اس پر ہنستے تھے وہ بھی اسے پسند کرتے تھے۔ وہ اپنی فیاض دلی کی وجہ سے نہ صرف گھر والوں کو بلکہ سب جاننے والوں کو عزیز تھا۔

ختم شد

فراگ مین
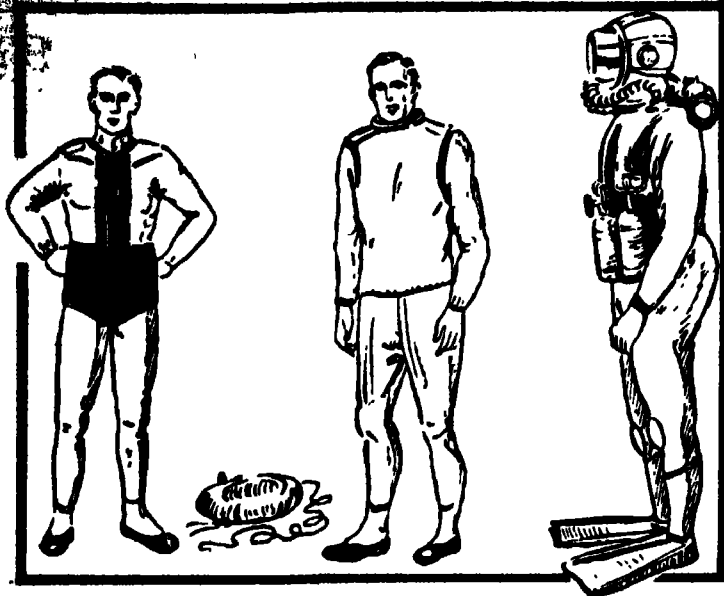
جب آدمیوں کو یہ محسوس ہوا کہ ہمیں جانوروں اور پرندوں کی نقل کرنے سے لڑائی میں مدد ملے گی تو وہ انہی کی نقل کرنے لگے۔ ہم نے کیڑوں سے چھپنا، چڑیوں سے چھاتا باز فوجیں اتارنا، ہوائی جہاز بنانا اور چلانا سیکھا اور مینڈکوں کے جھلی دار پاؤں دیکھ کر فراگ مینوں کے ربڑ کے پر لگائے۔

یہ تو کہنا مشکل ہے کہ مینڈک اور چڑیاں آدمیوں کو اپنی نقل کرتے دیکھنا پسند کرتی ہیں یا نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ انھیں یہ بات ناپسند بھی نہیں ہے۔ میرے خیال سے انھیں اس پر بڑا فخر ہوگا کہ انسان جسے اپنی عقل پر اسقدر گھمنڈ ہے، اسے ہم سے بھی کچھ نہ کچھ سیکھنا ہی پڑتا ہے۔ انھیں کبھی کبھی ہم پر ہنسی آتی ہوگی۔

تمہیں یاد ہوگا کہ لڑائی کے شروع میں اتحادی فوجوں کو یورپ سے واپس آنا پڑا تھا مگر انگلستان میں اتحادی حاکم دوبارہ یورپ جاکر جرمنی کو ہرانے کی برابر تدبیریں سوچتے رہے۔ لیکن جرمنوں نے "اٹلانٹک دیوار" بنالی تھی تاکہ فوجیں یورپ میں نہ اتر سکیں۔ انھوں نے خشکی پر طرح طرح کے قلعے بنائے یہی نہیں بلکہ سمندر میں بھی بچاؤ کا انتظام کیا تھا مثلاً سرنگیں بچھادیں اور فولاد کی ایسی بڑی بڑی دیواریں کھڑی کردیں کہ اگر کوئی کشتی فوج اتارنے کی کوشش کرے تو ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔ اتحادیوں کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نازیوں کی "اٹلانٹک دیوار" کو کیسے توڑا اور فرانس میں اترا جائے۔ مگر برطانیہ کے بحری افسروں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ برابر تدبیریں سوچتے رہے۔ اور تجربے کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "فراگ مین" تیار کئے گئے۔ اور انھیں ایسے ساز و سامان سے لیس کیا گیا کہ سمندر میں دشمن نے بچاؤ کا جو انتظام کر رکھا تھا سب بیکار ثابت ہوا۔
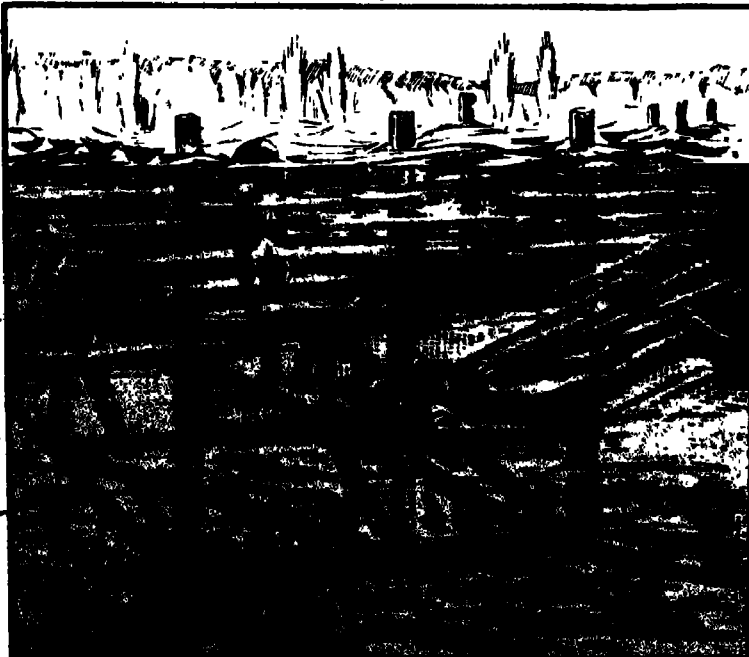
لینڈنگ کریفٹ آبسٹرکشن یونٹس (فوجیں اتارنے والے رکاوٹیں ہٹانے والے دستے) کا نام فراگ مین (مینڈک جیسے آدمی) رکھا گیا۔ اسلئے کہ وہ پیروں میں ربڑ کے پنکھ استعمال کرتے تھے۔

اب میں تمہیں فراگ مین کا پہناوا بتاتی ہوں۔ یہ ربڑ کا بغیر جوڑ اور سلائی کا سوٹ ہے جو جسم پر چپٹا رہتا ہے۔ یہ آگے بڑھنے کے لئے اوپر سے ذرا سا کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اسکے نیچے جراب کی طرح بنا ہوا ایک اور سوٹ پہنا جاتا ہے۔ ساتھ ہی پانی میں دھماکوں سے بچنے کے لئے ایک انچ موٹی جاکٹ بھی ہوتی ہے۔ اسکے بعد مینڈک کے پاؤں کی جھلی جیسے ربڑ کے پنکھ پاؤں پر چڑھا لئے جاتے ہیں۔ آخر میں وہ آلہ لگایا جاتا ہے جو پانی کے اندر سانس لینے میں مدد دیتا ہے۔ سر اور چہرہ پر خود پہنا جاتا ہے جس کے سامنے شیشہ لگا ہوتا ہے تاکہ دکھائی دیتا رہے۔

فراگ مینوں کے جوتوں کو ربڑ کی چھوٹی

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں لیکن اُن میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے ۔

۳

کدو میاں اور ان کے دوست شانٹے کلیر مرغے سرکس دیکھنے گئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ خود تماشہ دکھا کر اپنے دوستوں کو بھی خوش کیا جائے ان کے چند کرتبوں کی بہت تعریف ہوئی۔ شانٹے کلیر نے اس عورت کی نقل کی جو ایک طرار ٹٹو پر کبھی اچک کر بیٹھ جاتی تھی اور کبھی کود پڑتی تھی اور کبھی ٹٹو کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو آگ کے گھیرے پھلانگ جاتی تھی۔

دراصل وہ طرار ٹٹو کدو میاں ہی تھے ۔

تماشہ کامیاب رہا۔ کدو اور ان کے دوست پھولے نہ سماتے تھے۔ یکایک کدو میاں کی نظر میدان میں دو بانسوں سے بندھی ہوئی دھوبی کی الگنی پر پڑی۔ الگنی پر برف جیسی سفید چادریں سوکھ رہی تھیں۔ کدو کا دل چاہا کہ تنی ہوئی رسی پر ناچنے والے کی نقل کی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ اس حرکت پر اور بھی زیادہ داد ملے گی ۔
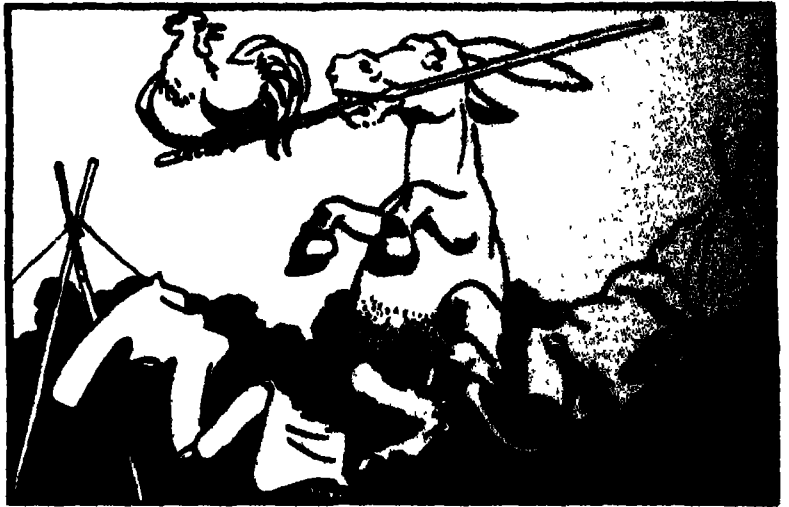
لیکن افسوس! ہمارے کدو میاں ذرا بھاری بھرکم واقع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں سرکس کے ٹٹوں جیسی تعلیم بھی تو نہیں ملی۔

نتیجہ یہ کہ کدو میاں کی خوب پٹائی ہوئی اور دن بھر کا فاقہ دیا گیا۔

شانٹے کلیر بھی بند کر دئے ہیں، اور بہت افسردہ بیٹھے ہیں ۔

کل کی باتیں

وہ کیا چیز ہے جو ہمارے انجن، موٹریں، ہوائی جہاز، ریڈیو اور ٹیلیفون چلاتی ہے۔ ذرا سوچ کر دیکھو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ یہ سب چیزیں طاقت سے چلتی ہیں۔ طاقت حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں، کوئلہ، تیل اور پانی۔

کچھ عرصہ پہلے لوگ طاقت حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کا استعمال نہ جانتے تھے۔ وہ صرف اپنے ہاتھوں یا پالتو جانوروں کی طاقت استعمال کر سکتے تھے۔

پھر اٹھارویں صدی میں انہوں نے بھاپ کا پتہ لگایا اور بھاپ سے چلنے والے انجن اور جہاز بنائے۔ ایک سو سال بعد معلوم ہوا کہ تیل بھاپ سے زیادہ بہتر اور سستا ہے۔ ہوائی جہاز اور موٹریں ایجاد ہوئیں۔ اب تیل اور بھاپ کا مقابلہ ہونے لگا۔ لیکن انسان اب بھی مطمئن نہ تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ دنیا میں ان دونوں چیزوں کی ایک محدود مقدار ہے۔ اسلئے اسے کسی ایسی چیز کی تلاش ہوئی جس سے غیر محدود قوت حاصل کی جا سکے۔ اور اسکے دماغ میں پانی سے قوت پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

جنہوں نے آبشار دیکھا ہے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پانی جب حرکت میں ہوتا ہے تو اس میں کتنا زور ہوتا ہے۔ اگر پانی زیادہ فاصلے سے گرایا جائے تو زور اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسی زور سے پاور سٹیشنوں میں برقی قوت پیدا کی جاتی ہے۔ اسکا طریقہ نہایت سیدھا سادا ہے۔ گرتے ہوئے پانی کے زور سے رہٹ کی شکل جیسے پہیے چکر کھاتے رہتے ہیں۔ ان پہیوں کا تعلق برقی رو پیدا کرنے والی مشین سے ہوتا ہے۔ اس مشین سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے وہ میلوں لمبے تاروں کے ذریعے ادھر ادھر بھیجی جاتی ہے۔

پانی سے بجلی حاصل کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں پہلی یہ کہ پانی برابر ملتا رہے۔ اور دوسری یہ کہ پانی زور سے گرے۔ یہ دونوں باتیں پہاڑی علاقوں میں آسانی سے مہیا ہو سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے بجلی گھر اکثر پہاڑی علاقوں میں بنائے جاتے ہیں۔

پنجاب میں جوگندر نگر کے قریب ایک ایسا ہی بجلی گھر ہے۔ یہاں دریائے اوہل کے برفانی پانی سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ پانی پہلے تین میل لمبی سرنگ میں سے گذارا جاتا ہے۔ پھر لوہے کے نلوں کے ذریعے اسے ۲۰۰۰ فٹ کی بلندی سے نیچے پھینکا جاتا ہے۔ یہ بجلی گھر پنجاب کے ۱۹ شہروں کو بجلی مہیا کرتا ہے۔ جس میں لاہور اور امرتسر بھی شامل ہیں۔ بارش سے بھی بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ برسات کے دنوں میں بمبئی کے قریب مغربی گھاٹ پر ۲۰۰ انچ تک بارش ہوتی ہے۔ بارش کا پانی بڑے بڑے حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے اور اس سے پہاڑیوں کے دامن میں جو بجلی گھر ہے اسے چلایا جاتا ہے یہ ہندوستان کا سب سے بڑا بجلی گھر ہے۔ بعض جگہ دریاؤں میں بند باندھ کر بجلی پیدا کی جاتی ہے ایسی صورت میں بجلی حاصل کرنے کے بعد پانی آبپاشی کے کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔

ہمالیہ کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں اور بڑے بڑے دریاؤں سے امریکہ کے بعد دوسرے نمبر پر بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ لیکن ان ذرائع کو کام میں لانے کے لحاظ سے ہندوستان یورپ اور امریکہ سے پیچھے ہے۔ ہندوستان میں پانی سے ۴ کروڑ ہارس پاور پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن در اصل ہمارے ہاں صرف ۵ لاکھ ہارس پاور پیدا کی جاتی ہے۔ ہمیں اور ملکوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ حکومت اپنے ان ذرائع کا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے اسکیمیں تیار کر رہی ہے۔

ان اسکیموں پر عمل شروع ہونیکے بعد ہر شخص بجلی استعمال کر سکیگا۔ شہروں میں لوگ بجلی کے ذریعے کھانا پکا سکیں گے اور بہت سے کام بھی بجلی کی مدد سے ہو سکیں گے۔ ریل گاڑیاں بجلی سے چلیں گی۔ گاؤں کی حالت بھی اتنی بدل جائیگی کہ پہچاننا مشکل ہوگا۔ کسانوں کے گھر روشن کرنے کے لئے بدبودار مٹی کے تیل کی ضرورت نہ رہیگی اور نہ ہی کھیتوں میں پانی دینے کیلئے آہستہ چلنے والے رہٹوں کی ضرورت ہوگی۔ ریڈیو کے ذریعے کسانوں کو دن بھر کی مشقت کے بعد سینما تفریح کا سامان بہم پہنچائیگا۔ مختصر یہ کہ کل کا ہندوستان آج سے بہت مختلف ہوگا۔

خالد مسرت

قدرت کی کٹھ پتلیاں

آسٹریلیا کے آرکڈ

(ای۔ کے مترا)

برسات کے موسم میں بعض پیڑوں کی ٹہنیوں کے اوپر کائی جم کر خوبصورت پھول اُگ آتے ہیں جسکو آرکڈ کہتے ہیں۔ اس طرح کے آرکڈ آسٹریلیا اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان آرکڈوں کی صورت بڑی انوکھی ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض کا رنگ تو بہت گہرا ہوتا ہے اور بعض کا بہت ہی ہلکا۔

آسٹریلیا کے یہ آرکڈ نقل اتارنے میں ساری دنیا میں مشہور ہیں کبھی تو یہ اڑتی ہوئی بطخوں، بھونروں، چڑیوں، تتلیوں، مکڑیوں، مچھروں اور چھپکلیوں کی سی صورت بنا لیتے ہیں اور کبھی لوہے کی ٹوپیوں اور چھروں وغیرہ کی سی۔ ان میں سے اکثر کی صورت اور رنگ اتنا بھلا ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں فوراً "والٹ ڈسنے" کی چلتی پھرتی تصویریں آسکتی ہیں۔

مغربی آسٹریلیا کے بہت سے حصّوں میں گوند کے پیڑوں کے نیچے یہ آرکڈ نارنجی رنگ کے ہوتے ہیں اور انکی شکل چیتے جیسی ہوتی ہے۔ اگر تم فلمی کہانی کا دھیان باندھے رہو تو اس آرکڈ کو کہانی کا بدمعاش سمجھ سکتے ہو اور اس کا ساتھی بدمعاش مکڑی کی صورت والا آرکڈ ہے جو اپنی لمبی لمبی اور پتلی جوڑوں والی ٹانگوں کو خوبصورت پتیوں کے جالے میں چھپا دیتا ہے۔ جس بیچاری کو یہ ستانا چاہتے ہیں وہ ایک خوبصورت جوان لڑکی ہے جو دعا مانگ رہی ہے۔ یہ لڑکی وہ پیوٹی سی آرکڈ ہے جو سفید رنگ کی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سفید لبادہ اوڑھے ہوئے ہے اور بدمعاشوں کی منت سماجت کر رہی ہے۔ ان ظالموں سے ڈر کر کانپ بھی رہی ہے۔

لیکن پرانے زمانہ کے خود دار بہادروں کی طرح کے جوانمرد بھی لڑکی کو بچانے کیواسطے تیار ہیں۔ اڑتی ہوئی بطخ کی صورت کا آرکڈ ایک موٹا تازہ مسخرہ اور مذاقیہ شخص ہے جس کو اور کوئی کام ہی نہیں سوائے اسکے کہ مصیبت میں پھنسی ہوئی حسینہ کو بچائے۔ یہ بہادر لوہے کی ٹوپی والے آرکڈ اور چھرے والے آرکڈ کو ہمراہ لے کر اور چیتے کی سی صورت والے بدمعاشوں سے لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ اگر یہ دو دشمن اس اکیلے کے بس کے نہیں تو لو اسکا ایک دوست بھی اسکی مدد کے لئے وہیں موجود ہے۔ یہ ایک ہرے رنگ کی چڑیا آرکڈ ہے جسکی چونچ بہت لمبی ہے اور صورت بڑی پیاری۔ لڑائی کے میدان میں اسکا اڑکر جانا تو بس قیامت ہے۔ لو ہمارا تو سانس رکا جا رہا ہے۔ اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ وقت پر مدد کو نہ پہونچ سکے اور بیچاری لڑکی نہ بچ سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہماری یہ حالت اسکی بے انتہا خوبصورتی اور اسکے کھلے ہوئے رنگ کی وجہ سے بھی [illegible] مچھر [illegible] ڈر اِدھر یا اُدھر ہوائی حملہ کر سکتا ہے اور گدھے کی صورت کا آرکڈ [illegible] شاید اور نرم ہیں اور چہرہ لمبوترا ہے۔ دونوں لڑاکاؤں کو رحم بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ جو حق پر ہو وہی جیتے۔

آسٹریلیا کے یہ آرکڈ زیادہ بڑے نہیں ہوتے۔ مثلاً اڑتی ہوئی بطخ کی صورت کا آرکڈ عام طور پر دُم سے لیکر چونچ کے سرے تک صرف آدھے انچ کا ہوتا ہے۔ زرد یا شربتی رنگ کی نئی نکلے ہوئے آرکڈ پر ہرے یا لال رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں۔ یہ اتنے خوبصورت ہوتے ہیں کہ جو بھی اسکو غور سے دیکھتا ہو وہی تحیّر میں پڑ جاتا ہے۔ لوہے کی ٹوپی اور ڈھال کی صورت کے آرکڈ چٹانوں پر اُگنا پسند کرتے ہیں۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ تم سب کا یہ جی چاہنے لگا ہوگا کہ خود اپنی آنکھوں سے ان خوبصورت آرکڈوں کو دیکھنے کے لئے آسٹریلیا چل دو۔ کیوں نہ ہو یہ آرکڈ کیا ہیں چھوٹے چھوٹے ایکٹر اور ایکٹرسیں ہیں۔ آسٹریلیا نہ جا سکو تو کم سے کم خود ہندوستان میں اُگنے والے آرکڈوں کو تو غور سے دیکھا کرو۔ اگرچہ ہمارے ملک کے آرکڈ ایسے مذاقیہ شکل میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ نہایت ہی دلچسپ اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

{ رسالہ "نیچر" کے ایک مضمون سے ماخوذ کیا گیا جس کو آسٹیون ہنری اور گیون کیسی نے لکھا۔ }

امریکا کے آرکڈ

اس کو چیتا آرکڈ کہتے ہیں ؛

اس آرکڈ کو دعا مانگنے والی لڑکی کہتے ہیں ؛

یہ مکڑی آرکڈ کے نام سے مشہور ہے ؛

یہ آرکڈ اڑتی ہوئی بطخوں کی نقل ہیں ؛

یہ سبز رنگ والی چڑیا آرکڈ ہے ؛

صوبہ سرحد
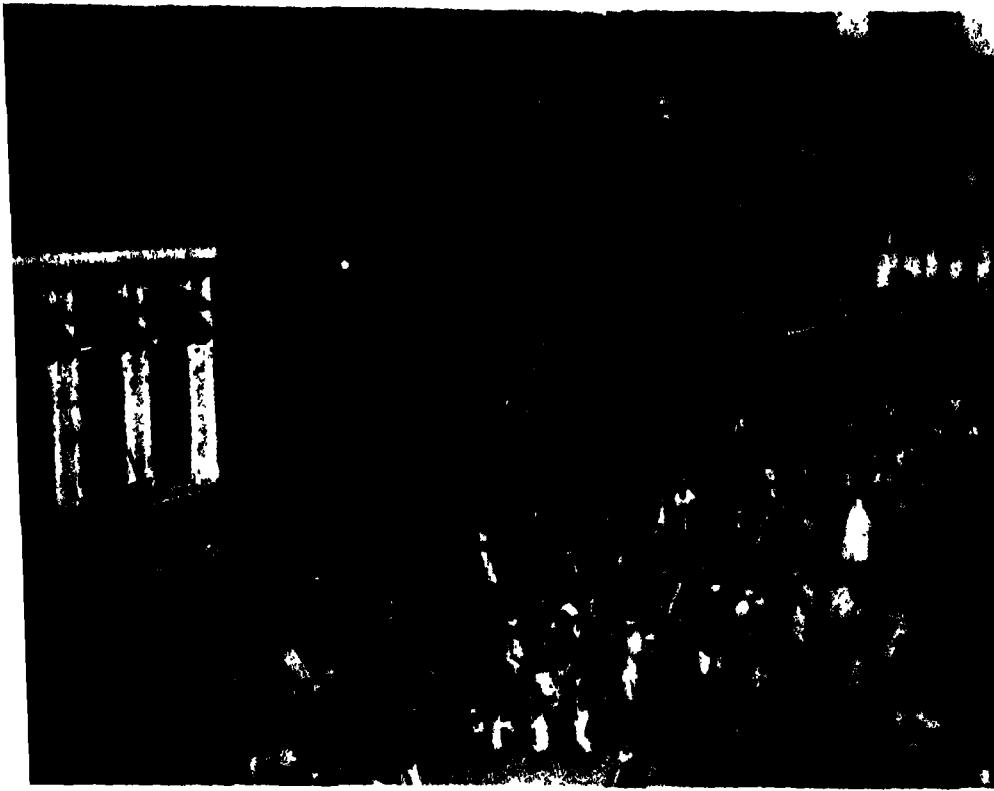
پشاور کے اس خوشنما برتنوں کے بازار سے جو ضرورت ہو لے جائیے

صوبہ ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع
ہندوستان کو افغانستان سے ملاتا ہے۔
درۂ خیبر ان دونوں ممالک میں باہمی
قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ صوبہ
پہاڑی اور اجاڑ ملک ہے جس کی وجہ
وہاں کے باشندے کاشتکاری نہیں
۔ وہ خانہ بدوش اور جنگجو ہوتے ہیں۔
کی وجہ سے ان کے گھروں میں مورچے
ہوتے ہیں۔ وہاں کا موسم گرمیوں میں گرم
سردیوں میں بہت سرد ہوتا ہے۔
پشاور دارالخلافہ ہے۔ اس کے
خوبصورت ایرانی قالین۔ افغانی فر۔
وری چپل اور وسطی ایشیا کی قیمتی اشیاء
آراستہ پیراستہ ہیں۔
اس صوبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور
پشتو ان کی زبان ہے ✦

یہ پٹھانوں کا جرگہ کس قدر خاموشی سے تقریر سن رہا ہے

کاروان نظر آیا"
کا قافلہ سامان لئے پتھریلی
پر راستہ طے کر رہا ہے ✦

درۂ خیبر کا ایک منظر جو بیس میل لمبا ہے اور انگریزی قلعوں کے زیر سایہ ہے
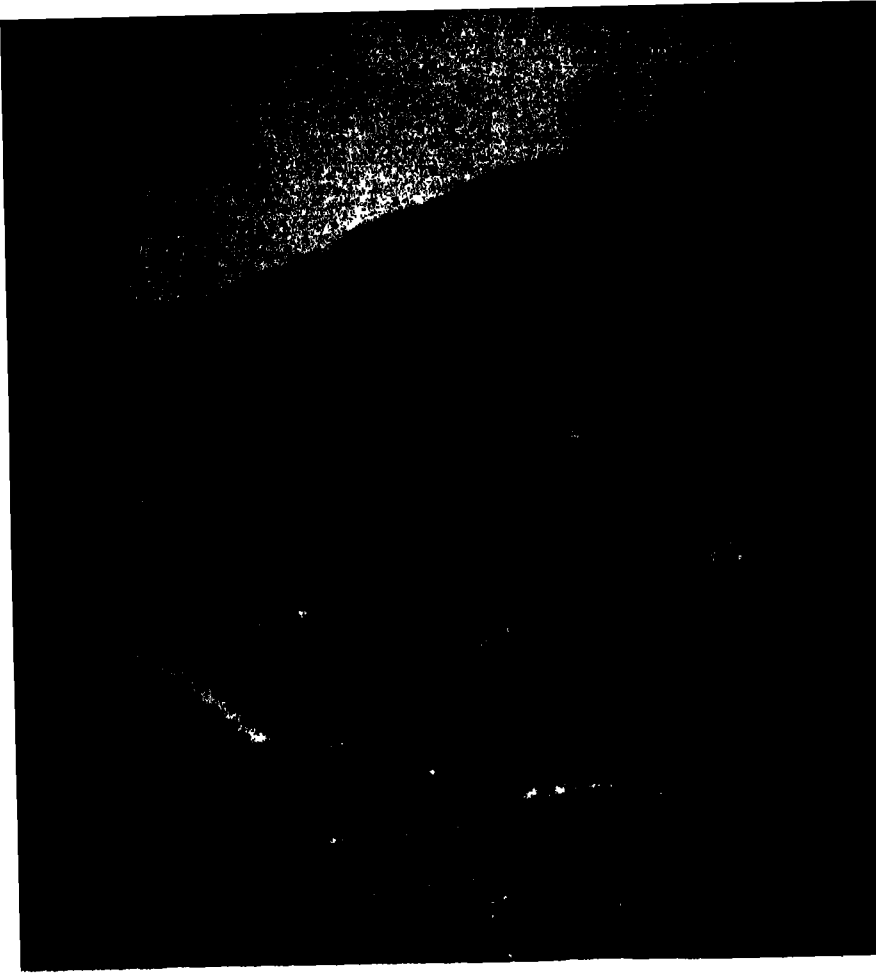
پشاور کی ایک تنگ گلی جس میں پٹھان اور غیر پٹھان ایک جگہ پائے جاتے ہیں۔ چوک کی مسجد نظر آرہی ہے ؂

یہ چھوٹا سا قلعہ نما گاؤں صوبہ سرحد کے گاؤں کا ایک نمونہ ہے۔ دیواریں مٹی کی ہیں اور قرب و جوار میں پہاڑ ہیں
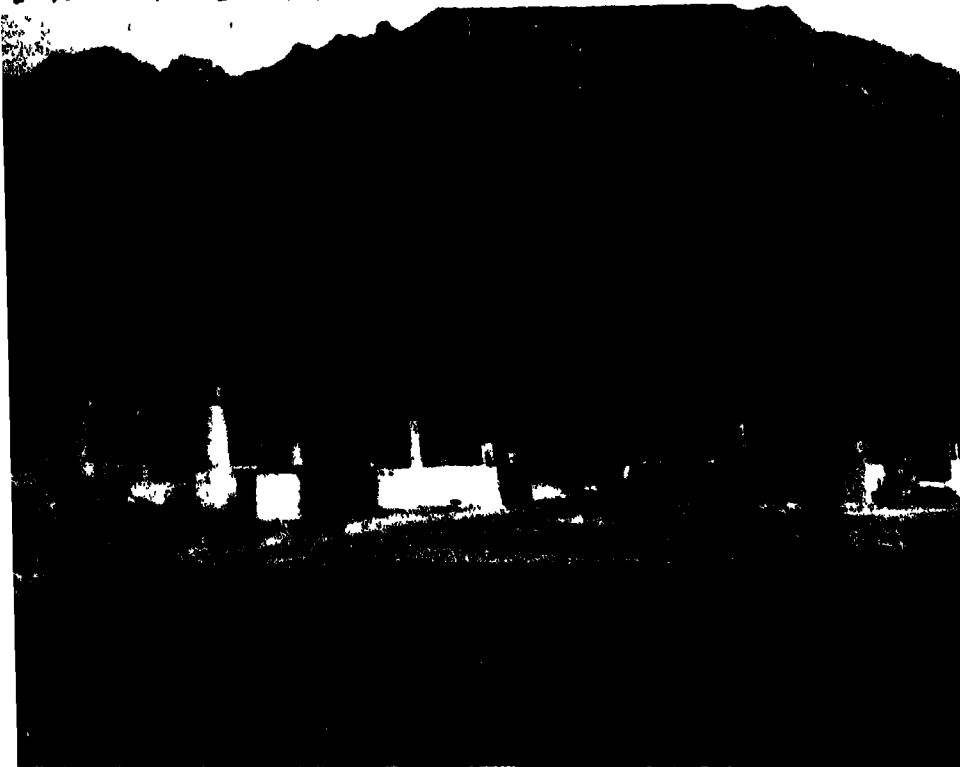
بندوق کا استعمال ایک پٹھان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چھڑی پکڑنے سے تو یقینی آسان ہے۔ عموماً یہ بندوقیں خود ہی بنا لیتے ہیں ؂

...لگنے کی اطلاع ملتے ہی فائرمین خطرے کی گھنٹی بجاتا ہے۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی
...سارے فائرمین کام کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ———

چند منٹ کے اندر ہی اندر وہ انجن پر سوار ہو کر روانہ ہو جاتے ہیں ؛
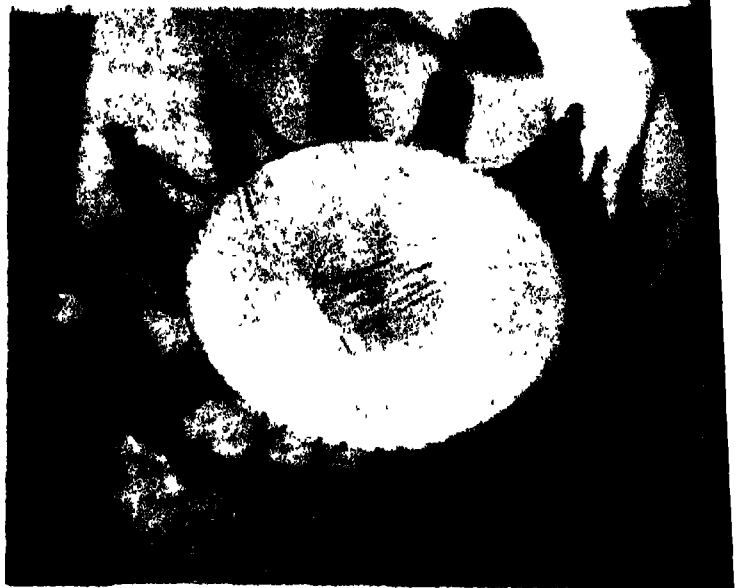
...پر کود پڑنے کی ترکیب سے فائرمین بہت آسانی سے لوگوں کو بچا لیتے ہیں ؛

فائرمین آگ کو چاروں طرف سے پانی کے فواروں سے دبائے رکھتے ہیں ؛

جو لوگ عمارت سے کودنے سے ڈرتے ہیں یا بیہوش ہو گئے ہوں انکو سیڑھی کے
ذریعہ فائرمین نیچے لاتے ہیں ؛ ———

ہماری خدمت کرنیوالے

فائرمین

آگ بہت کارآمد چیز ہے۔ یہ کھانا پکانے کے کام آتی ہے۔ گرمی
پہونچاتی ہے اور کارخانوں اور ریلوں کے لئے بھاپ بناتی ہے۔ یہ انسان کے
بہترین خادموں میں سے ہے اور بیشمار فائدے پہونچاتی ہے لیکن اگر اس سے
ٹھیک طرح کام نہ لیا جائے تو یہ خادم بہت ہی تباہ کن اور خوفناک دشمن ہو جاتا ہے۔

ہمارے گھروں میں ایسی چیزوں کی کمی نہیں جن میں آسانی سے آگ لگ
سکتی ہے۔ ذراسی لاپرواہی سے گھر آگ کے شعلوں میں گھر سکتا ہے۔ اور شعلے ایک
دفعہ بلند ہو جائیں تو ان پر قابو پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

آگ سے بچنے کے لئے ہر ممکن احتیاط برتنے کے باوجود کبھی کبھی حادثے
پیش آہی جاتے ہیں۔ اکثر سننے میں آتا ہے کہ خطرناک آگ کی وجہ سے جان و مال کا
نقصان ہوا۔ لہٰذا ہر بڑے شہر میں آگ سے لڑنے کے لئے ایک گروہ کا رکھنا
بہت ضروری ہے۔ اس گروہ کو فائر بریگیڈ کہتے ہیں۔

فائر بریگیڈ کے سپاہیوں کے لئے غیر معمولی ہمت اور چستی ضروری ہے۔
ہر روز وہ دوسروں کو بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ وہ صحیح
معنوں میں ہیرو ہیں۔ اسی لئے فائر بریگیڈ کے آدمیوں کا چناؤ بہت سمجھ بوجھ کے
کیا جاتا ہے۔ ہر فائرمین کو مضبوط، تندرست، تربیت یافتہ بدن کا مالک ہونا چاہئے۔
اس میں غیر معمولی جسمانی طاقت ہونی چاہئے اور اسے اُچکنے کودنے اور لٹکنے کے
مشکل کرتب میں ماہر ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کو جس قسم کے خطرے سے دوچار ہونا
پڑتا ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ ان کے اعصاب بہت مضبوط ہوں۔ اسی لئے
فائرمینوں کے آخری انتخاب سے پہلے ان کے اعصاب کا بخوبی معائنہ کیا جاتا ہے۔

انتخاب کے بعد فائرمین عملی ٹریننگ حاصل کرتے ہیں۔ ان کو مل جل کر
کام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ پوری ٹیم ہم آہنگی اور میل جول کے
ساتھ کام کرے۔ فائرمین کو بہت سی ٹیکنیکل باتیں بھی سیکھنی پڑتی ہیں۔ مختلف قسم
کی آگوں کو مختلف طریقوں سے قابو میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف طرح کی
عمارتیں مختلف انداز میں سنبھالی جاتی ہیں۔

اب ہم مختصر طور پر تمہیں بتائیں گے کہ فائر بریگیڈ کس طرح کام کرتا ہے۔ جو
فائرمین ڈیوٹی پر ہوتے ہیں وہ ہمیشہ چوکس رہتے ہیں۔ انکی وردی اور موٹریں وغیرہ
اس طرح تیار رہتی ہیں کہ وہ آگ بجھانے کے لئے ذرہ بھر دیر کئے بغیر جا سکتے ہیں۔
آگ کے سٹیشن پر آگ لگنے کی اطلاع ملتے ہی ایک شخص ایک بٹن دباتا ہے جس سے
خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی سارے فائرمین انجن کی
طرف لپکتے ہیں۔ ڈرائیور وہ جگہ دریافت کرتا ہے جہاں آگ لگی ہے اور آن کی آن
میں وہ ہوا ہو جاتے ہیں۔ موٹر پر بھی ہر وقت خطرے کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔
تاکہ سڑک کی دوسری سواریاں فائر انجن کے لئے راستہ خالی کر دیں اور اسے
اپنی شاندار مہم پر جانے دیں۔ اچھے اچھے سٹیشنوں پر کئی کئی انجن ہوتے ہیں۔
ان میں سے بعض پر پانی کی ٹنکیاں ہوتی ہیں۔ بعضوں کو کہیں آس پاس سے
پانی حاصل کرنا پڑتا ہے۔ ان میں لمبے لمبے ربڑ کے پائپ لگے ہوتے ہیں بعض موٹروں
میں بڑی اونچی اونچی سیڑھیاں لگی ہوتی ہیں۔ منزل مقصود پر پہونچتے ہی، ایک سیکنڈ
ضائع کئے بغیر فائرمین کام شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ پائپ کھولتے ہیں اور اسے پانی
سے فٹ کر کے آگ بجھانا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ آدمیوں کی جان بچانے کا
کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا کام آسان نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کی جان بچانے
کے لئے شعلوں سے گھری ہوئی عمارتوں میں جاتے ہیں اور اس کام میں کبھی کبھی اپنی
جان قربان کر دیتے ہیں۔ انھیں خطرناک بلندیوں پر چڑھنا پڑتا ہے۔ اکثر انھیں صرف
ایک رسّی کی مدد سے اور کبھی کبھی بغیر کسی مدد کے اترنا پڑتا ہے۔ فائرمین جبتک آگ
پر پورا قابو نہیں پالیتے اور خطرے میں گھرے ہوئے تمام لوگوں کی جان نہیں بچا لیتے،
اسوقت تک اپنی شاندار جنگ جاری رکھتے ہیں۔ جب وہ کسی مہم سے لوٹتے ہیں
تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انھیں اپنے یا اپنے ساتھیوں کے زخموں کی دیکھ بھال کرنی
پڑتی ہے کبھی کبھی کوئی سورما اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔

فائرمین کی تنخواہ زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن انھیں اپنے کام میں جو لطف اور
آسودگی ملتی ہے وہ انکا بہترین انعام ہے۔ وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر ہماری
حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا فرض ہے کہ ہم انکی عزت کریں اور انسانیت کے ایک بے مروت
دشمن سے جنگ کرنے کیلئے انکی بہادرانہ کوششوں میں انکا ہاتھ بٹائیں ●
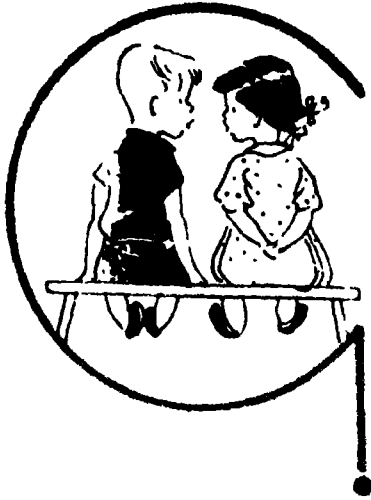
کیا آپ جانتے ہیں

چلتی گاڑی سے اُترنے کے بعد دوڑنا کیوں ضروری ہے؟

تم جانتے ہو کہ جب کوئی آدمی چلتی گاڑی سے اترتا ہے تو اسے ناک کے بل گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گاڑی سے اترتے وقت انسان کا جسم ہلتا ہوتا ہے۔ لیکن جب پیر پلیٹ فارم پر ٹک جاتے ہیں تو ان کی حرکت رک جاتی ہے۔ چونکہ بقیہ جسم ہلتا رہتا ہے اور پیر رک جاتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ اترتے ہی فوراً دوڑنا نہ شروع کرے تو وہ منہ کے بل گرے گا۔ دوڑنے سے بقیہ جسم کے ساتھ پیر بھی آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

بعض مرد نقاب پہنتے ہیں؟

افریقہ کے صحرائے اعظم کے وسط میں توارگ قبیلے کے مرد نقاب پہنتے ہیں اور ان کی عورتیں بے نقاب رہتی ہیں۔ یہ لوگ سخت جان اور نڈر سپاہی ہوتے ہیں۔ ان کی نقاب رنگین کپڑے کی ایک ایک انچ چوڑی چھ پٹیوں کو سی کر تیار کی جاتی ہے اور اس طرح پہنی جاتی ہے کہ آنکھوں کے علاوہ چہرے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔

افلاطون کے پاس الارم گھڑی تھی؟

آج سے دو ہزار سال قبل مشہور یونانی فلسفی افلاطون کے پاس ایک الارم گھڑی تھی جسے وہ اپنے شاگردوں کو بلانے کے لئے صبح چار بجے بجایا کرتا تھا۔ اس نے پانی کی ایک گھڑی میں ایک مڑی ہوئی نلکی لگا دی تھی۔ جب پانی نلکی کے اوپری سرے کے برابر آتا تھا تو وہ اچانک اس میں ہو کر نیچے لگے ہوئے ایک دوسرے برتن میں چلا جاتا تھا۔ پانی کا یہ بہاؤ اس قدر تیز ہوتا تھا کہ نلکی کے اندر کی ہوا دب کر ایک دوسری نلکی سے نکلتے ہوئے ایک تیز سیٹی کی آواز پیدا کرتی تھی۔ اس الارم کو وقت سے چھ گھنٹے پہلے لگانا پڑتا تھا۔

سب سے لمبی دُم کس جانور کی ہوتی ہے؟

تیندوے کی نسل سے بلی کی طرح کا ایک جانور ہوتا ہے جسے "کلاؤڈڈ چیتا" کہتے ہیں۔ اس کی دُم اپنے جسم سے بھی لمبی اور تمام جانوروں کی دُم سے زیادہ لمبی اور خوبصورت ہوتی ہے۔ یہ جانور کسی کو نقصان نہیں پہونچاتا۔ اسکا گذارہ گوشت پر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ عام طور پر آبادی کے قریب رہتا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی بچے کو نقصان پہونچایا ہو۔

بعض پتنگے اپنی مادہ کی خوشبو کی طرف کھنچتے ہیں؟

تجربوں سے پتہ چلا ہے کہ پتنگوں میں ایک نسل ایسی ہے جو صرف خوشبو سے اپنی مادہ کا پتہ چلا لیتی ہے خواہ وہ میل بھر سے زیادہ فاصلے پر ہی کیوں نہ ہو جس جگہ یہ پتنگے رہتے تھے وہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ان کی مادائیں لے جائی گئیں۔ جب تک انھیں بند مرتبان میں رکھا گیا اس وقت تک تو نہیں لیکن جیسے ہی مرتبان کھلنے سے انکی خوشبو باہر نکلی درجنوں پتنگے آن دھمکے۔ انسان اگرچہ پھولوں کی خوشبو سونگھ سکتا ہے لیکن پتنگوں کی اس خوشبو کو محسوس نہیں کرسکتا۔

اینڈروکلیز اور شیر

اینڈروکلیز ایک رومن غلام تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے مالک کو ناخوش کر دیا۔ سزا کے خوف اور جان بچانے کی خاطر اس نے بھاگ کر افریقہ کے جنگلوں میں پناہ لی۔ ایک دن وہ کھانے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ اس نے کراہنے کی آواز سنی۔ اینڈروکلیز بہت نرم دل تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا کہ شاید وہ کچھ مدد کر سکے۔ تلاش کرتے کرتے اسکی نظر ایک شیر پر پڑی جو جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھا تھا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹا۔ لیکن پھر اسنے دیکھا کہ شیر تکلیف میں ہے۔ اس کا پنجہ پک رہا تھا۔ پنجے میں کانٹا چبھ گیا تھا اور اب وہ سوج کر بے حد تکلیف دے رہا تھا۔ بیچارہ شیر اپنا بھاری سر ہلا ہلا کر درد سے کراہ رہا تھا۔ خوف کے مارے تھر تھراتا لیکن دل کڑا کر کے اینڈروکلیز شیر کے قریب گیا اور آہستگی سے اس کا پنجہ ہاتھ میں لے کر کانٹا نکال دیا۔ پھر زخم میں سے مواد نکال کر پٹی باندھ دی۔ شیر نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا اور اینڈروکلیز کا ہاتھ چاٹنے لگا۔

جب غلام دوبارہ کھانے کی تلاش میں اٹھ کر چلنے لگا تو شیر بھی تین ٹانگوں سے لنگڑاتا ہوا اسکے پیچھے ہو لیا۔ رات کو وہ ایک ہی جگہ سوئے۔ صبح کو اینڈروکلیز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شیر نے ایک چھوٹا سا خرگوش مار کر اسکے پاس لا رکھا ہے۔ تین مہینے تک اینڈروکلیز اور شیر ایک غار میں اکٹھے رہے۔ شیر دن بھر سویا کرتا اور رات کو شکار مار کر لاتا تھا۔ صبح اٹھ کر اینڈروکلیز اس گوشت کو اپنے کھانے کے لئے تیار کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ شام کے وقت شیر شکار کی تلاش میں نکلا۔ اسکی غیر موجودگی میں چند شکاری آئے اور اینڈروکلیز کو گرفتار کر کے روم واپس لے گئے۔ اور یہاں لا کر اسے قید خانے میں ڈال دیا۔

ایک دن اینڈروکلیز کو پتہ چلا کہ اسے روم کے بڑے تھیٹر میں شیر سے کشتی لڑنی ہوگی اور اس وحشیانہ کھیل کو دیکھنے کے لئے شہنشاہ، درباری اور تماشائیوں کا ایک بڑا ہجوم جمع ہوگا۔ چند روز پہلے افریقہ سے ایک بہت بڑا شیر لایا گیا تھا اور لوگ کہہ رہے تھے تماشہ نہایت عمدہ ہوگا۔

اجڈ سپاہیوں نے اینڈروکلیز کو غار سے باہر نکالا اور دھکا دے کر اکھاڑے کے اندر کر دیا۔ اینڈروکلیز کو معلوم تھا کہ دوسرے دروازے سے ایک خونخوار بھوکا شیر اس پر آ کر جھپٹے گا۔ وہ گھٹنے ٹیک کر زمین پر بیٹھ گیا اور دعا مانگی کہ جلد اس عذاب سے اسکا چھٹکارا ہو جائے۔ چمپئی رنگ کی ایال اور غصے سے ہلتی ہوئی دم کی ایک جھلک کے ساتھ اس نے ایک دل دہلانے والی چنگھاڑ سنی۔ شیر نے منہ پھاڑا۔ اور اینڈروکلیز نے سر بچانے کے لئے ہاتھ اونچے کئے لیکن یہ کیا؟؟ شیر دہاڑتے دہاڑتے بلی کی طرح خرخر کرنے لگا۔ وہ تو اینڈروکلیز کے ہاتھ چاٹ رہا ہے۔ یہ تو اس کا پرانا دوست ہے۔ شیر فاقے سے تھا لیکن اپنے محسن کو دیکھکر وہ سب کچھ بھول گیا۔

شہنشاہ نے حکم دیا کہ شیر کے اس عجیب و غریب رویے کی وجہ معلوم کی جائے۔ جب اس نے پورا قصہ سنا تو اینڈروکلیز اور شیر کو چھوڑ دیا۔ اینڈروکلیز اپنے مہربان دوست کو واپس جنگل میں لے گیا اور آزاد کر دیا۔

بچوں کا بک کلب

اور

آؤ تصویر بنائیں کا انعامی مقابلہ

چودہ سال سے کم عمر کے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے

آج ہی ممبر ہو جاؤ

پیارے بچو!

تھیکرز تمہیں یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ انھوں نے بچوں کے لئے ایک بک کلب قائم کیا ہے۔ اس ملک میں بچوں کی کتابیں چھاپنے والی کمپنیوں میں تھیکرز سب سے پہلی اور سب سے بڑی ہے۔ بچوں کے لئے ان کی چھاپی ہوئی خوبصورت تصویروں والی دلچسپ سیریز اور تانی نوٹس لائبریری کی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں بک چکی ہیں۔ اور اب تو یہ نام گھر گھر عام ہیں۔ تھیکرز نے یہ بک کلب اسلئے قائم کیا ہے کہ ان کی چھاپی ہوئی کتابیں زیادہ سے زیادہ بچوں کے پاس ہو سکیں اور اتنی سستی ہوں کہ بچے اپنے جیب خرچ سے انھیں خرید سکیں۔ ابھی یہ کتابیں انگریزی میں ہیں لیکن اس سلسلے کو ہندوستان کی بڑی بڑی زبانوں میں شروع کرنے کی تیاریاں جاری ہیں

اس کلب کی ممبری کے قاعدے یہ ہیں:-

(۱) ہر لڑکا اور لڑکی چاہے وہ کسی ذات پات کا ہو اسکا ممبر ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ ہو۔

(۲) فیس داخلہ ایک روپیہ اور ماہانہ چندہ چار آنے ہے۔

(۳) ممبر ہونے کے لئے نیچے دیا ہوا فارم داخلہ کاٹ کر اپنے والد یا سرپرست سے بھرا لو۔ یہ فارم ایک روپیہ چار آنے کے ٹکٹوں کے ساتھ تھیکرز کے پاس بھیج دو بہت جلد تمہیں ممبری کا کارڈ مل جائیگا۔

(۴) اس رسالے اور چلڈرنز بک کیٹلاگ (آج ہی خط لکھ کر اسکی ایک کاپی منگا لو) میں وقتاً فوقتاً بچوں کی کتابوں کے سلسلوں کا اعلان ہوتا رہیگا۔ ہر وہ ممبر جو ان میں سے کسی سلسلے کی کم از کم چار کتابیں خریدے گا اسے اسی سلسلے کی پانچویں کتاب مفت دی جائیگی۔

(۵) اس کے علاوہ بچوں کے بک کلب کا ہر ممبر تھیکرز کے چلائے ہوئے مقابلوں میں بغیر فیس داخلہ کے شریک ہو سکے گا۔ ان مقابلوں میں جیتنے والوں کو انعام میں معقول رقمیں یا کتابیں بھیجی جائیں گی۔

اس دفعہ تھیکرز "آؤ تصویر بنائیں — مقابلہ نمبر ۱" کا اعلان کرتے ہیں۔ اس مقابلے کے لئے تھیکرز کے پاس ڈرائنگ کی خوبصورت کتابیں ہیں۔ اس سلسلے کی ہر کتاب میں پھولوں یا تتلیوں یا چڑیوں یا جانوروں کی تصویریں یا خوبصورت ڈیزائن ہیں۔ بچے پنسل یا واٹر کلر سے ان تصویروں میں قدرتی رنگ بھر سکتے ہیں۔ مقابلے میں دو گروپ ہوں گے۔ ایک دس سال کی عمر تک کے بچوں کا اور دوسرا دس سال سے لے کر چودہ سال تک کی عمر کے بچوں کا۔ استاد یا والدین کی تصدیق پر کہ یہ ڈرائنگ خود بچوں کی بنائی ہوئی ہے، پنسل یا واٹر کلر کی بہترین تصویروں پر انعام دیا جائے گا۔ انعامات یہ ہیں:-

پہلے گروپ کے بچے، دس سال کی عمر تک کے

پہلا انعام —— پچیس روپے = دوسرا انعام —— پندرہ روپے = دو تسلی کے انعامات — دس دس روپے کے

دوسرے گروپ کے بچے، دس سال سے چودہ سال کی عمر تک کے

پہلا انعام —— پچیس روپے = دوسرا انعام —— پندرہ روپے = دو تسلی کے انعامات — دس دس روپے کے

انعامات میں روپے یا تمہاری پسند کے مطابق تھیکرز کی چھاپی ہوئی بچوں کی کتابیں دی جائیں گی۔

اس مقابلے میں شریک ہونے کا طریقہ

(۱) پہلے فیس داخلہ اور پہلے مہینے کی فیس ممبری کے لئے ایک روپیہ چار آنے کے ٹکٹ اور فارم داخلہ بھر کے بھیج کر بچوں کے بک کلب کے ممبر ہو جاؤ۔ اسکے بعد تمہیں ہر مہینے ممبری کی فیس چار آنے بھیجنی پڑے گی۔ یہ رقم چاہے ہر مہینے بھیجو چاہے چھ مہینے یا ایک سال کے لئے اکٹھا بھیج دو۔

(۲) ممبر ہونے کے بعد اگر تمہاری عمر دس سال سے کم ہے تو نٹس ڈرا (آؤ تصویر بنائیں) نمبر ۱ اور اگر تمہاری عمر دس اور چودہ کے درمیان ہے تو نٹس ڈرا (آؤ تصویر بنائیں) نمبر ۳ خریدو۔ ہر کتاب کی قیمت ایک روپیہ چودہ آنے ہے اور یہ ہر کتب فروش سے یا براہ راست تھیکرز سے مل سکتی ہے۔

(۳) کتاب کی تصویروں میں سے اپنی پسند کے مطابق کوئی دو چن لو۔ اور ان میں پنسل یا واٹر کلر سے رنگ بھر کر اپنے والد یا ہیڈ ماسٹر سے تصدیق کرا لو کہ یہ رنگ تمہیں نے بھرا ہے۔ تصویروں کے صفحوں کو احتیاط سے پھاڑ کر بذریعہ رجسٹری ہمارے پاس بھیج دو۔ ساتھ ہی اپنا پورا نام اور ممبری کا نمبر بھی لکھ دو۔ لفافے پر "بچوں کا بک کلب" لکھ دو۔

(۴) مقابلے کی تصویریں وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۸ فروری ۱۹۴۶ء ہے اور نتیجے اپریل ۱۹۴۶ء میں شائع کئے جائیں گے۔

(۵) انعامات دینے میں ہمارا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اس سلسلے میں کسی خط و کتابت کی اجازت نہ ہوگی۔

(۶) اگر تمہیں انعام ملگیا تو تم اسے نقد یا بچوں کی کتابوں کی صورت میں منگا سکتے ہو۔

(۷) آئندہ اور بھی مقابلے ہوں گے۔

آج ہی ممبر ہو جاؤ

(یہاں سے کاٹو)

....

فارم ممبری

بچوں کا بک کلب

(روشنائی سے صاف صاف اور خوشخط لکھو)

میں کلب کا ممبر ہونا چاہتا ہوں اور کلب کے قاعدوں پر عمل کروں گا۔ فیس داخلہ اور فیس ممبری کے لئے مبلغ ـــــــ ٹکٹوں کی صورت میں ارسال ہیں۔

(براہ مہربانی مجھے نٹس ڈرا نمبر ـــــــ بھی بھیج دیجئے جس کے لئے مبلغ ایک روپیہ چودہ آنے ارسال ہیں ـــــــ اگر ضرورت نہ ہو تو یہ لائن کاٹ دیجئے)

نام ـــــــ لڑکا یا لڑکی ـــــــ عمر ـــــــ

پتہ ـــــــ تاریخ ـــــــ

[illegible]

ضِدّی ننھا

پہلے سے تم کو روکا تھا — اور باجی نے بھی ٹوکا تھا
ننھے اس بھاری پتّھر سے — مت توڑو اخروٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

جیبوں میں اخروٹ چھپا کر — چپکے چپکے باہر جا کر
بیٹھے تھے تم باغ کے اندر — پیڑ کی لے کر اوٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

زخمی ہے اب ہاتھ تمہارا — بہہ نکلا ہے خون کا دھارا
خوب سزا پائی ہے تم نے — رکھ کر دل میں کھوٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

اب ناحق دیتے ہو دہائی — خود جا کر لے آؤ دوائی
پہن لو اپنی اودی نیکر — اور بسنتی کوٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

رفیق احمد خاں

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

تمہارے خطوں کا شکریہ - مجھے واقعی یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تم لوگوں کو سالنامہ اور اس کا سرورق پسند آیا - تم میں سے چند جو ابھی رسالے کے خریدار بنے ہیں خفیہ پیغام نہیں پڑھ سکتے - وہ اگر پیغام سمجھنا چاہتے ہوں تو ایک لفافہ پر ٹکٹ لگا کر اور اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھ کر مجھے بھیجدیں وہ بھانجے بھانجیاں جو رنگ بھرنے کے شوقین ہیں صفحہ ۱۷ کا اشتہار پڑھیں فقط

تمہاری خالہ
مسرت
بی ۲ ڈبلس 166 دہلی

خفیہ پیغام

پن ثر اقہ میب ثرگب نا بذق وہ بہسذ
پنو بذی گئی جہص یہم قب تیف بم گبئ ؟

تصحیح

نومبر کے نونہال میں صفحہ ۳۵ پر آٹھویں سطر میں پانچ کی بجائے نو چھپ گیا ہے تصحیح فرمالیں۔

(ایڈیٹر)

بتاؤ تو میں کون ہوں؟

میں چار حرف سے مل کر بنی ہوں۔ بہت سے لوگ مجھے استعمال کرتے ہیں۔ اور عقلمند بنتے ہیں۔ اور سنبھال کر رکھتے ہیں۔

۱۔ میرا پہلا حرف اکبر میں ہے —— بابر میں نہیں۔
۲۔ میرا دوسرا حرف تیتر میں ہے —— بٹیر میں نہیں۔
۳۔ میرا تیسرا حرف ماں میں ہے —— لڑکی میں نہیں۔
۴۔ میرا چوتھا حرف نب میں ہے —— دوات میں نہیں۔

جواب، "کتاب"

احمد حسین۔ علیگڈھ

پھلوں کے نام ڈھونڈو

بچو! نیچے لکھے ہوئے ہر فقرے میں کسی پھل کا نام چھپا ہوا ہے۔ تلاش کرو۔

(۱) میرے نانا روئی کا کارخانہ کھولنے کی فکر میں ہیں۔
(۲) ہم نے آج آم نہیں کھائے۔
(۳) اس نے سب سے اچھا کام کیا ہے۔
(۴) ہم نے سب مال ٹاٹا کمپنی سے خریدا تھا۔
(۵) امرود لیپ دونوں بھائی بھائی ہیں۔

سیّد مشکور عظیم۔ انبیٹھہ

[illegible]

پہیلیاں

(۱)

ہری رکابی، کھانے سات —— بے لو لوگو ہاتوں ہات

(۲)

کالے پہاڑ پہ چادر سوکھے —— نہ پوچھو ہم تم سے روٹھے

(۳)

تیر چوبیس اور چار کمان —— بوجھ پہیلی۔ بن شیطان

(۴)

سارے تن پہ پیلے موتی، سر پہ کالے بال —— سر سے لیکر پاؤں تک ہی ایک سنہری شال

(۵)

سفید بوتل ہری ڈاٹ —— کھاؤں تجھکو کاٹ کاٹ

منیرالدین احمد طاہر قادیان

ایک دوکاندار چھت سے گر کر مر گیا لوگ رونے لگے۔ اتنے میں اس کا بھائی بھی آگیا اور بہت رویا۔ اور میت کو دیکھ کر کہنے لگا۔ خدا کا شکر ہے بازو نہیں ٹوٹا۔ ورنہ ساری عمر کے لئے بیکار ہو جاتا۔

باقر علیخاں۔ لدھیانہ

ایک گاؤں میں ایک بھٹیاری رہتی تھی، ایک دفعہ اس گاؤں کے لوگوں سے اس کا جھگڑا ہو گیا اور گاؤں کے لوگوں نے اسے دوسرے گاؤں جانے پر مجبور کر دیا جب بھٹیاری چلنے لگی تو اس نے اپنے مرغ کو بغل میں داب کر کہا:۔ "لو کمبختو! میں تو مرغ کو لئے جاتی ہوں نہ مرغ اذان دے گا اور نہ تمہارے گاؤں میں صبح ہوگی۔

عفت تنویر

عجیب و غریب مچھلیاں

یوں تو سمندر میں لاکھوں قسم کے عجیب و غریب جانور پائے جاتے ہیں۔ لیکن انسان کو ان سب مچھلیوں کے متعلق واقفیت ہے۔ آج میں نونہالوں کو چند عجیب مچھلیوں کا حال سناتا ہوں۔

ناروے کے سمندروں میں جبلی نامی ایک مچھلی پائی جاتی ہے۔ اس کی کھال میں کانٹے کی شکل کا ایک نہایت تیز ہتھیار چھپا ہوتا ہے۔ جس میں زہر بھرا ہوتا ہے۔ اس ہتھیار سے وہ اپنے دشمن کو خطرناک زخم پہنچا سکتی ہے۔ اس مچھلی کے ہلاک کرنے کے لئے ماہی گیروں کو کئی جتن کرنے پڑتے ہیں۔ نیزے مار مار کر اسے زخمی کیا جاتا ہے۔ تب کہیں جا کر اس کی جان نکلتی ہے۔ ایسی مچھلیاں دو فٹ سے لے کر دس فٹ تک لمبی ہوتی ہیں۔ اور اپنے زہریلے ہتھیار کی مدد سے کئی چھوٹی موٹی چیزوں کا آسانی سے شکار کر لیتی ہیں۔ حملہ کرتے وقت یہ اپنے خطرناک کانٹوں کو جو ان کے جسم میں چھپے ہوتے ہیں۔ نہایت تیزی سے باہر نکال لیتی ہیں۔ چند ایک مچھلیوں کی دُمیں سخت زہریلی ہڈیوں کا ایک جال سا بنا ہوتا ہے۔ اگر وہ ان ہڈیوں سے کسی کو زخم پہنچائیں تو وہ زخم مشکل سے اچھا ہوتا ہے۔ بعض مچھلوں کی دم میں بجلی بھری رہتی ہے۔ یہ مچھلیاں اپنے دشمن کو بجلی کے جھٹکے سے ہلاک کرتی ہیں۔ ایکوا ریم کے مشہور چڑیا گھر میں جہاں دنیا کی نہایت عجیب و غریب مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ بجلی کی دم والی مچھلیاں بھی ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ آٹھ فٹ تک لمبی ہوتی ہیں۔ اور اپنی دم سے ۴۰۰ وولٹ کے بجلی کے کرنٹ جتنا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ان کی دم کے دونوں طرف بیٹریاں سی لگی ہوتی ہیں۔ جن سے حملہ کرتے وقت ایک قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے۔ جس کے جھٹکے سے اس کا دشمن بے بس ہو جاتا ہے۔ بعض ریتلی خلیجوں میں ایک ایسی مچھلی پائی جاتی ہے جو اپنے جسم سے ایک نوکدار تیز ہڈی نکال کر دوسرے جانوروں پر حملہ کرتی ہے جس سے ان کی کھال پھٹ جاتی ہے۔ اور اس میں زہر داخل ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اٹلی کے لوگوں نے خنجروں پر زہر لگانے کی ترکیب دریافت کی تھی۔ لیکن مچھلیاں اٹلی کے لوگوں کی اس ایجاد سے لاکھوں برس پہلے اس تجربہ سے واقف تھیں۔ چنانچہ آج بھی ایکوا ریم چڑیا گھر میں پرانے رنگین زہر والے خنجر دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ سب کے سب مچھلیوں کے کانٹوں سے بنے ہیں۔

عبداللہ جان شاہوانی۔ بلوچستان

لطیفے

کسی ظریف نے کسی سے پوچھا کہ "آپکے بال سفید ہو گئے ہیں لیکن ڈاڑھی کالی ہے۔"

انھوں نے جواب دیا: "یہ مجھ سے بیس برس چھوٹی ہے۔"

ایک شخص کسی لوہار کی دوکان پر پنجرا خریدنے گیا۔

دوکاندار پنجرا تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد خریدار نے کہا۔ "بھئی جلدی کرو۔ مجھے گاڑی پکڑنی ہے۔"

دوکاندار: "افسوس میرے پاس اتنا بڑا پنجرا نہ ہوگا۔"

ایم۔ اے۔ جوہر پٹھانکوٹ

رمپل بونا

کسی زمانہ میں ایک پن چکّی والا ایک نہر کے کنارے رہتا تھا۔ اسکی بیٹی ایسی خوبصورت تھی کہ سارے گاؤں میں اسکے برابر کوئی نہ ہوگی۔ وہ سگھڑ، نیک اور گھر کے کام کاج میں بڑی ہوشیار تھی۔ پن چکّی والا اس بیٹی کے بل پر بڑا اتراتا تھا اور ہر وقت اسی کے گُن گاتا رہتا تھا۔ ایک دن وہاں کا بادشاہ گھوڑے پر سوار ادھر آنکلا اور پن چکّی والے سے گپ شپ کرنے کیوا سطے رک گیا۔ پن چکّی والا فوراً اپنی بیٹی کی تعریف کرنے لگا اور بادشاہ کو اپنی باتوں کا یقین دلانے کے لئے بولا کہ وہ بھوسے کو کات کر سونا بنا سکتی ہے۔

بادشاہ ویسے تو کوئی برا آدمی نہ تھا لیکن اس میں ایک بڑا عیب تھا۔ وہ یہ کہ دولت کی اسکو بڑی ہوس تھی۔ سونے کا لفظ سنتے ہی خوشی کے مارے اسکی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا: "کل تم اپنی بیٹی کو ہمارے محل میں لاؤ پھر میں دیکھوں گا کہ تم کہاں تک سچ بولتے ہو۔"

پن چکّی والا بہت ڈرا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسکا پول کھل جائے گا اور بادشاہ اسکو مروا ڈالے گا۔

وہ اپنی بیٹی کو محل لے گیا لیکن اسکو یہ نہیں بتایا کہ کیوں۔ بادشاہ لڑکی کو ایک بہت بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بھوسا بھرا ہوا تھا۔ اس نے چرخے کی طرف اشارہ کرکے کہا: "اب تو سارے دن اور ساری رات خوب محنت کر اور کل سورج نکلنے سے پہلے پہلے اس سارے بھوسے کا سونا بنادے۔ ورنہ تیری خیر نہیں۔"

بادشاہ نے لڑکی کو وہاں چھوڑ کر باہر سے تالا لگا دیا۔ اُسکی سمجھ میں خاک نہ آیا کہ آخر بات کیا ہے۔ وہ سوت اور اون کاتنا تو اچھی طرح جانتی تھی مگر یہ تو اس نے کبھی بھی نہیں سنا تھا کہ بھوسے کو کات کر سونا کیسے بناتے ہیں۔ وہ اس ڈر سے کہ بادشاہ بھوسے کا بھوسا ہی پائے گا تو کیا کہے گا رونے لگی۔ ایک دم ایک عجیب سی شکل کا آدمی جس کی پتلی پتلی چھوٹی چھوٹی ٹانگیں تھیں، ذرا سا بدن اور بہت بڑا سر تھا، کہیں سے وہاں آموجود ہوا اور لڑکی سے اسکی پریشانی کی وجہ پوچھنے لگا۔ جب لڑکی نے حال سُنایا تو اسنے کہا "اگر میں تیری جگہ اسے کات دوں تو تو مجھے کیا دیگی؟"

لڑکی نے کہا: "اپنے گلے کا کنٹھا۔" آدمی نے کنٹھا لیکر کاتنا شروع کردیا۔ وہ گاتا اور سیٹی بجاتا رہا لیکن کام بڑی پھرتی سے کرتا رہا یہاں تک کہ تڑکا ہونے سے پہلے ہی سارا بھوسا چمکدار سونا بن چکا تھا۔ پھر وہ آدمی غائب ہوگیا۔

جب بادشاہ وہاں آیا تو بہت خوش ہوا۔ لیکن تمہیں یاد ہوگا کہ وہ بڑا لالچی تھا۔ اسلئے وہ پن چکّی والے کی لڑکی کو ایک اور بھی بڑے کمرے میں لے گیا۔ اس میں بھی بھوسا بھرا ہوا تھا اور اگلے دن صبح سے پہلے اسے بھی سونا بنانا تھا۔

بیچاری لڑکی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ سارے دن تکلیف دہ بھوسے کے ساتھ کمرے کے اندر بند رہی اور غریب یہی سوچتی رہی کہ بادشاہ آگیا تو کتنا ناراض ہوگا۔ لیکن شام کو وہ بونا پھر نمودار ہوا۔ اب کے لڑکی نے اپنی انگوٹھی دینے کا وعدہ کیا اور بونے نے پھر سارے بھوسے کا سونا بنادیا۔ بادشاہ اتنا سارا سونا دیکھ کر بڑا خوش ہوا لیکن اسکا جی اب بھی نہیں بھرا۔ وہ لڑکی کو ایک تیسرے کمرے میں لے گیا اور بولا "اگر اس تمام بھوسے کا تو نے سونا بنادیا تو میں تجھکو اپنی بیوی بنالوں گا۔" لالچی بادشاہ نے سوچا "لڑکی ہے تو پن چکّی والے کی مگر مجھے ایسی بیوی اور کہاں مل سکتی ہے جو اتنا سونا مجھکو دے سکے۔" کمرے کو تالا لگا کر وہ چل دیا۔ فوراً ہی بونا پھر آموجود ہوا۔ لڑکی نے سسکتے ہوئے کہا: "اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا جو تجھکو دے سکوں۔" بونا بولا: "اچھا میں بھوسا کاتے دیتا ہوں لیکن تو یہ وعدہ کر کہ ملکہ بننے کے بعد اپنا پہلونٹی کا بچہ تو مجکو دے دے گی۔" بیچاری لڑکی کو وعدہ کرنا پڑا اور کر ہی کیا سکتی تھی؟ اسنے یہ بھی سوچا کہ لالچی بادشاہ اس سے بیاہ کرنے ہی کیوں لگا۔ لیکن بادشاہ نے واقعی اس سے بیاہ کرلیا۔ صبح کو جب اس نے وہ تمام سونا دیکھا تو وہ بہت ہی خوش ہوا۔ اس نے تمام امیروں اور ملازموں کو حکم دیا کہ وہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ اس کی شادی کی تیاری کریں۔ کچھ دنوں کے بعد پن چکّی والے کی بیٹی ملکہ بن گئی۔

اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ پھر کیا ہوا تو یہ تمہیں پھر کبھی بتائیں گے۔

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

ہمارے پڑھنے والوں نے نوڈے لیگ میں بہت دلچسپی کا اظہار کیا۔ بہت سے بچے ممبر بن چکے ہیں۔ آؤ تمہارا بھی ان سے تعارف کراؤں۔ یہ ہیں:۔

(۱) سلیمان یوسف زبیری۔ علیگڈھ (۲) لال جیت رائے ڈیرہ دون۔ (۳) محمد صادق۔ سکھر (۴) میر مظہر علی۔ حیدرآباد دکن (۵) لچھمی نرائن بہاولپور (۶) خواجہ محمد شریف۔ پشاور (۷) سعادت علی خیالی۔ سیالکوٹ (۸) جی۔ این گوئل۔ فیروزپور (۹) وجے کمار سوندھی۔ گوجرانوالہ۔ (۱۰) محمد الیاس درہادن۔ جھنگ (۱۱) صفیہ اکبری جمشید پور (۱۲) حسن نشاط انصاری۔ ہزاری باغ۔ (۱۳) علی گوہر۔ بمبئی۔ (۱۴) نثار احمد کانپور (۱۵) اسماعیل محمد۔ بمبئی۔ (۱۶) نثار اللہ کرمانی۔ لکھنؤ۔ (۱۷) محمد یونس احمر۔ کلکتہ۔ (۱۸) سید مبارک علی حسینی۔ بہاولپور۔ (۱۹) شفیق احمد۔ دہلی۔ (۲۰) عبدالستار۔ لاہور۔ (۲۱) ڈورس ہنری۔ مراد آباد۔ (۲۲) خالد دوست محمد۔ گیا۔ (۲۳) شیخ غالب نورانی۔ ملتان۔ (۲۴) محمد ریاض الدین۔ شاہ آباد۔ (۲۵) ابرار احمد زبیری۔ بلند شہر۔ (۲۶) سید اسد اللہ موسوی۔ حیدرآباد۔ (۲۷) صفیہ بیگم بالے صاحب۔ بمبئی۔ (۲۸) خالد امیر بخش۔ لاہور۔ (۲۹) فیاض احمد۔ رائے بریلی۔ (۳۰) شیخ عبدالخالق۔ کیمبل پور (۳۱) عتیق الحسن۔ کلکتہ (۳۲) ضیاء الحسن آروی۔ آرہ۔ (۳۳) چودہری عبدالقادر ربیع۔ (۳۴) عشرت جہاں بیگم۔ لکھنؤ۔ (۳۵) سورج۔ جھنگ۔ (۳۶) محمد انیس اللہ والا۔ دہلی۔

جلد ہی ان ممبروں کو ممبری کے کارڈ ملجائیں گے۔ اور تیار رہو نے پر لیگ کا بلّا بھی فقط

تمہاری خالہ

مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ....

چندہ بھیجنے کی تاریخ .... چندہ ختم ہونے کی تاریخ ....

نام ....

تاریخ مہینہ اور سال پیدائش ....

سرپرست کا نام ________________________

____

پورا پتہ ________________________

____

دستخط ________________

تاریخ ________________

فوّارہ بنائیے

سب سے پہلے ایک شیشی لو۔ اسکا ¾ حصہ صاف پانی سے بھر دو۔ پھر ایک کھوکھلا سرکنڈا یا گیہوں کا ڈنٹھل سوراخ کے ذریعہ کاگ میں سے شیشی میں اتار دو۔ اور شیشی کو ایک بھیگے ہوئے بلاٹنگ کے ٹکڑے پر رکھ دو۔

اسکے بعد ایک اور شیشے کا مرتبان لو اور اسکو آگ پر گرم کر کے شیشی پر اس طرح اوندھا دو کہ مرتبان کا منہ بلاٹنگ پر اچھی طرح جم جائے۔

چند منٹ بعد ڈنٹھل سے پانی فوارے کی طرح نکلنے لگے گا۔

راستہ بتائیے

یہ شخص جو موٹر میں بیٹھا ہوا ہے شہر جانا چاہتا ہے لیکن اسے راستہ نہیں معلوم کیا تم اسے راستہ بتا سکتے ہو؟
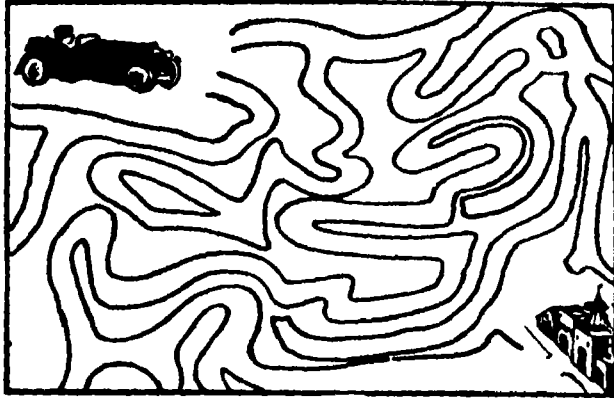
یہ کیا ہے؟

یہ عجیب وغریب جانور چھ جانوروں کے مختلف حصّوں کو ملا کر بنایا گیا ہے کیا آپ انکے نام بتا سکتے ہیں؟

فراگ مین ——— بقیہ صفحہ ۶
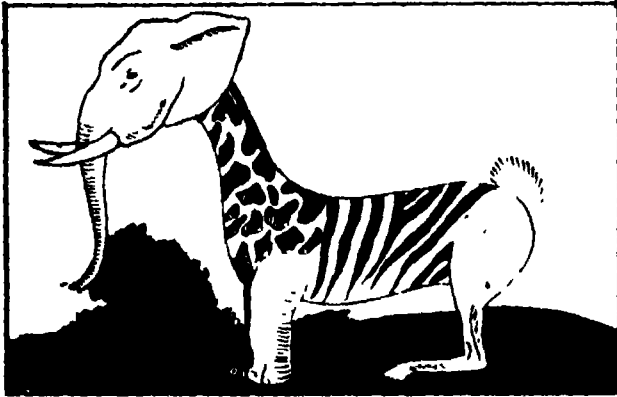
چھوٹی ڈونگیوں میں بھیجا جاتا ہے۔ جب یہ لوگ فولاد کی دیوار کے قریب پہنچتے ہیں تو سب کے سب پانی میں کود پڑتے ہیں اور جو گولہ بارود اپنے ساتھ لے گئے تھے اسے دیوار کے آس پاس رکھ دیتے ہیں جب دھماکا ہوتا ہے تو دس دس فٹ اونچی دیواریں ٹوٹ پھوٹ کر صرف تھوڑی اونچی رہجاتی ہیں۔ اسطرح چھپتے چھپاتے حملہ کرنے والی کشتیاں ساحل تک پہنچ جاتی ہیں۔

اسطرح نازیوں کی "اٹلانٹک دیوار" میں دراڑ اور "ڈی ڈے" کو نارمنڈی کے ساحل پر فوجیں اتاری جاسکیں۔ جرمن جو اپنی قلعہ بندیوں کو سمجھتے تھے کہ یہ ٹوٹ ہی نہیں سکتیں انگشت بدنداں حیران رہ گئے۔

مطبوعہ: مسرت جہاں بیگم تیموری ایم۔ اے پبلشر ادارہ مطبوعات متحدہ پی۔ بی ۱۹۶ دہلی

فروری سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۲

نونہال

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

آنیوالی نسل کیلئے خوراک

اس صفحے کی تصویروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی امریکی بھڑیں اپنی آنیوالی نسل کے لئے خوراک کس طرح جمع کرتی ہیں۔ عام طور پر اس کا شکار ایک بڑی مکڑی ہوتی ہے۔ بھڑ جب مکڑی کو دیکھتی ہے تو اس کے سامنے زمین پر اترتی ہے۔ حالانکہ مکڑی بھی مضبوط اور طاقت ور ہوتی ہے لیکن بھڑ کو دیکھ کر وہ اتنی خوفزدہ
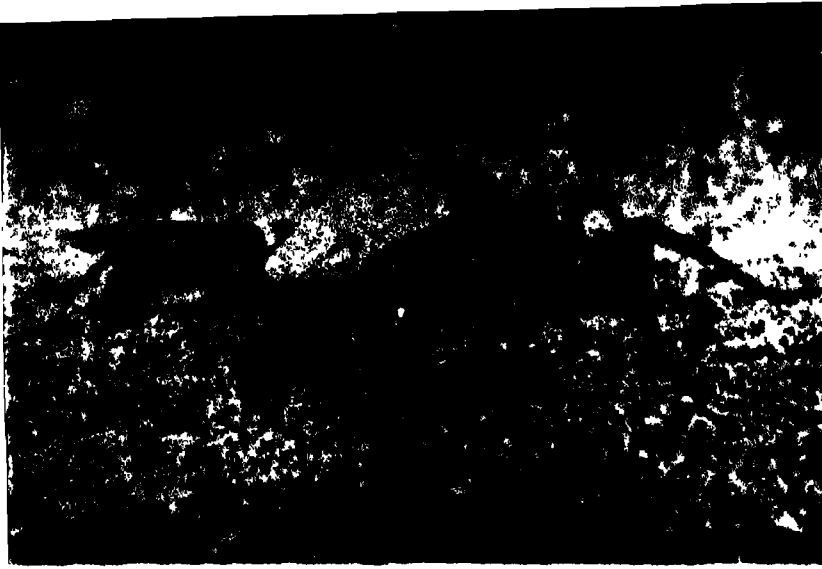
(اوپر) بھڑ اور مکڑی کا مقابلہ۔

ہو جاتی ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے اور پھرتیلی اور تیز بھڑ پہلا وار کر جاتی ہے۔ آن کی آن میں لڑائی ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر کچھ دیر لڑائی بھی ہوئی تو جیت بھڑ ہی کی ہوتی ہے اور وہ مکڑی کے بدن کو بے جان سا کر دیتی ہے۔ اس کے بعد پیچھے کی طرف چلتی ہوئی وہ مکڑی کو خود اسی کے گھر میں لیجاتی ہے جو اب اس کا مقبرہ ہوتا ہے۔ وہاں بھڑ مکڑی کے جسم پر انڈا دیتی ہے اور جب اس میں سے بچہ نکلتا ہے تو وہ اپنی جنگجو ماں کی جمع کی ہوئی خوراک یعنی مکڑی کے بدن پر گزارہ کرتا ہے۔

([illegible] میں) بھڑ ایک ڈنک مار کر لڑائی ختم کر دیتی ہے۔

دس جنوری کو متحدہ اقوام کی اسمبلی کا اجلاس لندن میں شروع ہوا۔ اس میں ۵۱ نمائندوں نے شرکت کی۔ اسمبلی کا مقصد دنیا میں ہمیشہ کے لئے امن و امان قائم کرنا ہے۔ ان کا پہلا کام یہ ہو گا کہ موجودہ جھگڑوں کا فیصلہ کریں۔ پچھلی جنگ عظیم کے بعد بھی ایک بین الاقوامی جماعت بنائی گئی تھی۔ لیکن تمام قوموں نے اسکی دل و جان سے حمایت نہ کی اسلئے وہ انجمن بیٹھ گئی۔ لیکن اس لڑائی نے ہمیں اچھا سبق سکھا دیا ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام قوموں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا اور تجربے نے ثابت کر دیا کہ جنگ کتنی بھیانک چیز ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ امن قائم رکھنے کے لئے یہ نئی کوشش کامیاب ہوگی۔

جاپان میں جنرل میکارتھر نے حکم دیا ہے کہ نئی حکومت میں پچھلی جاپانی فوج گردی حکومت کا کوئی آدمی نہ لیا جائے۔

پچھلے مہینے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ چین کی دو پارٹیوں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔ کئی ہفتے کی بات چیت کے بعد اب انھوں نے لڑائی بند کر دی ہے۔ جنرل چیانگ کائی شیک نے چینی حکومت کی طرف سے جو تجویزیں پیش کی تھیں وہ کمیونسٹ پارٹی نے منظور کر لی ہیں۔ چین کے امریکی سفیر جنرل مارشل ان کے جھگڑے کا فیصلہ کرائیں گے۔

ڈچ ایسٹ انڈیز کے لفٹننٹ گورنر جنرل ڈاکٹر فان موک اپنی حکومت سے انڈونیشیا کے بارے میں بات چیت کرنے ہالینڈ گئے تھے۔ وہاں وہ تقریباً ایک مہینہ رہے۔ جلد ہی وہ جاوا واپس آجائیں گے۔ انھوں نے ابھی تک نئی تجویزوں کا اعلان نہیں کیا۔

برطانوی پارلیمنٹ کے ۱۰ ممبروں کا ایک وفد ۵ جنوری کے دن ہندوستان آیا۔ اس وفد کے لیڈر مسٹر رابرٹ رچرڈز ہیں۔ انھوں نے اپنے ہندوستان آنے کا مقصد صاف طور پر بتا دیا ہے۔ وہ یہاں کے حالات کا ٹھیک طرح سے پتہ لگانے آئے ہیں اسلئے وہ مختلف پارٹیوں کے لیڈروں سے ملاقات کریں گے۔

تین جنوری کے دن ولیم جوئیس کو جو لارڈ ہاہا کے نام سے مشہور تھا غداری کے جرم میں پھانسی دیدی گئی۔ وہ قوم کا انگریز تھا لیکن لڑائی کے دنوں میں جرمن ریڈیو سے انگریزوں کے خلاف تقریریں براڈکاسٹ کیا کرتا تھا۔

ممکن ہے کہ لارڈ ہاہا کا یہ خیال ہو کہ جرمنی نے لڑائی چھیڑ کر برا نہیں کیا۔ پھر بھی اس بنا پر ملک کے خلاف غداری کو جائز نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو بات بری ہو وہ ہمیشہ بری رہتی ہے۔ خواہ وہ اس خیال سے کی جائے کہ اسکا انجام اچھا ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر کام کے کچھ نہ کچھ اثرات ہوتے ہیں۔ چند تو اسی وقت معلوم ہو جاتے ہیں لیکن بعض اثرات کے متعلق کوئی پیشینگوئی نہیں کی جا سکتی۔ ہو سکتا ہے کام کا فوری انجام تو اچھا معلوم ہو لیکن اگر ہم ان تمام نتیجوں کا اندازہ لگا سکیں جو آئندہ جا کر کسی برے کام سے پیدا ہونگے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میں ہمیشہ نقصان رہتا ہے۔

وہی کام کرو جس کے متعلق تمہیں یقین ہو کہ صحیح ہے۔ چاہے لوگ اسے بے وقوفی سمجھیں۔ خدا ہمیشہ حق کا ساتھ دیتا ہے۔

فسانۂ آزاد

تعارف

پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم کا مشہور ناول "فسانۂ آزاد" اردو کی بہترین کتابوں میں گنا جاتا ہے۔ یہ ناول بہت بڑا ہے اور اس میں سیکڑوں قصے ہیں۔ ہم یہاں اس کے چند حصوں کے خلاصے پیش کرتے ہیں۔

میاں آزاد ایک خوبصورت، تندرست، تعلیم یافتہ اور بہادر ہندوستانی نوجوان تھے۔ ان میں ایک ہیرو کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔ گھومتے پھرتے وہ ایک شہر میں پہونچے جہاں ایک دولت مند بیگم صاحبہ اپنی دو حسین اور لائق پوتیوں کے ساتھ رہتی تھیں۔ آزاد دیکھتے ہی ان کی بڑی پوتی حسن آرا بیگم پر عاشق ہو گئے۔ اور شادی کی درخواست کی۔ حسن آرا بیگم اس شرط پر شادی کے لئے تیار ہوئیں کہ میاں آزاد ترکی جائیں اور ترکی کی طرف سے روس کے خلاف لڑیں۔ میاں آزاد راضی ہو گئے۔ اور اس نیک کام کے لئے روانہ ہو گئے۔

میاں آزاد کا جہاز جس کا نام جینی ڈینس تھا، اٹھکھیلیاں کرتا جاتا تھا۔ اتنے میں کپتان نے اطلاع دی کہ طوفان آتا ہے۔ ذرا دیر میں مصیبت سے دوچار ہونا ہے، زندگی سے ہاتھ دھونا ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جان کے لالے پڑے۔ حیرت تھی کہ یا الٰہی جائیں تو کہاں جائیں۔ اس طوفان سے کیونکر نجات پائیں۔ کپتان کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس کے لفٹنٹ بھی سب ستی پٹی بھول گئے۔

ادھر سے اُدھر جاتا تھا۔ جہاز والے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، جان و مال کو رو بیٹھے۔ سمندر کی ڈراؤنی صورت دیکھ کر بدن کانپ اٹھتا تھا۔

کپتان خوب سمجھتا تھا کہ حالت ہر گھڑی نازک ہوتی جاتی ہے۔ طوفان ہے کہ امنڈا چلا آتا ہے۔ موج کے تھپیڑے اس قدر بلند ہوتے تھے کہ کلیجہ بانسوں اچھلتا تھا۔ لیکن اس کی پھرتی اور استقلال سے لوگوں کو کچھ یونہی تشفی و تسلی ہوئی تھی کہ شاید جان بچ نکلے۔ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کے بموجب اہلِ جہاز جناب باری سے دعا مانگتے تھے۔

اب سنئے کہ جس مقام پر جہاز غرق ہوتا تھا اس کے سامنے ایک چھوٹا اور پر فضا ٹاپو تھا۔ جزیرۂ پیرم۔ یہ جزیرہ ساحل یمن سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں ایک نہایت دلکش بندرگاہ ہے۔ دو چار آدمیوں نے اس جزیرہ کو بصد حسرت دیکھ کر کہا کہ ہائے خدا جانے یہ کون ٹاپو ہے۔ آزاد خوب واقف تھے کہ یہ جزیرہ پیرم ہے۔ یہ جزیرہ جہاز والوں کو ترساتا تھا اور سب کے سب دست بدعا تھے کہ یا الٰہی کسی طرح اس ٹاپو تک جہاز خیریت سے پہنچ جائے۔

اتنے میں ہوا نے وہ زور باندھا کہ الاماں، الاماں۔ کپتان نے صرف ایک بادبان تو رہنے دیا باقی اور سب اتارلئے۔ اب جہاز راہِ خدا پر چھوڑ دیا گیا۔ موجوں کی یہ کیفیت کہ آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ جہاز تھپیڑے کھا کر گیند کی طرح اُدھر سے اِدھر آتا تھا، اور

اتنے میں کپتان نے حکم دیا کہ جتنے آدمی جہاز میں ہیں سب عرشے پر آجائیں۔ آزاد حالتِ ناامیدی میں ہاتھ ملتے تھے۔ اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ ان کا دوست اپیلٹن اور اس کی چاہتی بیوی وینشیا بدحواسی کے ساتھ تختے پر کھڑے رو رہے ہیں۔ میاں آزاد کو

دیکھ کر وینشیا نے کہا۔ مسٹر آزاد۔ الاس، الاس (افسوس، افسوس) آزاد بولے "رخصت!"

اتنے میں آزاد کے مسخرے اور افیمی دوست خوجی نظر آئے۔ آتے ہی بولے "بھائی، پیارے، ہائے آزاد۔ خدا گواہ ہے کہ میں اس وقت افیم کے نشے میں نہیں۔ مگر افسوس کہ تمہاری جان جاتی ہے۔ ہائے حسن آرا سمجھیں گی کہ آزاد نے دھوکا دیا۔ اس پردہ نشین بیگم کو کیا معلوم ہوگا کہ جہاز ڈوب گیا اور آزاد کی جان گئی۔ ہائے افسوس، وائے افسوس۔ ارے آزاد۔ ہائے تیری جوانی مفت گئی۔"

ہر جہاز کے ساتھ چند لائف بوٹ رہتے ہیں۔ رسیوں اور زنجیروں سے جکڑے ہوئے۔ اور جہاز کے ڈوبنے کے وقت کام آتے ہیں۔ کپتان نے کہا کہ لائف بوٹ جو اس جہاز کے ساتھ ہیں ان کو بچا کر دو۔ آزاد نے اس کام میں بڑی مدد دی۔

آزاد جری اور دلیر آدمی تھے۔ انتہائی کوشش کی لوگوں کی جان بچ جائے۔ کپتان اور اس کے آدمی اور جہاز والے سب آزاد کے عاشق تھے۔

اب جہاز ڈوبنے ہی کو تھا۔ دس فٹ سے زیادہ پانی جہاز کے ہولڈ میں آگیا تھا۔ اس وقت آزاد کی پھرتی اور ہمدردی اور سچی بہادری کے کام میں خود ان کی جان خطرے میں تھی۔ انھوں نے وینشیا، ایلیٹن اور بہت سے آدمیوں کو جہاز سے لائف بوٹ میں کودنے میں مدد دی۔ کپتان نے جہاز کو اس وقت چھوڑا جب تین بار چکر کھا کر وہ ڈوبنے کو تھا۔ وہ لائف بوٹ میں کودا تو میاں آزاد نے پکار کر کہا کہ کمپاس (قطب نما) اپنے ساتھ لیتے آؤ تا کہ اس کے ذریعہ لائف بوٹ خشکی کی طرف جا سکیں۔ اس نے کمپاس لیا۔ جزیرہ پیرم سامنے نظر آتا تھا مگر فرطِ یاس سے کسی کو امید نہ تھی کہ وہاں تک پہونچ سکیں گے۔

پیرم کے باشندے نہایت حسرت سے دیکھتے تھے کہ ایک جہاز ڈوب رہا ہے۔ ان لوگوں نے جزیرے کے ساحل پر خوب تیز روشنی کی تا کہ جہاز والے سمجھ جائیں کہ زمین قریب ہے۔ سیکڑوں آدمی ساحل پر آن کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک پیر مرد ملاح بھی تھا جس نے دس برس کے سن سے ملاحی کا کام کیا تھا اور اب اس کی عمر پچاس برس کی تھی۔ پچیس روز سے اس نے جہاز رانی چھوڑ دی تھی۔ وہ دوربین لگا کر جہاز کی حالت کو دیکھتا جاتا تھا۔

ادھر جہاز میں خوجی طوفان کو گالیاں دیتے جاتے تھے کہ او کمبخت، او بے ایمان طوفان، او بے رحم، او سنگدل طوفان۔ کب کا بدلہ لیا۔ ہائے اسی سے تو میں پانی کی صورت سے کانپتا تھا۔ اس پانی کو آگ لگے۔ میاں آزاد کو بالکل خیال نہ رہا کہ خوجی بھی ان کے ساتھ ہیں اور لوگوں کو تو لائف بوٹ پر آنے میں مدد دی مگر ان کو بالکل بھول گئے۔

ایک لہر آئی۔ جہاز تہ و بالا ہونے لگا۔ وہ گئی تو دوسری آئی۔ ابھی جہاز سنبھلنے نہ پایا تھا کہ تیسری موج کے تھپیڑوں نے آفت ڈھائی۔ میاں آزاد پھر جہاز پر جانے ہی کو تھے کہ کپتان نے خوجی کو بھی ان کے لائف بوٹ میں پہونچایا۔ آتے ہی انھوں نے غل مچایا کہ ارے یارو افیم کی ڈبیہ تو وہیں رہ گئی۔ آزاد کو دیکھا تو چمٹ گئے "بھائی آزاد جب اتنا بڑا جہاز نہ بچا تو یہ ننھی ننھی کشتیاں بھلا کیونکر بچیں گی؟" آزاد نے کہا خدا مالک ہے۔ جب زور سے آندھی آتی ہے تو تناور درخت بھی پھٹ پڑتے ہیں۔ کبھی کسی نے یہ نہ دیکھا ہوگا کہ آندھی چلنے سے گھانس ٹوٹ گئی ہو؟"

اِدھر تو یہ باتیں ہوتی تھیں۔ اُدھر جہاز کو ایک موج نے اس زور کا تھپیڑا دیا کہ اچھل گیا۔ کپتان لائف بوٹ میں آگیا تھا۔ کل ملا کر کوئی پچاس ساٹھ آدمیوں کو لائف بوٹ میں جگہ ملی تھی۔ جہاز گھومنے لگا۔

جس طرح پھرکی کو بچہ گھماتا ہے۔ اسی طرح موج کے تھپیڑوں سے جہاز نے چکر کھایا۔ جہاز والوں کا حال تباہ ۔ انکی حیرانی، عورتوں کی گریہ وزاری، مردوں کی اشکباری، بچوں کی بیقراری کی انتہا نہ تھی۔ اگر کوئی فوٹو گرافر اس وقت جہاز اور اہل جہاز کا فوٹو اتارتا تو بڑے بڑے سنگدل اس کو دیکھ کر زار زار روتے۔

ملاح پیر مرد ساحل پر کھڑا لائف بوٹوں کا منتظر تھا اور دوربین سے دیکھتا جاتا تھا۔ اتنے میں مخالف ہوا چلی تو دو لائف بوٹوں کا رخ بدل گیا۔ ملاح نے دیکھا کہ ایک لائف بوٹ بھنور میں پڑ گیا اور چکر کھانے لگا۔ یہ بحر ہند کے مختلف مقامات سے خوب واقف تھا۔ اب سنئے کہ جس مقام پر لائف بوٹ تھا وہاں دو تین پہاڑ بھی قریب تھے جن کی چوٹیاں ہمیشہ پانی میں چھپی رہتی تھیں۔ پیر مرد سمجھ گیا کہ اگر ذرا ہوشیاری نہ کی تو کشتی کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جائیں گے۔

جنی ڈینس جہاز چکر کھا کر ڈوب گیا۔

بچوں اور عورتوں اور مردوں کے چیخنے چلانے کی آواز سے لائف بوٹ والوں کے کلیجے ہل گئے۔ ایک بوٹ تو خود بھنور میں تھا۔ باقی دونوں کے بیٹھنے والوں نے پیچھے پھر کر اس سانحے کو دیکھا تو اس قدر روئے کہ الامان۔ جہاز دیکھتے دیکھتے ڈوب گیا۔

جس لائف بوٹ پر ونیشیا اور اپلیٹن تھے وہ مخالف ہوا کے زور سے جزیرۂ پیرم تک پہونچ گیا۔ مگر دو لائف بوٹ ابھی سمندر ہی میں ہیں۔ رات اور بھی تیرہ و تار ہوتی گئی۔ جب طوفان کسی قدر کم ہوا تو یہ دونوں بوٹ بھی جزیرے کی طرف چلے۔ کپتان اسمتھ نے لائف بوٹ پر سے اترتے ہی لوگوں سے پوچھا کہ پال نامی ایک ملاح اس ٹاپو میں کہیں ساحل ہی کے قریب رہتا ہے۔ اس سے میں ملنا چاہتا ہوں۔ ملاح تو وہاں پر کھڑا ہی تھا۔ آگے بڑھا۔ کپتان اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ملاح نے کپتان کی بہادری اور استقلال کی تعریف کی اور پوچھا وہ کون شخص ہے جو دوبار لائف بوٹ سے جہاز پر آیا اور لوگوں کو لے گیا۔ یہ بڑا جری آدمی ہے۔ میں نے ایسے جیوٹ بہادر کم دیکھے ہیں جو اوروں کے لئے اپنی جان پر کھیل جائیں۔ کپتان نے کہا وہ ایک ہندوستانی ہے میاں آزاد۔ بڑا لائق آدمی ہے۔ اس سے مجھے بڑی مدد ملی۔

میاں آزاد اور خوجی ایک لائف بوٹ پر تھے اور ونیشیا اور اپلیٹن دوسرے پر۔ اب دونوں بوٹ ایک دوسرے سے تھوڑے ہی فاصلے پر جانے لگے۔ اتنے میں ایک موج نے یہ ستم ڈھایا کہ اپلیٹن والا بوٹ چکر کھا کر دوسرے رخ بہتا چلا گیا اور یہاں تک تہ و بالا ہونے لگا کہ تین آدمی سمندر میں گر پڑے۔ ان میں اپلیٹن بھی تھے۔ ادھر یہ گرے ادھر ونیشیا نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئی۔ آزاد فوراً بوٹ پر سے کود پڑے اور اپلیٹن کی مدد کو چلے۔ ادھر اپلیٹن کا وفادار "نیو فونڈلینڈ" کتا بھی آقا کے گرتے ہی پانی میں کود پڑا اور سر کے بال دانتوں سے پکڑ کر اپنے آقا کو اس نے ابھارا۔ میاں آزاد بھی تیرتے ہوئے دن سے جا پہونچے۔ ایک تھپکی دیتے ہیں تو اپلیٹن ابھرے۔ بوٹ قریب آیا تو لوگوں نے مدد دے کر اپلیٹن کو کھینچ لیا۔

میاں آزاد کی مدد سے لفٹنٹ اپلیٹن تو بچ گئے مگر لائف بوٹ اس پھرتی سے گئے کہ خود بیچارے میاں آزاد سوار نہ ہو سکے۔ بدرجۂ مجبوری ان کو پیرتے ہوئے جانا پڑا۔ جب لائف بوٹ ساحل کے بالکل قریب پہونچا تب کہیں لوگوں کو میاں آزاد نظر آئے۔ آزاد جزیرے کے رخ ڈوبتے تیرتے جانے لگے۔ کپتان اسمتھ نے جو دوربین کے ذریعے سے دیکھا تو اور بھی حوصلہ بڑھایا اور ہمت دلائی "شاباش آزاد! شاباش، مرحبا، مرحبا! گویا اپنے وقت کے بائرن ہو۔ اور ہلسپانٹ میں تیر رہے ہو۔ آزاد، سب کی آنکھیں تمہاری ہی طرف ہیں"

اور واقعی یہی حال تھا۔ عورت اور مرد اور لائف بوٹ کے بیٹھنے والے سب اس جوانمرد کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے اور دست بدعا تھے کہ یا الٰہی اس جوان کو بچا۔ آزاد جزیرہ پیرم کے ساحل پر آئے اور آتے ہی ملے

(باقی صفحہ ۶ پر)

آگ جلانا

آگ جلانا کتنا مشکل کام ہے اسکا تو آپکو بخوبی تجربہ ہوگا۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ایک دیا سلائی سے آگ جلانے کے لئے لکڑیوں کو خاص ڈھنگ سے لگانا پڑتا ہے لیکن جب ایک مرتبہ کوئلہ یا لکڑیاں آگ پکڑ جائیں تو ان کے بجھنے کا ڈر نہیں رہتا بلکہ جب تک ایندھن رہے جلتی ہوئی آگ بجھانے کے لئے خاصی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ یہ تمام باتیں روزمرہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ اسلئے ہم زیادہ غور نہیں کرتے۔ پھر بھی یہ عجیب بات ہے کہ کوئلے کا ایک ڈھیر جس میں سلگنے والا مادّہ زیادہ ہوتا ہے۔ اتنی اچھی طرح آگ نہیں دیتا جتنا کہ دہی کوئلہ تھوڑی دیر بعد جبکہ وہ تقریباً آدھا جل چکتا ہے۔

اس کی یہ وجہ ہے کہ لکڑی یا کوئلہ خود نہیں جلتے بلکہ ایک مختلف چیز ہے جو آگ پکڑتی ہے وہ چیز ہے ایندھن کی گیس Fuel Gas لکڑی یا کوئلے کو جب گرمی پہنچائی جاتی ہے۔ تو یہ گیس پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم لکڑی یا کوئلے کو جمع کر کے نہ رکھ سکتے۔ آگ جب پیدا ہوتی ہے جب ہوا کی آکسیجن جلنے والے مادے سے ملتی ہے۔ اگر کوئلہ (براہ راست) خود بخود آکسیجن سے مل سکتا تو کوٹھری میں کوئلہ جمع کر کے نہ رکھا جا سکتا کیونکہ وہ خود بخود آکسیجن سے مل کر جلتا رہتا۔ اس لئے آگ جلانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اتنی گرمی پیدا کی جائے کہ ایندھن میں جل اٹھنے والی گیس پیدا ہو جائے۔ اس موقع پر ایندھن کو خاص ڈھنگ سے لگانا کام میں آتا ہے۔ اگر ایک دیا سلائی کوئلے کے ڈھیر میں دکھا دی جائے تو اس کی گرمی کوئلے کے اندر گیس پیدا کرنے کے لئے کافی نہ ہوگی۔ اسلئے پہلے ہم کاغذ یا چھپٹی جلا کر آگ سلگاتے ہیں۔ کاغذ میں گیس صرف ایک دیا سلائی دکھانے سے ہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے گھروں میں آگ سلگانے کے لئے اکثر ایسی چیزیں استعمال کی جاتی ہیں جو جلد بھڑک اٹھیں۔

جب ایک مرتبہ کسی ٹھوس چیز میں آگ لگ جاتی ہے تو اس کے جلنے سے نہ صرف ہمیں گرمی پہنچتی ہے بلکہ وہ گرمی باقی ایندھن میں گیس پیدا کرتی رہتی ہے۔ اور آگ برابر جلتی رہتی ہے اسطرح ایندھن کی گیس نکالنے کے لئے ہمیں باہر سے حرارت پہنچانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ آگ جب ہی بجھے گی جب کوئلہ کی ساری گیس ختم ہو چکے گی۔ آپ خود گیس کا باہر نکلنا اور بھڑکنا دیکھ سکتے ہیں۔ جب کوئلے یا لکڑی کا کوئی ٹکڑا آگ میں ڈالا جائے تو اس میں سے تھوڑی دیر کے بعد یک لخت تقریباً ایک انچ اونچا شعلہ سا نکلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آس پاس کی حرارت سے کوئلے کے اندر کی گیس پھیل کر دباؤ پڑنے سے باہر نکلتی ہے اور جیسے ہی وہ ہوا کی آکسیجن سے ملتی ہے بھڑک اٹھتی ہے۔

+

فسانۂ آزاد ـــــــ بقیہ صفحہ ۵

بقیہ صفحہ ۵

تھکاوٹ کے گر پڑے۔ کپتان اسمتھ اور اپلیٹن اور اس پیرمرد نے آزاد کی پیٹھ ٹھونکی۔ ونیشیا نے میاں آزاد کا شکریہ ادا کیا اور کہا تمام عمر تمہاری مشکور رہوں گی کہ تم نے میرے شوہر کی جان بچائی۔

اسمتھ، میاں آزاد، ونیشیا، اپلیٹن اور خوجی چاروں ملّاح کے مہمان ہوئے۔ اس بیچارے کے پاس اتنا تو نہیں تھا کہ ان لوگوں کی بہت خاطر کرتا مگر جو کچھ حاضر تھا اس میں دریغ نہ کیا۔ کچھ روٹیاں اور تین مرغیوں کا گوشت اور پانچ مچھلیاں، یہ سامان دعوت تھا۔ لیکن جس قدر ذائقہ ان لوگوں کو اس کھانے میں حاصل ہوا عمر بھر نہیں ہوا تھا۔ آزاد نے کہا کہ بس چلے تو اپنے میزبان کو اس جزیرے کا بادشاہ کر دوں۔

کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں۔ اپلیٹن نے خوجی سے کہا۔ "بڑی قیمتی چیزیں کل یہاں والوں کے ہاتھ آئیں گی" خوجی نے کہا۔ "اس میں کیا شک ہے۔ دیکھیں ہماری افیم کی ڈبیہ کس خوش نصیب کے ہاتھ لگتی ہے"

اپلیٹن نے جو یہ فقرہ سنا تو کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ونیشیا سے کہا۔ "ڈیر ونیشیا۔ خوجی کہتے ہیں کہ کل ڈوبی چیزوں میں سے اکثر قیمتی چیزیں جزیرے والوں کے ہاتھ آئیں گی۔ دیکھیں ہماری افیم کی ڈبیا کس خوش قسمت کے ہاتھ لگے" آزاد اور ونیشیا مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ افیم کی ڈبیہ کیا جواہرات کی ڈبیا تھی۔

کدّو میاں تصویر اُتارتے ہیں

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرجدار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ اُلٹا ہے ؛

کدو میاں کو کہیں سے تحفے میں ایک کیمرہ مل گیا۔ انھوں نے اپنے دوست شانٹے کلیر سے کہا۔ آؤ شہر میں کسی اچھی جگہ چل کر تمہاری تصویر اتاریں ؛

بازار کے قریب بیچ چوراہے میں انھوں نے اپنے دوست کو لا کھڑا کیا۔ ڈیوٹی پر جو سپاہی تھا وہ اتفاقاً اس وقت موجود نہ تھا۔ کدّو میاں اپنے دوست کی تصویر خاص انداز میں کھینچنا چاہتے تھے۔ اسلئے وہ شانٹے کلیر کو ہر ہر انداز سے کھڑا کر کے پینترے بدلوا رہے تھے۔ انکی وجہ سے بہت سے موٹر والے رُکے کھڑے تھے۔ انھوں نے بہت ہارن بجائے لیکن کدّو میاں نے کوئی توجہ نہ دی ؛
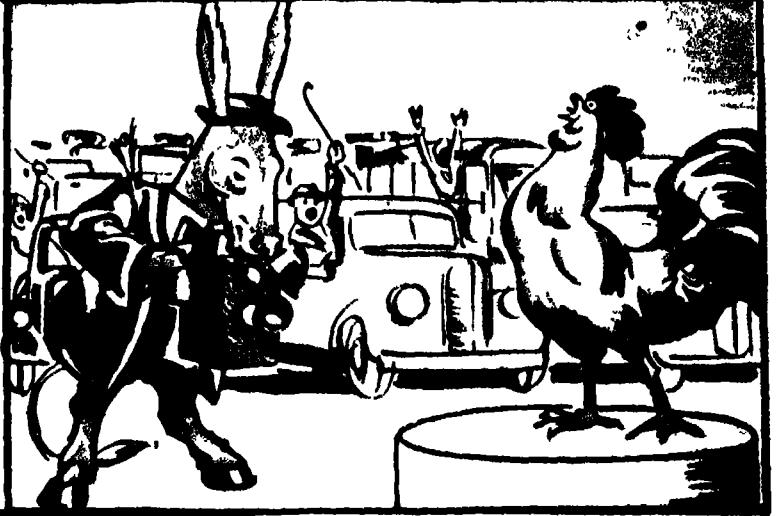
سپاہی دوڑا ہوا آیا۔ شانٹے کلیر چیخ مار کر بھاگے۔ کدّو میاں گھبراہٹ میں ٹھوکر کھا کر اپنے قیمتی کیمرے پر گر پڑے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!
تمہیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ
دن بدن ہماری لیگ کے ممبر بڑھتے جارہے
ہیں نہ صرف بچے بلکہ ان کے والدین بھی
اس سے دلچسپی لے رہے ہیں۔ بعض نے تو
ممبر بننے کی درخواست بھی کی ہے۔ لیگ صرف چودہ سال تک کی عمر
کے بچوں کے لئے ہے مجبوراً مجھے ان کی فیس ممبری واپس کرنی
پڑی۔ ان کی اس دلچسپی کے اظہار کا میں شکریہ ادا کرتی ہوں۔
ممکن ہے ان لوگوں کے لئے بھی ہم کچھ کام نکالیں۔

ممبروں کو چاہئے کہ اپنے مشغلوں وغیرہ کے بارے
میں مجھے لکھیں۔ امید ہے جلد ہی ممبر قلمی دوست بنا سکیں گے۔

چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:-

(۳۷)۔ سلطان علی عباس علی کھنڈوا۔ (۳۸) رشیدہ بیگم سیالکوٹ۔
(۳۹) عبد علی سعدی اکولہ (۴۰) موسیٰ طیتب (۴۱) عبدالجلیل سکندر ٹیل بمبئی۔
(۴۲) ایس۔ اے۔ رضا ملتان (۴۳) بشرہ خاتون قادیان (۴۴) رما متوتی دہلی
(۴۵) سلیل دت دہلی (۴۶) شریش جیا کرالہ آباد (۴۷) ملک شفیق خاں
مالوہ (۴۸) حنیفہ خاتون لدھیانہ (۴۹) حبیب اللہ جالندھر (۵۰) خورشید
احمد خاں ریاست نابھہ (۵۱) سید قمر علی شاہ لدھیانہ (۵۲) حامدہ مبارکہ سندھ
(۵۳) محمد عبدالقیوم انصاری مونگھیر (۵۴) ملک عارف رامپور (۵۵) ششی
کانتا رام چندرا چندنا سک (۵۶) عبدالکریم رسول بھائی نادیاد (۵۷) مریم خالدی
کراچی (۵۸) عبداللہ شریف کراچی (۵۹) سیگل سنگھ ریکچوئی لائلپور (۶۰) نذیر الدین
امرتسر (۶۱) جمیلہ شیریں قدوسیہ مدراس (۶۲) فیروز حسین کیکا بھائی دہرہ دون
(۶۳) خورشید جہاں بیگم کلکتہ (۶۴) رتنہ نیا کا دیا دھانا پالا سیلون (۶۵)
دیویندا ین اونکار بن گجرولہ (۶۶) ملک ریاض آزاد ملتان چھاؤنی (۶۷)
بشیر احمد خاں کولار (۶۸) محمد اسمعیل قریشی علیگڈھ (۶۹) محمد حبیب اللہ چتوڑ
(۷۰) عیسیٰ بھائی عبد علی برہانپور (۷۱) محمد سعید اسلم بھاولنگر (۷۲) ہری چند چمن
(۷۳) نواب زادی سلطانہ دھاروار (۷۴) اشفاق احمد شملہ (۷۵) ایس۔ یا مل الدین.
واسطی۔ کانگڑہ (۷۶) ہرش پتھاس سیالکوٹ (۷۷) مظہر حسین لوہری بمبئی (۷۸)
انیل دلیش پانڈے ٹراونکور (۷۹) حبیبہ خاتون کلکتہ (۸۰) محمد عمر میرٹھ (۸۱) مظفر زیدی
علیگڈھ (۸۲) مشفق الزماں دہلی (۸۳) سندر لعل بھوپال (۸۴) محمد الیاس کلکتہ ؛

خالہ: مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ....
چندہ بھیجنے کی تاریخ .... چندہ ختم ہونے کی تاریخ ....
نام ....
تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ....
سرپرست کا نام ________________
پورا پتہ ________________
____

دستخط ________________
تاریخ ________________

کل کی باتیں
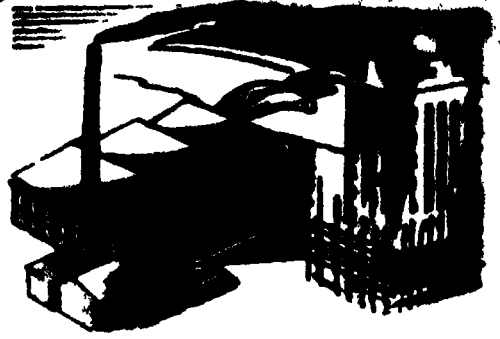
اگر آج سے سو سال پہلے کے بچوں کو ہوائی جہاز کے متعلق کچھ بتایا جاتو وہ شاید اسے پریوں کی کہانی کی باتیں سمجھتے۔ لیکن ہم روزانہ اپنے سروں پر سے ہوائی جہاز گزرتے دیکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ سیر کی غرض سے ہوائی جہازوں میں بیٹھتے ہیں اور بہت سے کام یا لڑنے کے لئے جہازوں میں اسی طرح سفر کرتے ہیں جیسے کہ ٹریوں اور بسوں میں۔ ہوائی جہاز ایجاد ہونے کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ برسوں لوگوں نے تجربے کئے تب کہیں جاکر ہوائی جہاز وجود میں آئے۔ شروع میں تو لوگوں کا خیال تھا کہ کوئی مشین ہوا میں نہیں اڑ سکتی۔ سب سے پہلی چیز جو پرندوں کی طرح اوپر اڑ سکی وہ غبارہ تھا۔ پہلی مرتبہ ۱۷۸۳ء میں غبارہ اڑایا گیا تھا۔ اسکے بعد لوگوں نے کوششیں جاری رکھیں اور ۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء کے دن پہلی مرتبہ انسان ہوا سے بھاری مشین میں بیٹھ کر اڑا۔ یہ خبر سب جگہ پھیل گئی۔ لیکن لوگوں کو یقین نہ آیا۔ ۱۹۰۸ء میں رائٹ برادرز ایک ہوائی جہاز فرانس لے گئے۔ اور ۷۷ میل اڑان کی۔ جوں جوں سال گذرتے گئے جہاز بنانے کے فن میں ترقی ہوتی گئی۔ موجدوں نے نئے نئے ڈیزائنوں کے جہاز تیار کئے۔ ۱۹۰۸ء میں کاؤنٹ زیپلن ایک جرمن افسر نے ایک ہوائی جہاز تیار کیا جو اس کے نام پر زیپلن کہلایا۔ اس قسم کے جہاز جنگ عظیم میں استعمال ہوئے۔ جنگ عظیم کے چھڑتے ہی ہوائی جہازوں کی قدر بڑھ گئی۔ شروع شروع میں جہاز کے اندر ریوالوروں سے مسلح صرف ۲ سپاہی بیٹھ سکتے تھے لیکن رفتہ رفتہ جہاز لڑائی کا ایک تیز رفتار ہتھیار بن گئے۔ لڑائی کے بعد بھی جہازوں کی طرف سے لوگ غافل نہیں ہوئے بلکہ دن بدن جہازوں کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش جاری رہیں۔ بحرالکاہل سے کئی لوگوں نے ہوائی جہاز کے ذریعے اڑان کی۔ یہ فاصلہ تقریباً ۲۰۰۰ میل کا ہے اور بیچ میں کہیں اترنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔ بحرالکاہل کے پار جانے کے لئے راستے مقرر ہوئے اور ہوائی سٹیشن قائم ہوئے۔ اب لوگ تمام یورپ کا سفر جہاز سے کر سکتے تھے۔ ہندوستان، مصر، آسٹریلیا اور امریکہ جانے کے لئے بھی ہوائی راستے کھل گئے۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے ہوائی جہازوں میں اور بھی نئی ترقیاں ہوئیں۔ لڑاکا، بم مار اور تیز اڑنے والے جہاز ایجاد ہوئے۔ ہر مہینے جہازوں میں کوئی نہ کوئی نئی ایجاد ہوتی تھی۔ ہندوستان کے اہم شہروں میں بہت سے ہوائی اڈے بنے۔ جہاں سے ہوائی دستے اڑ کر مشرقی محاذ پر جاتے تھے۔ بہت سے نوجوانوں نے ہوائی بیڑے میں بھرتی ہو کر ٹریننگ حاصل کی، اور بہادری اور ہمت کا ثبوت دیکر داد حاصل کی۔ اب جنگ ختم ہو چکی ہے اور فوجی کاموں کے لئے جو جہاز استعمال ہوتے تھے شہریوں کے کام آ سکتے ہیں۔ ماہروں کا خیال ہے کہ لڑائی نے ہندوستان کو ہوائی آمد و رفت بڑھانے کا سنہری موقع دیا ہے جنگ کے زمانے میں جو ہوائی اڈے اور اسٹیشن بنے تھے وہ برائے نام روپیہ خرچ کر کے ہم استعمال میں لا سکتے ہیں۔ یہ تجویز کی جا رہی ہے کہ پہلے ملک کے اندر ہوائی آمد و رفت کو بڑھایا جائے اور بعد میں دوسرے ملکوں سے سلسلہ قائم ہو۔ ہوائی جہازوں کے ذریعے بہت جلدی مال ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجایا جا سکے گا۔ اس سے تجارت کو بہت فائدہ پہنچے گا اور خوراک کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جائیگا۔ دور دور کے ملکوں سے تازے پھل وغیرہ لائے جا سکیں گے اور الف لیلہ کے ہیرو کی طرح ہمیں کسی ایسے جن کی تلاش نہیں کرنی پڑیگی جو ہمیں اڑنے والی قالین دے سکے۔ ہوائی جہاز یہ سب کام انجام دیں گے ۔

خالد مسرت

★ کل کی باتیں ★

کراچی کی ہوائی بندرگاہ کا رہنما نشان۔

افریقہ میں دریائے کانگو کے پاس ہوائی اسٹیشن۔

سفری ہوائی جہاز کا اندرونی حصہ۔
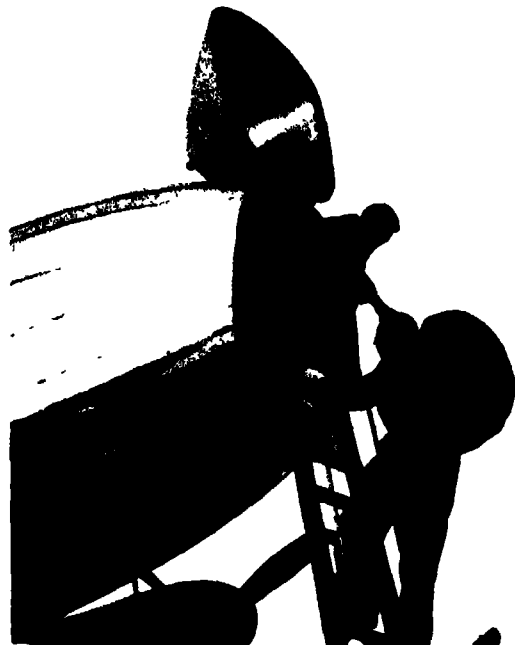
ایک لنکاسٹرین جہاز میں سامان لادا جا رہا ہے۔

کلکتہ میں دریائے ہگلی کے قریب ایک خوبصورت منظر کے پاس جہاز اُترتے ہیں۔
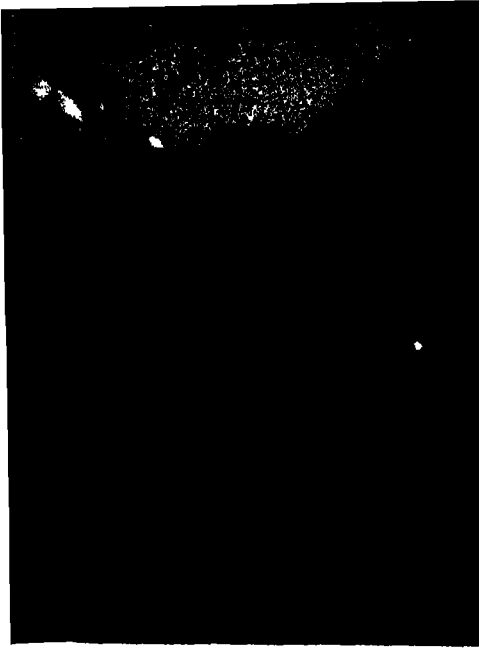
لکھنؤ کا ایک خوبصورت امام باڑا

ہری بھری پہاڑیوں کے درمیان
نینی تال کی جھیل

...کے میلے پر الہ آباد کے ریلوے اسٹیشن کے
...تریوں کا ہجوم

شہر کے پارک میں بچے کھیل رہے ہیں
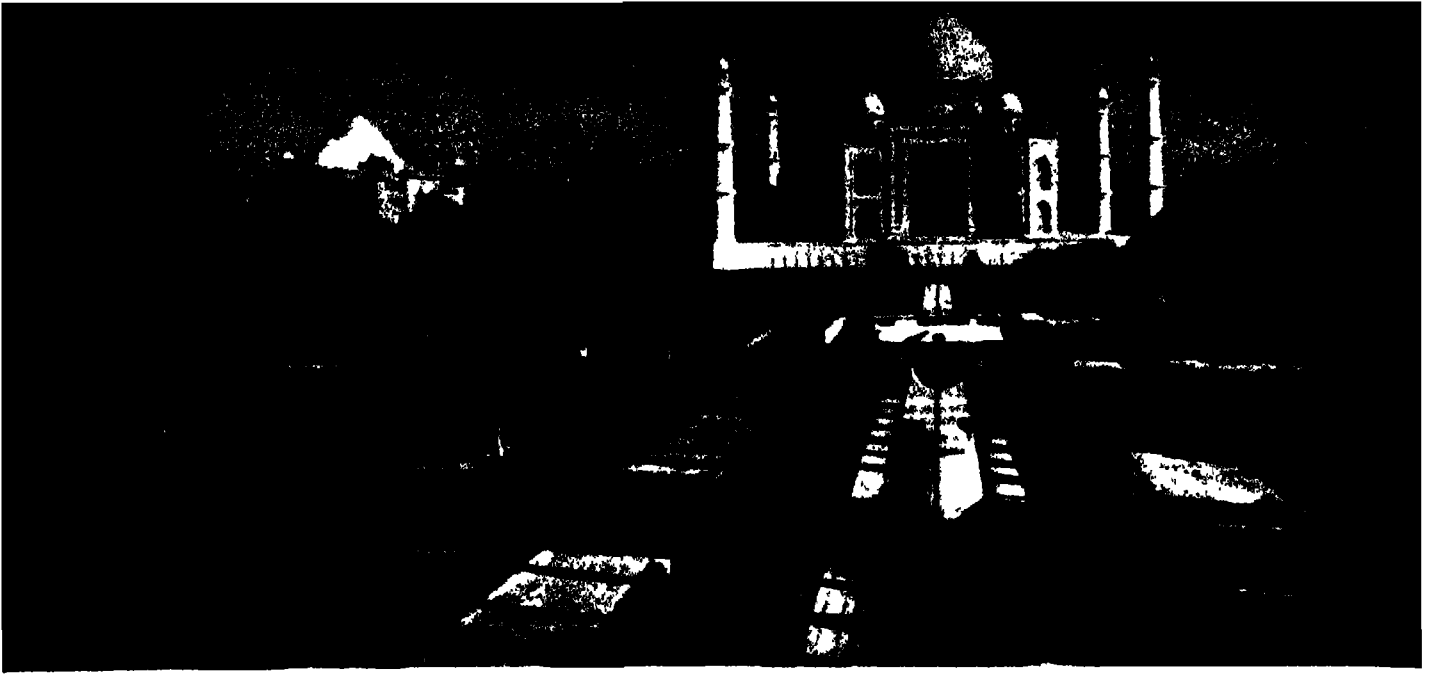
روضۂ تاج محل جسے شاہجہاں نے اپنی چاہیتی بیوی ارجمند بانو کے لئے بنوایا۔

یو۔پی کا علاقہ شمالی ہندوستان کے بیچ میں واقع ہے۔ ہمالیہ کے اونچے پہاڑوں کا علاقہ، ہمالیہ کی ترائی، گنگا کا میدان اور وسطی ہندوستان کے پہاڑی سلسلے کا کچھ حصہ یو،پی میں آتا ہے۔ گنگا کا میدان بہت زرخیز ہے اور یہاں چاول، چنا، باجرہ، السی، گیہوں، جو، گنا، روئی اور دالوں کی فصلیں بہت عمدہ ہوتی ہیں۔ تقریباً ۷۰ فی صدی لوگوں کا گزارہ کھیتی باڑی پر ہے۔ ترائی میں شیر اور دوسرے جنگلی درندے کثرت سے ملتے ہیں۔ یو،پی میں ہمالیہ کے دلکش نظارے بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہاں بہت سے خوبصورت شہر ہیں جنکے نام ہیں:۔ لکھنؤ، بنارس، اور الہ آباد۔ کانپور صنعتی اور تجارتی مرکز ہے یہ چمڑے، اون اور کپڑے کے کارخانوں کے لئے مشہور ہے۔ بہت سی جگہوں مثلاً آگرہ اور فرخ آباد میں قالین بنانے اور کپڑا چھاپنے کا کام ہوتا ہے۔ مراد آباد میں پیتل کے برتن بہت اچھے بنتے ہیں۔ ہندوستان کی بہت سی مشہور عمارتیں یو،پی کے علاقے میں ہیں۔ تاج محل جیسے دیکھنے کے لئے لوگ ہزاروں میل سے کھنچے چلے آتے ہیں یہیں ہے۔

گنگا کے کنارے بنارس کے خوبصورت گھاٹوں کا منظر
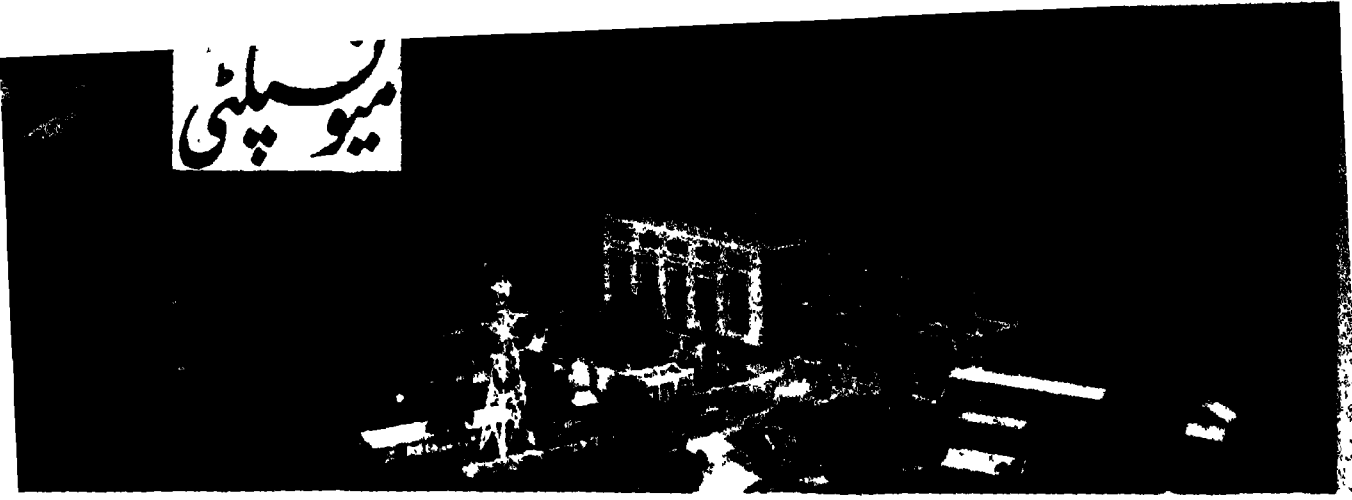
میونسپلٹی

میونسپلٹی ہمارے لئے بجلی مہیا کرتی ہے۔

ہمارے بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔

پینے کے لئے پانی کا انتظام کرتی ہے۔
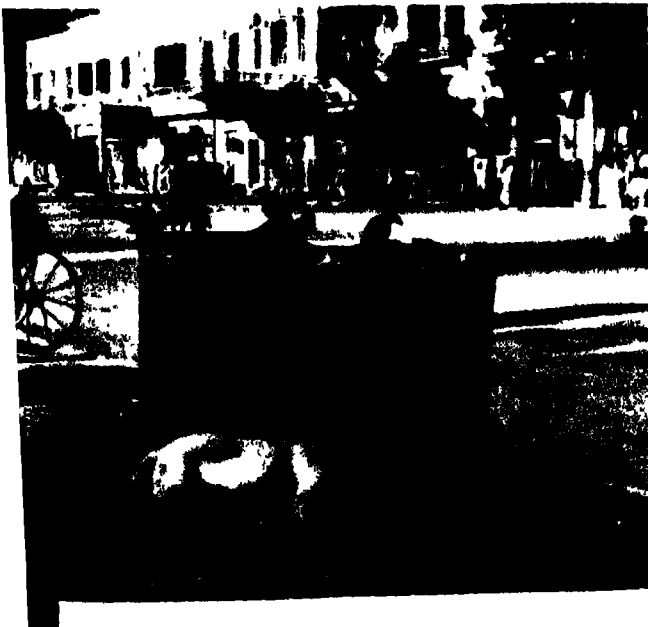
کوڑا کرکٹ صاف کرتی ہے۔

ہماری خدمت کرنے والے

میونسپلٹی

میونسپلٹی اس شہر یا قصبہ کو کہتے ہیں جو اپنا انتظام خود کرے ہر شخص کو اپنے صوبے یا ملک کا قانون ماننا پڑتا ہے۔ لیکن میونسپلٹی اپنی حدود کے اندر اپنے معاملات کا انتظام خود کر سکتی ہے۔ عموماً شہر کو کئی وارڈوں یا علاقوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اور ہر علاقے کے رہنے والے میونسپل کمیٹی کے لئے اپنا نمائندہ چن لیتے ہیں۔ اس کمیٹی کا صدر چیرمین کہلاتا ہے۔ بعض جگہ اسے میئر بھی کہتے ہیں مثلاً مدراس، کلکتہ، بمبئی اور کراچی کی میونسپلٹیوں کا صدر میئر کہلاتا ہے۔ اور یہاں کی میونسپلٹیاں کارپوریشن کہلاتی ہیں۔ میونسپل کمیٹی کا ممبر ہونا بہت ذمّہ داری کا کام ہے۔ انھیں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ سڑکیں اچھی حالت میں ہیں یا نہیں۔ انھیں کے انتظام سے نلوں کے ذریعے صاف پانی شہر میں لایا جاتا ہے تاکہ شہری اپنے گھروں میں یا گھروں کے پاس سے پانی حاصل کر سکیں اور انھیں دُور جا کر پانی لانے کی دِقت نہ اٹھانی پڑے۔ میونسپل کمیٹی ہی بجلی گھر بنواتی ہے تاکہ بازاروں اور مکانوں میں روشنی ہو سکے۔ شہر کی صفائی اور کوڑا کرکٹ اٹھوانے کا کام بھی میونسپل کمیٹی ہی کرتی ہے۔ اس کام کے لئے بھنگی اور صفائی کے داروغہ نوکر رکھے جاتے ہیں۔ تم نے اکثر لاریوں کو سڑک پر رکھے ہوئے ٹینوں میں سے کوڑا جمع کرتے دیکھا ہوگا۔ یہ کوڑا شہر کے باہر لیجا کر یا تو جلا دیا جاتا ہے یا دبا دیا جاتا ہے تاکہ شہر میں رہنے والوں کی صحت پر برا اثر نہ پڑے۔

ہندوستان میں اکثر میونسپلٹیاں، ہسپتال اور اسکول بھی کھولتی ہیں۔ جس میں بہت سے ڈاکٹر نرسیں اور استاد کام کرتے ہیں۔ تم نے دیکھا میونسپلٹی کے ذمے کتنے اہم کام ہیں۔

اگر سب کام ٹھیک طرح ہوں تو شہری تندرست اور تعلیم یافتہ ہوں گے اور اپنے شہر پر ناز کریں گے وہ اپنے شہر کو نئے نئے طریقوں سے زیادہ آرام دہ اور خوب صورت بنا کر دوسرے شہروں کو سبق دے سکتے ہیں۔ اور ہر ممکن کوشش کر کے شہر کو جھگڑوں، بیماریوں اور مصیبتوں سے پاک و صاف رکھ سکتے ہیں۔

ان تمام بڑی اسکیموں یعنی تعلیم، ہسپتال اور سڑکیں بنانے کے لئے روپے کی ضرورت ہے۔ اسلئے میونسپل کمیٹی ٹیکس جمع کرتی ہے۔

پانی، مکانوں، موٹر، گاڑیوں اور سینماؤں پر ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ میونسپل کمیٹی کو ٹیکس جمع کرنے میں بہت سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہئے تاکہ ٹیکس لوگوں پر بار نہ ہو جائیں۔ اور ٹیکسوں سے جمع کئے ہوئے روپے کو بھی بہت ہوشیاری سے خرچ کرنا چاہئے۔ آمدنی اور خرچ کے حساب کی بھی جانچ پڑتال کرنی چاہئے۔ اگر تم ٹاؤن ہال یا میونسپل آفس میں جاؤ تو تمہیں بہت سی الماریاں رسیدوں اور دوسرے کاغذات سے بھری ہوئی ملیں گی۔ اس سے تمہیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ میونسپلٹی شہریوں کے لئے کتنا کام کرتی ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ شہر کی سب ذمّہ داری میونسپلٹی ہی کی ہے۔ ہم چونکہ شہر میں رہتے ہیں اسلئے وہ ہمارا ہے۔ ہمیں پارکوں اور بازاروں میں کوڑا نہیں پھیلانا چاہئے اور نہ سڑکوں پر لگے ہوئے درختوں کو نقصان پہنچانا چاہئے اور جب ہم بڑے ہو کر ووٹ دینے کے قابل ہو جائیں تو صرف ایسے لوگوں کو ممبر چننا چاہئے جو اچھی طرح شہر کا انتظام کر سکیں۔
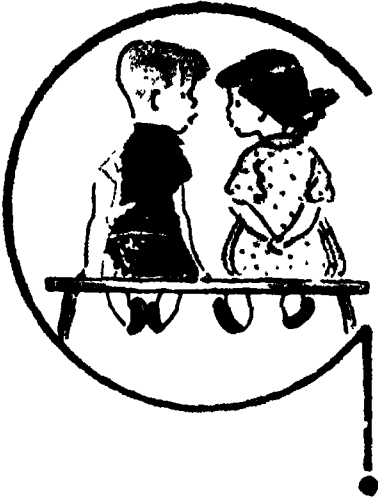
کیا آپ جانتے ہیں

سمندر کا پانی اتنی آسانی سے کیوں نہیں جمتا جتنا کہ جھیل کا

سمندر کے پانی میں جو نمک ہوتا ہے اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ سمندر کے مسلسل حرکت میں رہنے کی وجہ سے پانی دیر میں جمتا ہے۔ کبھی تو سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے کبھی طوفانی ہوائیں چلتی ہیں اور کبھی لہریں اس لئے پانی جمنے نہیں پاتا۔ جو علاقے بہت زیادہ سرد ہیں وہاں سمندر کا پانی بھی جم جاتا ہے۔ برطانیہ کے آس پاس جو سمندر ہے وہاں کبھی برف نہیں جمتی حالانکہ جاڑے میں جھیلوں اور تالابوں میں اکثر لڑکے اور لڑکیاں سکیٹنگ کرتے ہیں۔

سردی لگنے پر بھی ہمارا خون گرم رہتا ہے

سردی اور گرمی جسم کی سطح پر محسوس ہوتی ہیں اگر کھال اپنی حرارت کھو دے تو ہمیں سردی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور اگر کھال کی گرمی دیر میں ضائع ہو تو ہمیں گرمی لگنے لگتی ہے۔ ٹھنڈی جگہ میں ہمیں سردی لگتی ہے لیکن ہمارا خون گرم رہتا ہے کیونکہ اسکا بہت تھوڑا حصہ ہماری کھال تک پہنچتا ہے۔ خون کا بڑا حصہ۔ اندرونی اعضا مثلاً دماغ اور دل کو گرم رکھنے میں صرف ہوتا ہے۔

ہوا پہاڑ کی چوٹیوں پر تیز کیوں چلتی ہے

میدانوں اور وادیوں کی نسبت ہوا پہاڑ کی چوٹیوں پر زیادہ تیز چلتی ہے۔ مسافروں کا بیان ہے کہ زیادہ اونچائی پر پہنچ کر ہوا اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ قدم جمنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اونچائی پر پہنچ کر ہوا کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی لیکن سطح زمین پر اس کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہو کر اسکی تیزی کو ختم کر دیتی ہیں۔

سورج کی روشنی میں پردوں کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے لیکن پھولوں کا نہیں

پردوں کے رنگ کیمیاوی اجزا سے تیار کئے جاتے ہیں۔ سورج کی روشنی میں اس رنگ کو بدلنے کی طاقت ہوتی ہے اسلئے رنگ بدل کر پھیکا پڑ جاتا ہے۔ بعض رنگ پکے ہوتے ہیں یعنی سورج ان پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ پودے جو رنگ استعمال کرتے ہیں وہ پکے ہوتے ہیں اسلئے پھول جب تک تازے رہتے ہیں ان کا رنگ نہیں اڑتا۔

موڑوں پر گاڑی پٹڑی سے کیوں نہیں اترتی

نیوٹن کے پہلے "قانونِ حرکت" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز حرکت میں ہو وہ ایک ہی سمت میں چلتی رہتی ہے جب تک کہ کوئی خاص چیز اس کا رخ تبدیل نہ کرے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موڑوں پر گاڑی کو پٹڑی سے اتر کر سیدھی لائن میں اس وقت تک چلتے رہنا چاہئے جب تک کہ کوئی طاقت اس کا رخ تبدیل نہ کر دے۔ لیکن چونکہ ریل کے پہیوں کی بناوٹ خاص قسم کی ہوتی ہے اور موڑ پر باہر کے رخ جو لائن ہوتی ہے وہ ذرا اونچی ہوتی ہے اسلئے ریل صحیح راستے پر چلتی رہتی ہے ٭
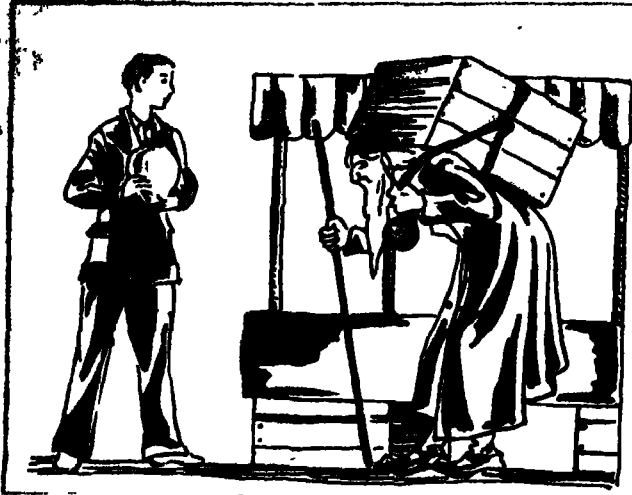
جادو کا مرتبان

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص تھا جسکی ماں بہت نیک تھی۔ نوجوان تندرست اور نہایت عقلمند تھا۔ لیکن قسمت اس پر زیادہ مہربان نہ تھی۔ وہ کام کرنے سے گھبراتا نہ تھا لیکن کبھی کبھار ہی اسے کوئی کام ملتا۔ کھانے کو بھی اسکے پاس زیادہ نہ تھا۔ لیکن اس کی ماں نے اسے یہ سبق دیا تھا کہ اپنی قسمت پر صبر شکر کرو اور دوسروں کا خیال کرو۔ اسکے علاوہ اسے پھولوں سے بہت رغبت تھی۔ یہ عادت اسے ماں سے ورثے میں ملی تھی۔

ایک مرتبہ اتفاق ایسا ہوا کہ برابر کے قصبے میں میلہ لگا۔ اس وقت اسکی جیب بالکل خالی تھی۔ دوسروں کو دیکھ کر اس کا دل بھی میلے میں جانے کو چاہا۔ حالانکہ اس کے پاس خرچ کرنے کے لئے ادھی بھی نہ تھی، لیکن وہ اپنے کوٹ میں ایک زرد پھول لگا کر چل کھڑا ہوا۔

شام کے وقت کچھ لوگ رنگ رلیاں مناتے مناتے آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ان میں سے چند نے ایک بوڑھے یہودی کی دوکان پر ہلّہ بول دیا جو چینی کے برتن بیچ رہا تھا۔ انھوں نے بوڑھے کے بہت سے برتن توڑ ڈالے۔ بیچارا بوڑھا دوکان کے سامنے کھڑا ان کی منت سماجت کر رہا تھا کہ مضبوط نوجوان آپہنچا۔ اسکے کاج میں لگا ہوا زرد پھول ابھی تک تازہ تھا۔ اس نے آکر بوڑھے یہودی کو بچایا۔

جو لوگ یہودی کو ستا رہے تھے وہ سب روانہ ہو گئے۔ جتنے عرصے بوڑھے یہودی نے سامان باندھا نوجوان وہیں ٹھہرا رہا۔ یہودی نوجوان سے مخاطب ہو کر بولا۔ بیٹا جو شخص مصیبت زدوں کی مدد کرتا ہے اور بوڑھوں کی عزت اسے کسی انعام کی حاجت نہیں کیونکہ خدا ہر وقت اسکی مدد کرتا ہے۔ پھر بھی شکریہ کے طور پر میں تمہیں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان مرتبانوں میں سے ایک اپنے لئے چن لو۔ اگر تم نے عقلمندی سے انتخاب کیا تو ممکن ہے یہ تمہارے خیال سے زیادہ کار آمد نکلے۔

اسکے بعد نوجوان نے تمام مرتبانوں کو غور سے دیکھا۔ ان میں سے اکثر پر بہت سی خوبصورت تصویریں اور ڈیزائن بنے ہوئے تھے لیکن نوجوان نے ایک سادہ سا مرتبان اٹھا لیا۔ اس مرتبان پر ایک گلدستہ بنا ہوا تھا اور گلدستے کے چاروں طرف سنہری دائروں کا ایک خوبصورت ڈیزائن۔

یہودی نے کہا کہ بیٹا تمہارے سامنے ایک سے ایک عمدہ مرتبان رکھا ہے تم نے یہ کیوں پسند کیا۔ نوجوان نے جواب دیا کہ مجھے پھولوں کا بہت شوق ہے۔ پھول دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔

یہودی نے کہا کہ جس شخص کی پسند سادہ ہو وہ بہت خوش رہتا ہے۔ یہ میری سب سے زیادہ قیمتی چیز تھی اس مرتبان میں جو جو خوبیاں ہیں وہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ یہ مجھے ایک عقلمند عورت نے اس شرط پر دیا تھا کہ ہر سال میلے کے موقع پر میں اسے بیچنے کے لئے رکھوں۔

یہ بات سنکر میں نے سوچا کہ مرتبان کو کس طرح قبضے میں رکھا جائے۔ میں نے اور بہت سے قیمتی چینی کے مرتبان خریدے اور ان سب پر ایک قیمت ڈال دی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ہر شخص کم قیمت میں زیادہ مال خریدنا چاہتا ہے۔ اسلئے میں نے سوچا کہ سب لوگ قیمتی مرتبانوں کے سامنے اس مرتبان کی طرف دھیان نہ دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اکثر لوگ پھولوں کی خوبصورتی دیکھ کر مجھ سے کہتے تھے کہ میں کچھ کم قیمت پر یہ مرتبان ان کے ہاتھ بیچ دوں۔ بعض دفعہ تو یہ میرے ہاتھ سے جاتا جاتا رہ گیا۔ جب میں اسی قیمت کے زیادہ خوبصورت مرتبان لوگوں کو دکھاتا تو وہ کہتے "یہودی کتنے اس معمولی مرتبان کی تو وہی قیمت مانگ رہا ہے جو اس سے بڑھیا مرتبانوں کی ہے"۔ یا تو وہ مجھے

برا بھلا کہتے ہوئے روانہ ہو جاتیں یا دوسرا مرتبان جس پر نقش و نگار ہوتے خرید لیتے کیونکہ اکثر لوگوں میں لالچ کا مادّہ زیادہ ہوتا ہے اور وہ بجائے مناسب چیز خریدنے کے یہ کوشش کرتے ہیں زیادہ سے چیزیں کم داموں میں آجائیں۔

لیکن اے نوجوان تم میں میں نے خاص دانائی دیکھی ہے۔ تم نے بجائے لالچ کرنے کے وہ چیز لی جو تمہاری نگاہ میں خوبصورت اور مناسب تھی۔ اور جو چیز میں نے ہزاروں سے بچا کر رکھی تھی وہ تمہاری ہو گئی۔

نوجوان نے یہودی سے کہا کہ اگر مرتبان تمہیں اتنا عزیز ہے تو واپس لے لو اور مجھے دوسرا دے دو۔ لیکن یہودی نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ دی ہوئی چیز واپس نہیں لی جاتی۔ اب میں تمہیں اسکی خوبیاں بتاؤں گا۔ اس مرتبان میں ایک مینڈک رہتا ہے جس کا تھوک زہریلا ہے لیکن یہ مینڈک اپنے مالک پر کبھی نہیں تھوکتا۔ ہر روز شام کے وقت تم اسے دودھ اور روٹی کھلانا۔ صبح ہوتے ہی مینڈک اٹھ بیٹھے گا اور خوب زور زور سے سانس لے گا۔ اس کے سانس سے مرتبان گرم ہو جائے گا۔ مرتبان گرم ہوتے ہی پھول کھل اٹھیں گے۔ تم ان میں سے جتنے چاہو توڑ سکتے ہو پھر بھی وہ اُتنے کے اتنے ہی رہیں گے۔ اسکے علاوہ یہ بارہ سنہری دائرے جھڑ کر اشرفیاں بن جائیں گے۔ اور تم ان کے مالک ہو جاؤ گے۔ ہر روز ایسا ہی ہوگا۔ لیکن تمہیں روزانہ صبح سویرے ہی اٹھنا ہوگا۔ تاکہ خود اپنے ہاتھوں سے پھول توڑ کر اشرفیاں جمع کر سکو۔ جب مرتبان ٹھنڈا ہو جائیگا تو پھول اور سنہری کام پھر ویسا ہی ہو جائیگا۔ خدا حافظ۔

اور یہ کہہ کر یہودی نے برتنوں کا صندوق اپنی پیٹھ پر لادا اور ہجوم میں گم ہو گیا۔

جو کچھ یہودی نے کہا تھا سچ نکلا۔ نوجوان کو ہر روز بارہ اشرفیاں ملجاتیں۔ اب اسے کسی بات کی کمی نہ تھی۔ اسکی میز پر بارہ مہینے تازے پھول نظر آتے تھے۔

بعض لوگوں کو ہر ایک کے معاملے میں دخل دینے کی عادت ہوتی ہے۔ پڑوسیوں نے جو دیکھا کہ نوجوان کے ہاں ہمیشہ تازے پھول رکھے رہتے ہیں تو انھیں تشویش پیدا ہوئی کہ پھول کہاں سے آتے ہیں۔ ہوتے ہوتے بادشاہ کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچی۔ اسے بھی پریشانی ہوئی۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی ٹوہ میں رہتا تھا۔ یہ عادت بڑے آدمیوں کو زیب نہیں دیتی۔ لیکن بادشاہ کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہوا تھا جو تخت کا وارث ہوتا۔ اسلئے اسے ہمیشہ شک رہتا تھا کہ کہیں لوگ تخت حاصل کرنے کے لئے میرے خلاف سازش تو نہیں کر رہے۔ اسلئے وہ اپنی رعایا کی ہر بات میں دخل دیتا تھا۔

جب بادشاہ نے سنا کہ نوجوان کے ہاں ہمیشہ تازہ پھول رہتے ہیں تو اس نے ایک افسر کو معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ پھول کہاں سے آتے ہیں لیکن نوجوان نے افسر کو باتوں میں ٹال دیا اور کچھ عرصے کے لئے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

بادشاہ نے ایک اور آدمی بھیجا تاکہ پوری طرح سے معاملہ کا پتہ چلائے۔ نوجوان کو جھوٹ بولنے سے نفرت تھی اسلئے اس نے کہدیا کہ میں پھول چینی کے مرتبان سے حاصل کرتا ہوں۔

آدمی واپس گیا اور اس نے بادشاہ کو بتایا کہ نوجوان کہتا ہے کہ میرے کمرے میں جو مرتبان ہے میں اس سے پھول حاصل کرتا ہوں۔

بادشاہ نے کہا کہ جاؤ جو کچھ اس مرتبان میں ہو لے آؤ۔

خادم گئے اور جا کر مینڈک لے آئے۔ لیکن ہاتھ لگاتے ہی مینڈک نے بادشاہ پر تھوک دیا۔ بادشاہ زہر کے اثر سے مر گیا۔ مینڈک بادشاہ کے منہ پر بیٹھ گیا۔ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اسے وہاں سے ہٹا سکے۔ کئی دانا اور فرزانہ لوگ بلائے گئے۔ انھوں نے مینڈک کو ہٹانے کے لئے بہت سے عمل پڑھے لیکن وہ وہاں سے نہ ہلا۔

تین دن کے بعد مینڈک کا مالک محل میں آیا اور لوگوں کو یہ بتائے بغیر کہ وہ کون ہے اندر جانے کی اجازت مانگی۔ جب وہ بادشاہ کے کمرے میں پہنچا تو اس نے مینڈک سے کہا کہ بادشاہ اور مردہ متبرک چیزیں ہیں لہٰذا تم چلے آؤ۔ مینڈک اتر آیا اور نوجوان نے اسے مرتبان میں رکھ لیا۔

تب داناؤں نے کہا کہ کوئی شخص بادشاہت کے لئے تم سے زیادہ موزوں نہیں۔ لوگ یہ سنکر خوش ہو گئے اور انھوں نے نوجوان کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ تھوڑے عرصے بعد اس نے ایک نہایت حسین اور قابل شہزادی سے شادی کر لی۔ اسکے ہاں کئی بچے ہوئے۔ مرتے دم تک اس نے عقلمندی سے حکومت کی اور ہر دلعزیز رہا۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

جادو کا مرتبان

بقیہ صفحہ ۱۷

بہت عرصے کے بعد جب وہ مرا تو لوگوں کو بہت رنج ہوا۔ اسکی میت کمرے میں رکھ دی گئی اور لوگوں کو اجازت دے دی گئی کہ آخری مرتبہ بادشاہ کا دیدار کرلیں۔

ہجوم میں سے ایک بوڑھا یہودی نکلا۔ اور لوگوں کی طرح وہ رویا نہیں بلکہ آیا اور جنازے کے قریب کھڑا ہوکر خاموشی سے بادشاہ کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کمال ہے! انسان ہوتے ہوئے لالچی نہیں! بادشاہ ہوتے ہوئے ظالم نہیں۔ امیری غریبی ہر حال میں خوش۔ لوگوں کا چہیتا اور ہر دلعزیز" یہ کہکر وہ خاموش ہوگیا اور حیران کھڑا رہا۔

کسی نے اسے داخل ہوتے نہ دیکھا اور نہ ہی کسی نے اسے جاتے دیکھا۔ لیکن جب لوگوں نے مرتبان کی تلاش کی تو کہیں بھی نہ ملا۔

رمپل بونا

بقیہ صفحہ ۲۰

ملکہ کو معلوم ہوگیا کہ یہ وہی بونا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئی کہ اب بچہ اس سے جدا نہ ہوگا۔

ملکہ بہترین کپڑوں سے آراستہ ہوکر تخت پر بونے کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ جب بونا آیا تو وہ اسے خوش کرنے کے لئے غلط سلط نام بتاتی رہی۔ بونے نے کہا یہ میرے نام نہیں بچہ مجھے دے دو۔ ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ شاید تمہارا نام رمپل بونا ہے۔ بونے نے مایوسی سے اپنا پیر زمین پر پٹختے ہوئے کہا کہ آخر تمہیں معلوم ہو ہی گیا۔ پریوں نے تمہیں میرا نام بتادیا ہوگا۔ یہ سب ان کا قصور ہے یہ کہکر وہ روانہ ہوگیا اور اس کے بعد پھر کبھی محل میں نہیں آیا اور بادشاہ اور ملکہ بچے کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگے ✦

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

دسمبر ۱۹۴۵ء میں جو رنگ بھرنے کا انعامی مقابلہ ہوا تھا اس کے لئے بہت سی تصویریں موصول ہوئیں۔ تصویروں میں بہت خوبصورتی سے رنگ بھرا گیا تھا۔ نتیجہ کا اعلان مارچ ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں کیا جائے گا۔ اس مرتبہ لکھنے کا انعامی مقابلہ ہو رہا ہے اگر تمہیں دلچسپی ہو تو آخری صفحہ دیکھو۔

بہت سے بچے چاہتے ہیں کہ ان کے مضمونوں کے لئے رسالے میں زیادہ صفحے وقف کئے جائیں۔ نونہال پڑھنے والے بچے کافی دلچسپ چیزیں ہمیں بھیجتے ہیں، لیکن 'بے ڈے' پڑھنے والوں کے مضمون ایک صفحے ہی کے لئے مشکل سے کافی ہوتے ہیں۔ پھر بھی ہم تمہاری خواہش پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

اب کراس ورڈ معموں کے بارے میں کچھ سنو۔ چند پڑھنے والوں نے کراس ورڈ معمے بنا کر بھیجے ہیں افسوس ہے کہ ہم انھیں شائع نہیں کرسکتے۔ ایسا کرنا مقابلے میں شریک ہونے والوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔ جب کبھی ہم کراس ورڈ معمے چھاپیں گے خود ہی تیار کریں گے تاکہ باہر کے کسی شخص کو بھی اس کا حل نہ معلوم ہو۔ فقط

تمہاری خالہ
عصمت
ل۔ ل ۱۶۶ دہلی۔

خفیہ پیغام

قیب پن مہدی گیل تی نناذ وہ بلنذ مویم پہادہ چبہ ✦

اور اس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
وہ اس وقت بہت کچھ سیکھ رہا ہے لیکن زندگی میں لائف بوائے
صابن کے روزانہ استعمال کی عادت سے زیادہ کوئی چیز کام
نہیں آئے گی۔ اُس کی ماں خوش ہے، اور اُسے
فخر ہے کہ اس نے گرد و غبار کے اس خطرہ کے
متعلق سبق دیا ہے جو ہر جگہ غیر محتاط آدمیوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہے۔
LIFEBUOY
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

رمپل بونا

(۲)

ہم پن چکّی والے کی بیٹی کو بادشاہ سے شادی ہونے کے بعد چھوڑ کر گئے تھے۔ کچھ عرصہ گزرنے پر بادشاہ اور ملکہ کے ہاں ایک بہت پیارا بچہ پیدا ہوا وہ دونوں بہت خوش تھے۔ ملکہ اپنا وہ وعدہ جو اس نے بونے سے کیا تھا بالکل بھول چکی تھی۔

ایک دن وہ محل میں اپنے بچے کے ساتھ ہنس کھیل رہی تھی کہ بونا نمودار ہوا اور کہنے لگا "میں بچّہ لینے آیا ہوں، یہ بچہ میرا ہے۔ تم نے وعدہ کیا تھا" بیچاری ماں بہت پریشان ہوئی اور بونے سے کہا کہ تم بچے کے بدلے میری سلطنت کی ساری دولت لے لو لیکن بونے نے صاف انکار کردیا۔ اور کہا کہ مجھے زندہ چیز کی ضرورت ہے۔ سونا میرے لئے بیکار ہے۔ لیکن ملکہ اس بُری طرح روئی کہ بونا رعایت کرنے پر راضی ہوگیا۔ اس نے کہا اگر تین دن کے اندر اندر تم میرا نام بتادو تو بچہ تم اپنے پاس رکھ سکتی ہو۔

بادشاہ اور ملکہ تمام رات جاگتے رہے۔ جتنے نام بھی ممکن تھے وہ یکے بعد دیگرے لیتے جارہے تھے۔ انھوں نے تمام ملک میں قاصد دوڑادئے کہ کہیں سے کوئی نیا نام تلاش کرکے لائیں۔

دوسرے دن بونا آیا تو ملکہ نے اسے بہت سے نام بتائے "اولڈ" "کورڈ" "کاسپر"۔ لیکن ہر دفعہ بونا ہنس کر کہتا نہیں یہ میرا نام نہیں۔ اب بچہ مجھے دینا پڑے گا۔ ملکہ نے یہ سنا تو بہت پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ بونے نے اسے ایک موقعہ اور دے دیا۔ اور کہا کہ کل پھر آؤنگا۔

دوسرے دن ملکہ بونے کی صورت کے مطابق نام بتانے لگی۔ یہ نام بہت عجیب وغریب تھے بالکل بونے کی طرح۔ "لم ڈڑھیا" "بڑ ٹوپیا" "ٹھنگنو" "ٹکلو" وغیرہ وغیرہ لیکن بونا ہنسا اور کہا نہیں ان میں سے ایک بھی میرا نام نہیں۔ اب تمہیں بچہ دینا پڑے گا۔ ماں ڈر کے مارے کانپنے لگی اور ایک دن کی اور مہلت مانگی۔ نرم دل بونا مان گیا۔ ملکہ اس امید میں تھی کہ شاید کوئی

قاصد دوسرے دن بونے کے آنے سے پہلے نیا نام ڈھونڈ لائیگا۔ لیکن اس رات جو قاصد بھی واپس آیا کوئی نیا نام تجویز نہ کرسکا۔ ملکہ ساری رات نہ سوسکی۔ وہ پریشان تھی کہ کل کیا ہوگا لیکن آخری قاصد واپس آیا اور اس پر جو گزری تھی کہہ سنائی۔ اس نے کہا کہ میں دو دن تک پھرتا رہا لیکن کوئی نیا نام نہ ملا۔ پھر میں پہاڑ کی ڈھلان پر ایک بڑے جنگل میں پہنچا۔ یہاں جانور اس قدر میل ملاپ سے رہتے ہیں کہ لومڑیاں اور خرگوش سونے سے پہلے ایک دوسرے کو پیار کرتے ہیں۔ اس جنگل میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جس کے سامنے آگ جل رہی تھی۔ اور اس کے چاروں طرف ایک عجیب آدمی ناچ ناچ کر یہ گا رہا تھا۔

آج میں پیونگا کل میں کھاؤنگا
پرسوں میں ملکہ کا بچہ لے آؤنگا
ملکہ کو اوہو پتہ نہیں ہے
نام ہے میرا رمپل بونا

آہا۔ ملکہ نے کہا۔ کیا اس کی پتلی پتلی ٹانگیں اور سر پر نوکدار ٹوپی تھی۔ قاصد نے کہا ہاں۔ اس کی ناک اور ڈاڑھی بھی بہت لمبی تھی۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

لکھنے کا انعامی مقابلہ

نیچے ایک ادھوری کہانی درج کی جا رہی ہے۔ وہ بچے جو مقابلہ میں شرکت کرنا چاہیں کہانی پوری کر کے مجھے ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء تک بھیج دیں۔ کہانی اسی طریقے پر لکھی جائے جو انھیں سب سے دلچسپ معلوم ہو۔ پوری کہانی میں ۵۰۰ سے زیادہ الفاظ نہ ہوں۔ پہلا اور دوسرا انعام حاصل کرنیوالوں کو کتابیں دی جائیں گی۔

چاند کی بڑھیا

آج چاند میں رہنے والی بڑھیا کا مزاج بہت گرم ہو رہا تھا۔ بڑھیا بادلوں کی دنیا میں سب سے زیادہ خوش مزاج مشہور تھی کیونکہ وہ ہمیشہ خوشی سے کھلی رہتی تھی۔ لیکن آج اسے اتنا غصہ آرہا تھا کہ ہر شخص ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔

ننھے ستارے آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے کہ کیا کیا جائے وہ حیران تھے کہ بڑھیا کے غصے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ گھنٹوں سے اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی تھی اور نہ ہی اس نے ستاروں کو بتایا تھا کہ اس رات وہ کس طرح جگمگائیں۔ کسی ستارے کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ بڑھیا سے بات کرے۔

"چپکے ہو رہو" آج ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ ایک ستارے نے کہا۔ "آج تک بڑھیا کو اس حالت میں نہیں دیکھا گیا"۔

در اصل بات یہ تھی کہ بڑھیا کی عینک کھو گئی تھی۔ یہ کوئی ایسی ویسی چیز نہ تھی۔ بڑھیا کے لئے اسکا ہونا بہت ضروری تھا۔ اس کے کھونے پر اسے غصہ کیوں نہ آتا۔ بغیر اسکے چاند کی بڑھیا کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اگر اسکے پاس وہ عینک نہ ہوتی تو زمین پر بسنے والوں میں سے کوئی اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ اس کی عینک کی روشنی ہی تو تھی جو دنیا میں چاروں طرف پھیلتی تھی۔ اس کے بغیر دنیا میں راتیں اندھیری نہ ہو جاتیں!۔

"کچھ بھی ہو۔ سورج غروب ہونے سے پہلے میری عینک مل جانی

چاہئے۔ ورنہ بیچارے زمین پر بسنے والے کیا کریں گے۔ میں انھیں رستہ دکھاتی ہوں لیکن بغیر عینک کے یہ کیسے ہوگا۔ میری عینک کہاں ہے؟" وہ چیخی۔

"ننھے ستاروں نے جب اس کی آواز سنی تو وہ تھرا اٹھے۔ بادلوں کے دیس میں اداسی چھا گئی۔ ہر شخص عینک ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ چاند کی بڑھیا چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ نکمے لوگو! جلدی کرو۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے! اف! میں نے عینک اتاری ہی کیوں تھی۔ جو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

ننھے ننھے سفید بادل ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ بوندیاں الگ پریشان تھیں، ستارے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے لیکن کوئی بھی بڑھیا کی عینک کا پتہ نہ چلا سکا۔

اب میں کیا کروں، بڑھیا نے کراہتے ہوئے کہا۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔ نیچے والوں کا کیا حال ہوگا۔

آسمان کے سب سے ننھے ستارے نے جھک کر چاند کی بڑھیا سے کہا۔ میں تمہاری عینک کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ بڑھیا نے غصے سے کہا۔ کیا بکتے ہو جب بادلوں کے دیس میں کوئی بھی اسکا سراغ نہ لگا سکا تو تم جیسا بیوقوف ستارا کیونکر اسے ڈھونڈ کر لا سکتا ہے۔

ستارے نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ گو کہ میں بہت چھوٹا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ تمہاری عینک کہاں ہے ؟

سامان:۔ مضبوط دوسوتی یا ٹاٹ ۹ انچ لمبا اور ۱۲ انچ چوڑا۔ رنگین اون۔ اور موٹے ناکے کی سوئی۔

ٹاٹ یا دوسوتی کی چوڑائی میں سے ۳ انچ چوڑی دو پٹیاں اتار لیجئے۔ اور دونوں سروں پر آدھ آدھ انچ موڑ کر ترپائی کیجئے۔ پھر پٹیوں کو دوہرا کیجئے اور سرے اندر موڑ کر سی لیجئے۔ باقی بچے ہوئے ٹاٹ کو بھی دونوں طرف سے سیدھے رُخ ایک ایک انچ موڑ کر رنگین اون سے سی ڈالئے۔ پھر ٹاٹ کو سیدھا پھیلا کر رنگین اون سے جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے کراس سٹچ کی ایک لائن کاڑھیئے پھر اس لائن کے دونوں طرف کسی دوسرے رنگ کے اون سے ایک ایک لائن کاڑھیئے۔ اب تھیلے کے دونوں سروں کو جوڑ کر سی لیجئے۔ سروں پر اس رنگ کے اون سے دوہری سلائی کرنی چاہئے جو کاڑھنے میں استعمال کیا ہے۔

اب دونوں پٹیوں کو مضبوطی سے تھیلے کے منہ پر ٹانک دیجئے جیسا کہ تصویر میں دکھایا ہے۔

تھیلا تیار ہے۔ اسے آپ اپنی والدہ کو دے سکتے ہیں

پچھلے مہینے کے معمے "یہ کیا ہے" کا حل:۔

تصویر ہاتھی کے سر۔ زرافہ کی گردن۔ گینڈے کی اگلی ٹانگوں۔ زیبرا کے جسم۔ کنگرو کی پچھلی ٹانگوں اور خرگوش کی دم ملا کر بنائی گئی ہے۔

مدیرہ۔ مسرت جہاں بیگم تیموری۔ ایم۔ اے۔ پبلشر ادارۂ مطبوعات متحدہ۔ پی۔ بی ۱۲۶ دہلی

جادو کا مربع

تم اپنے دوستوں کو یہ کرتب دکھا کر حیران کر سکتے ہو۔ پہلے اپنے کسی دوست سے کہو کہ اس مربع میں دیا ہوا کوئی نمبر اپنے دل میں سوچ لے۔ لیکن تمہیں نہ بتائے کہ اس نے کونسا نمبر سوچا ہے۔ پھر تم اس سے کہو کہ تم اپنی انگلی نمبروں پر رکھو گے اور جیسے جیسے تم انگلی نمبروں پر رکھو وہ دل میں گنتا جائے۔ جو نمبر اس نے سوچا ہے اس سے اگلے نمبر سے گننا شروع کرے۔ فرض کرو اس نے ۸ نمبر سوچا ہے تو اسکو ۹ سے گنتی شروع کرنی چاہئے۔ جب وہ ۲۵ تک پہنچ جائے تو پہلی مرتبہ زور سے "ٹھیرو" کہے۔ اور عجیب بات یہ ہوگی کہ جب وہ ٹھیرو کہے گا تو تمہاری انگلی اسی نمبر پر ہوگی جو اس نے دل میں سوچا تھا۔ تمہارے دوست کو چاہئے کہ جتنی مرتبہ تم نمبروں پر انگلی رکھو وہ نہایت ہوشیاری سے گنتا جائے۔

تمہیں صرف یہ کرنا پڑے گا کہ شروع میں آٹھ دفعہ تم کسی بھی نمبر پر انگلی رکھ سکتے ہو۔ لیکن نویں مرتبہ ۱۶ پر رکھو اور دسویں مرتبہ ۵ اپر اور گیارہویں مرتبہ ۴ پر اور اسی طرح الٹا گن کر انگلی رکھتے جاؤ یہاں تک کہ تمہارا دوست ٹھیرو کہے۔ بس یہی وہ نمبر ہوگا جو تمہارے دوست نے سوچا تھا۔

وائرلیس کا ڈبہ

ایک لڑکا وائرلیس کے لئے ڈبہ بنا رہا تھا اسے ایک چوکور لکڑی کے ٹکڑے کی ضرورت ہوئی لیکن اس کے پاس تمام سامان ختم ہو چکا تھا اسے صرف ایک ایسا تختہ نظر آیا جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ یہ ٹکڑا اس ٹکڑے سے جسکی اسے ضرورت تھی چار گنا بڑا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس میں جگہ جگہ چھید تھے۔ بتاؤ لڑکا اپنی ضرورت کے مطابق اس تختے میں سے کس طرح سے لکڑی کاٹے کہ کوئی سوراخ اس میں نہ آنے پائے۔ (جواب اگلے مہینے)

غلطیاں بتایئے

اس تصویر میں چند غلطیاں ہیں کیا آپ بتا سکتے ہیں وہ کونسی ہیں۔

نونہال

مارچ سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۵

چندہ سالانہ
قیمت فی پرچہ

آسٹریلیا کی حیوانی زندگی
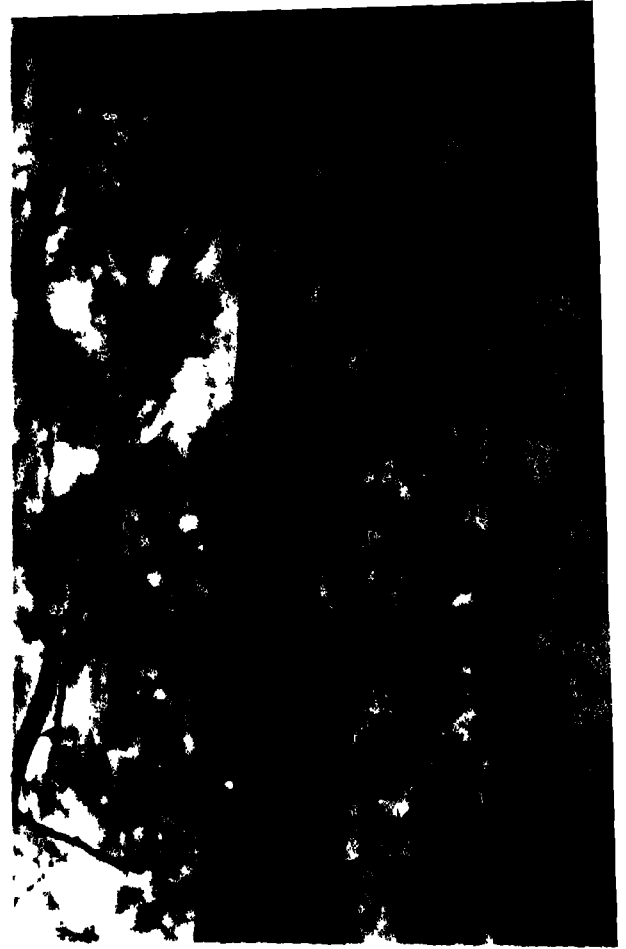
آسٹریلیا کا یہ ننھا سا ریچھ پیڑوں پر رہتا ہے اور کوالا کہلاتا ہے۔ یہ بہت سیدھا اور نیک جانور ہے اور ہر شخص اسے پال سکتا ہے۔ اس کی کھال بھورے رنگ کی اور ملائم ہوتی ہے اور اس کی ناک عجیب اور چپٹی سی ہوتی ہے ؛

کنگرو کی مادہ۔ یہ بچے کو اپنے پیٹ کے نیچے ایک [illegible]
رکھتی ہے۔ کنگرو کے اگلے پیر بہت چھوٹے ہوتے ہیں
پچھلے پیر اور دم بہت مضبوط اور لانبی ہوتی ہے ؛

آسٹریلیا کی اس چڑیا کی دم چونکہ بربط کی طرح ہوتی ہے
اس کا نام بھی بربط پڑ گیا ہے۔ اسے دوسری چڑیوں کا
آرے کی گھرگھراہٹ، کتے کا بھونکنا اور موٹر کی پوپا

پچھلے مہینے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ڈچ ایسٹ انڈیز کے لفٹنٹ گورنر جنرل ڈاکٹر فان موک انڈونیشیا کے بارے میں اپنی حکومت کی آئندہ پالیسی معلوم کرنے ہالینڈ گئے تھے۔ اب ہالینڈ کے وزیر نے اعلان کیا ہے کہ "جاوا کے دارالخلافہ بٹاویا میں بات چیت شروع کی جائیگی تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ کیونکہ جاوا اور ڈچ ایسٹ انڈیز کی انڈونیشی اور ڈچ قوموں میں قریبی تعلق ہے اسلئے ڈچ قوم کو بالکل نکال دینے سے ملک کی خوشحالی کو نقصان پہنچے گا۔ اسلئے ہالینڈ آسانی سے انڈونیشیا کی ذمہ داری سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔" نئی تجویز کا لب لباب یہ ہے، اندرونی معاملات میں انڈونیشیا کو کافی حد تک آزادی دے دی جائے۔ ایک عارضی حکومت قائم کی جائے جو ملک کی تجارت اور زراعتی حالت کو سدھارے۔ اسکے بعد انڈونیشیا والوں کو ہالینڈ کے ساتھ اپنے تعلقات ختم کر دینے کا اختیار ہوگا۔

اب ایک خبر سنئے جس پر سب ہندوستانیوں کو دھیان دینا ضروری ہے۔

ہز ایکسلنسی وائسرائے نے ۱۶ر فروری کو ایک تقریر براڈکاسٹ کی جس میں انھوں نے بتایا کہ ہندوستان میں اناج کی بہت کمی ہے، اسلئے اناج کا راشن ایک پونڈ سے گھٹا کر بارہ اونس کر دیا گیا ہے۔ محنت مزدوری کرنے والوں کو چار اونس فالتو اناج ملیگا۔ انھوں نے کہا کہ اناج کی کمی کا زیادہ اثر غریبوں پر پڑے گا۔ جن علاقوں میں اناج کافی پیدا ہوا ہے انھیں چاہئے کہ قحط زدہ علاقے والوں کی مدد کریں اور اپنے اناج کا کچھ حصہ بچا کر انھیں بھیجیں۔ سب سے بڑا خطرہ لالچی اور خودغرض لوگوں سے ہے۔ وہ لوگ گیہوں اور چاول چھپا رکھیں گے اور مہنگے داموں ضرورت مند لوگوں کے ہاتھ بیچیں گے۔ لارڈ ویول نے کہا کہ ہم کو ترکاریاں آلو گوبھی وغیرہ زیادہ سے زیادہ اگانا چاہئے، اور کیک اور بسکٹوں کے استعمال میں کفایت برتنی چاہئے۔ تاکہ غریبوں کو اناج مل سکے اور وہ بھوکے نہ مریں۔

مانچوریا میں چین کی حکومت اور کمیونسٹوں کے درمیان پھر لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ ملک کے باقی حصے میں ابھی تک امن ہے۔

موسیو قوام السلطنت ایک وفد لیکر ماسکو جانے والے ہیں تاکہ روس کے ساتھ معاملات سلجھائے جا سکیں۔ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ وہاں جا کر کن معاملوں پر بحث ہوگی۔ بہرحال مصالحت کی کوشش اچھی چیز ہے۔ ایک دوسرے کو رعایتیں دے کر معاملات سلجھانے کو مصالحت کہتے ہیں۔ اپنے آپس کے جھگڑوں کو ہمیشہ دوستانہ طریقے پر طے کرنا چاہئے۔ اگر تمہارے بھائی کو کرکٹ کا شوق ہے اور تمہیں بیڈمنٹن کا، تو تم لوگ ایک دن بیڈمنٹن اور ایک دن کرکٹ کھیل کر آپس میں سمجھوتہ کر سکتے ہو۔ اگر تم اس بات پر اڑ جاؤ کہ نہیں صاحب ہم تو اور بیڈمنٹن ہی کھیلیں گے تو نہ اکیلے تم کھیل سکو گے اور نہ تمہارا بھائی۔ اگر تمہاری چھوٹی بہن چاہتی ہے کہ تم اسکی گڑیا کی دعوت میں شریک ہو لیکن تم کہو کہ نہیں میں تو دریا کی سیر کو جاؤنگا۔ تو نتیجہ سوائے رنج اور بدمزگی کے کچھ نہیں نکلیگا۔ تم اپنی بہن اور اسکی گڑیا کو بھی اپنے ساتھ سیر کے لئے لیجا کر جھگڑا چکا سکتے ہو۔ لیکن ہمیں صرف اچھی باتوں کیلئے سمجھوتہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کس بات میں سب کا فائدہ

فسانۂ آزاد

(حصۂ دوم)

آزاد کی رہائی

* پچھلے مہینے تم نے پڑھا تھا کہ ترکی جاتے ہوئے آزاد کا جہاز جزیرہ پیرم کے پاس ڈوب گیا۔ بعد میں آزاد ترکی پہونچے اور فوج میں نوکری کر لی۔ ایک لڑائی میں وہ زخمی ہوئے اور قید کر لئے گئے۔

آزاد پاشا جب گرفتار ہو کر روسیوں کے لشکر میں آئے تو زخموں سے چور تھے۔ لیکن روسی ڈاکٹروں نے بڑی لگا کر ان کا علاج کیا اور بہت جلد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ پہلے تو ان پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کو یہ اجازت مل گئی کہ وہ گھوڑے کا ڑی پر سیر کے لئے جایا کریں۔ پہلے ہی دن انھوں نے کوچبین سے باتوں باتوں میں معلوم کر لیا کہ جس مقام پر وہ قید تھے وہ ایک ٹاپو تھا انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس قلعے میں ترکوں کی فوج ہے وہ قریب ہی ہے اور دریا کی راہ پانچ گھنٹوں میں وہاں پہونچا جا سکتا ہے اور خشکی کی راہ دو گھنٹے میں۔

آزاد اپنے دل میں سوچنے لگے کہ اول تو اس ٹاپو سے جانا مشکل ہے۔ دوسرے اگر گئے بھی تو روسی سپاہی میدان میں گرفتار کر لیں گے۔ دریا کی راہ سے جائیں تو کیونکر جائیں۔ مگر سوچے کہ ایک دفعہ کوشش ضرور کریں گے۔ دو چار روز اسی فکر میں رہے کہ کیا کریں اور کیونکر بھاگ نکلیں۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ آخر کار انھوں نے روماف نامی ایک سوار سے کل حال بیان کر دیا۔ یہ سوار ان کا احسان مند تھا۔ جب آزاد نے اس سے دل کی بات کہی تو وہ بولا۔ "سنو آزاد۔ میں بالکل اکیلا ہوں۔ تمام عالم میں کوئی دوست ہے نہ یار۔ میں چاہے اپنی جان دے دوں مگر تم پر آنچ نہ آنے دوں گا"۔

ایک روز روماف ان کے پاس آیا اور کہا کہ آج شب کو دس بجے ملوں گا اور تم کو بھاگ جانے کا موقع دوں گا۔ ٹھیک دس بجے وہ میاں آزاد کے پاس پہونچا۔ اس وقت بیڑے کے سب سپاہی خواب غفلت میں تھے۔ صرف ایک پہرے والا سوار جاگتا تھا۔ آزاد نے ادھر ادھر دیکھ تمنچہ سر کیا اور پہرے والا سوار اسی مقام پر ٹھنڈا ہو گیا۔ تمنچے کی آواز سنکر دو چار آدمی جاگ اٹھے۔ سمجھے کہ ترکوں کی فوج آ گئی۔ دو تین نے غل مچایا "ترک آ گئے ترک آ گئے"۔ آزاد پاشا نے روسی زبان میں روماف سے پوچھ کر کہا: "بس اتنے ہی میں ڈر گئے؟ اور جب ترک سچ مچ آ جائیں گے تو بھاگ ہی کھڑے ہوں گے"۔ یہ فقط دل لگی کی تھی۔ ان سب کو یقین ہو گیا کہ یہ مذاق ہی مذاق تھا۔ اُدھر وہ سوئے اِدھر آزاد پاشا ایک تیز گھوڑے پر سوار ہو کر چلے۔

میاں آزاد نے بسم اللہ کہہ کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور یا قسمت یا نصیب کہہ کر چلے۔ قدم قدم پر خوف کھاتے تھے اور بہت آہستہ آہستہ جاتے تھے کہ مبادا کوئی روسی دیکھ پائے، غل مچائے، گھوڑا پیچھے دوڑائے۔ دریا میں غنیم سے لڑیں، الٹی آنتیں گلے پڑیں۔ پندرہ بیس قدم جا کر گھوڑا ہنہنایا۔ اپنے سائے سے کسی قدر بھڑکا، پیچھے آیا۔ آزاد سوچے کہ کس مصیبت میں جان ہے۔ ادھر ٹاپو اُدھر میدان ہے۔ ذرا خبر ہو جائے تو

پہرے والا گولی چلائے۔ خائف ہوئے کہ گھوڑے کی سواری اور دریا کا واسطہ اور اندھیری رات ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔ جوں توں کر کے چلے۔ اتنے میں بادل نے گرجنا شروع کیا اور پورب کی سمت بجلی اس زور سے لوکی کہ الہٰی توبہ! گھوڑا پھر ہنہنانے لگا۔ آزاد سخت تکلیف میں تھے کہ یا الہٰی اب کیا کروں؟ پورب کی طرف جانا ہے اور اُدھر ہی بجلی چمک رہی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں کالی کالی گھٹا چو طرفہ چھا گئی اور ننھی ننھی بوندیں بھی پڑنے لگیں۔ اب آفت کا سامنا ہے۔ نیچے دریا، اوپر بادل، اِدھر اُدھر دشمن کی فوج، کوسوں تک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا۔ اب پورب نظر آتا ہے نہ پچھم۔

آزاد نے دریا کی طرف دیکھ کر کہا: "او ظالم سمندر! خوب یاد رکھنا کہ حُسن آرا کا پیارا اس وقت تیرا مہمان ہے۔" پھر گھبرا کر کہا: "وائے افسوس۔ کیا معلوم تھا کہ خاک کے عوض قسمت پانی ہی میں قبر بنائیگی۔ آزاد کیسے آزاد کا نشان تک نہ رہیگا۔"

ایک بار اس زور سے بادل گرجا کہ آزاد سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑے گا۔ اور گھوڑا اتنا بے قابو ہوا کہ آزاد کو سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ اتنے میں مخالف ہوا چلنی شروع ہوئی اور آزاد کو معلوم ہوا کہ چڑھاؤ پر جاتے ہیں۔ رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔

روماف نے دلاسا دیا تھا کہ آگے بڑھ کر دریا پایاب ہے۔ آزاد نے پہلے کبھی اس دریا کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ سوچے کہ کدھر جاؤں اور کدھر نہ جاؤں۔ اتنے میں رِم جھم رِم جھم مینہ برسنے لگا۔ گھوڑا دس دس ہاتھ اچھلنے لگا۔ باگ اب ہاتھ سے چھوٹی اور اب چھوٹی۔ سوچنے لگے کہ ہائے کاش حسن آرا کو اس مصیبت کی خبر ہو جائے کہ صرف اس کے لئے آزاد نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ وہ آزاد جو غم کے قریب نہیں جاتا تھا۔ زندہ دل آدمی، خوش مذاق، خوش مزاج۔ اسے سختی اور پریشانی سے کیا واسطہ تھا۔ مگر اب زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جان کو رو بیٹھا۔

ان خیالات نے آزاد کو اور بھی پریشان کر دیا۔ کئی بار چاہا کہ کود پڑیں جھگڑا ہی مٹے۔ مگر کودنے کی کوشش کے وقت گویا حُسن آرا روک دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ بجلی اس تیزی سے چمکی کہ گھوڑا بے اختیار اگلے پانوؤں سے کھڑا ہو کر بائیں ہاتھ کی طرف اچک گیا اور آزاد پاشا اچھل کر دریا میں گرے۔ گرے اور گرتے ہی سنبھلے:

پیراک تو تھے مگر اس مصیبت کے عالم میں پیرنا دل لگی نہیں ہے۔ اور دریا بھی کون جس کا اور نہ چھور! اس پر طرہ یہ کہ چڑھاؤ کا شا اور بھی قیامت ہے۔ آزاد پاشا شہ زور تو تھے ہی، تیرتے ہوئے چلے۔ مگر پانی کا وہ زور تھا اور ہوا کی وہ تیزی کہ موج کے تھپیڑے ان کو تنکے کی طرح اِدھر سے اُدھر بہائے پھرتے تھے۔ دس قدم بہ ہزار خرابی گئے اور پانی نے بیس قدم پیچھے ہٹا دیا۔ ہوش پتراں حواس غائب۔ کرتے دھرتے کچھ بن نہیں پڑتی تھی۔

آزاد بیماری کے سبب سے کمزور اور بلکان تو ہو ہی گئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد دم پھول گیا۔ اب ڈوبے۔ خدا بچائے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ بس اب کوئی دم کے مہمان ہیں تو جان پر کھیل کر کنارے کی طرف جانے کا قصد کیا۔ آٹھ دس بار ناکام ہوئے۔ آخر گیارہویں بار جب ڈوبنے ہی کے قریب تھے حسن اتفاق سے ان کا پانوں تہ پر پڑا اور زور کرکے یہ کنارے تک آئے تو شل ہو کر مرے۔ آتے ہی پیٹ کے بل گر پڑے تو بیہوش۔ ایک گھنٹے کے بعد ہوش آیا۔ اور آنکھ کھلی تو دیکھا کہ چاندنی نکھری ہوئی ہے اور ان کے پاؤں کنارے پر اس مقام پر ہیں جہاں دریا کا پانی آن کر واپس جاتا ہے۔ پانوں کی انگلیوں کی کبھی کبھی پابوسی کرتا ہے۔

اٹھے تو دیکھا کہ ایک سوار ٹیلے پر کھڑا ہے۔ ہوش اڑ گئے۔ بھاگنے ہی کو تھے۔ مگر سوار سے بھاگ کر کہاں جاتے۔ بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کا گھوڑا تھا سوار نہ تھا۔ ہنس کر گھوڑے کے قریب گئے اور گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا: "شاباش۔ اچھے وقت ملے۔ مگر کہیں پھر نہ دغا دینا" گھوڑا ہنہنایا۔ انھوں نے پھر گردن پر ہاتھ پھیرا اور پھر کہا: "شاباش! خوب ساتھ دیا"۔

دو گھنٹے کے بعد میاں آزاد گھوڑے پر سوار ہوئے اور راتوں رات دریا کے کنارے کنارے چلے۔ صبح کاذب کے وقت انھوں نے ذرا دم لیا اور پھر چلے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ مقام ملا جہاں شکار کھیلتے ہوئے کشتی میں گئے تھے۔ جان میں جان آئی۔

کل کی باتیں:

بقیہ صفحہ ۹

تم نے ریفری جیئٹر دیکھا ہے۔ یہ ایک قسم کی الماری ہوتی ہے جو اندر سے برف کی طرح ٹھنڈی رہتی ہے۔ تم نے دوکانوں میں کھانے کی چیزیں رکھنے کے لئے ریفری جیئٹر استعمال ہوتے دیکھے ہونگے۔ اس میں چیزیں ٹھنڈی اور تازہ رہتی ہیں۔ موٹروں اور ریلوں میں ایسا ہی انتظام کیا جائیگا تاکہ دودھ اچھی حالت میں دور دور بھیجا جاسکے۔ قیمت پر کنٹرول ہوگا۔ اور جہاں تازہ دودھ نہیں پہنچایا جاسکتا خشک دودھ بھیجا جائے گا۔ دودھ کا سفوف ایرٹائٹ ڈبوں میں بھیجا جاسکتا ہے۔ گایوں کا ڈاکٹری معائنہ ہوگا کیونکہ بیمار گایوں کے دودھ سے بیماری پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اچھی نسل کی گائیں رکھی جائینگی جو زیادہ دودھ دیں اب بھی مویشیوں کی نمائشیں ہوتی ہیں تاکہ کسانوں کو بہتر نسل کے گائے اور بھینسیں رکھنے کا شوق ہو۔

ان تمام طریقوں سے ہندوستان میں دودھ کی پیداوار بڑھائی جائیگی۔ جب تک کہ ہندوستان کے بچے بچے کو دودھ نہ ملنے لگے ہمیں برابر کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ خالہ مسرت

روشنی اور رنگ

سائنسدان کہتے ہیں کہ ہر چیز میں سے یا تو روشنی کی لہریں خود نکلتی ہیں یا اس سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہیں۔ ان لہروں کی ایک خاص رفتار مقرر ہے۔ روشنی کی لہریں اور لہروں سے مختلف ہیں۔ صرف یہی لہریں ہمیں نظر آتی ہیں۔ جس طرح ریڈیو صرف وائرلیس لہروں کا اثر قبول کرتا ہے۔ اسی طرح آنکھیں روشنی کی لہروں کا اثر قبول کرتی ہیں۔

اب تم یہ پوچھوگے کہ روشنی کی لہریں کس طرح پیدا ہوتی ہیں، یہ بات ابھی پوری طرح معلوم نہیں ہوسکی۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ جب ایک ایٹم دوسرے ایٹم سے ٹکراتا ہے تو ایٹم میں سے ایک الکٹرون دھکے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل جاتا ہے لیکن فوراً ہی اپنی اصلی جگہ واپس آجاتا ہے۔ ایٹم کے اندر بجلی کی اس حرکت سے روشنی کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔

روشنی کی سب لہروں کی لمبائی ایک سی نہیں ہوتی بلکہ یہ لہریں مختلف لمبائی کی ہوتی ہیں۔ ہر لمبائی کی لہر مختلف رنگ پیدا کرتی ہے۔ سب سے لمبی لہر سے سرخ رنگ پیدا ہوتا ہے اور سب سے چھوٹی سے بنفشئی۔ نارنجی، زرد، سبز اور نیلے رنگ کی لہروں کی لمبائی درمیانی ہوتی ہے۔ سورج کی روشنی میں ان تمام رنگوں کی لہریں ایک خاص تناسب سے ہوتی ہیں۔ اور سب مل کر سفید رنگ پیدا کرتی ہیں۔ جب ہم کسی سفید چیز پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہماری آنکھ کو سات مختلف رنگوں کی لہروں کا جواب دینا پڑتا ہے۔
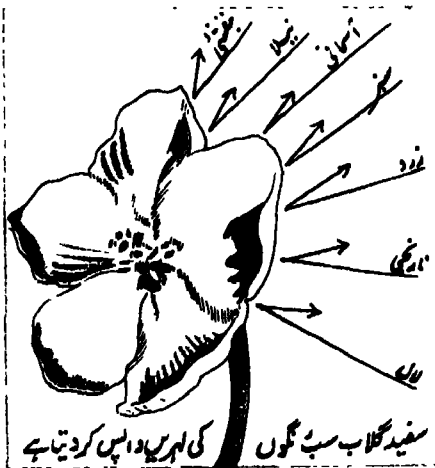
اس سے معلوم ہوا کہ رنگ چیزوں کے اندر نہیں ہوتا۔ جس طرح سے حلوے کے اندر بادام بلکہ رنگ کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس چیز کے ایٹموں کی ترتیب کیا ہے۔ ایٹموں کی ترتیب ہی کی وجہ سے بعض رنگ کی لہریں تو چیز کے پار ہوجاتی ہیں اور بعض واپس لوٹا دی جاتی ہیں۔ اگر اس چیز کی سطح میں تبدیلی ہوجائے تو رنگ بھی بدلا ہوا معلوم ہوگا۔ اس تجربے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجائیگی کسی ایسے تیل کی ایک بوند جس کا کوئی رنگ نہ ہو پتھر پر پھینکو۔ پتھر پر تیل کے رنگین چھلے سے تیرتے نظر آئیں گے۔ ان چھلوں کا رنگ بدلتا رہتا ہے کیونکہ تیل کی سطح میں تبدیلی ہورہی ہے۔ سرخ گلاب اس لئے سرخ نظر آتا ہے کہ وہ سب لہروں کو جذب کرلیتا ہے۔ صرف سرخ رنگ کی لہریں واپس کردیتا ہے۔ سفید گلاب کوئی رنگ جذب نہیں کرتا بلکہ سب رنگوں کی لہریں واپس کردیتا ہے۔ اور ان سب کا مرکب ہمیں سفید نظر آتا ہے۔ سیاہ چیزیں سب رنگوں کی لہریں جذب کرلیتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ چیزمیں تو کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی لیکن پھر بھی اسکا رنگ مختلف وقتوں میں مختلف نظر آتا ہے۔

سفید گلاب سب رنگوں کی لہریں واپس کردیتا ہے

مثلاً بادل کے ٹکڑے دوپہر کے وقت تو سفید نظر آتے ہیں لیکن شام کے وقت سرخ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی میں شام کے وقت نیلے اور بنفشئی رنگ کی لہریں بہت کم ہوجاتی ہیں اسلئے سرخ رنگ کی لہریں زیادہ واضح ہوجاتی ہیں اور بادلوں کی سرخی انھیں لہروں کا عکس ہوتی ہے۔

کدّو میاں اور سائیکل کے کرتب
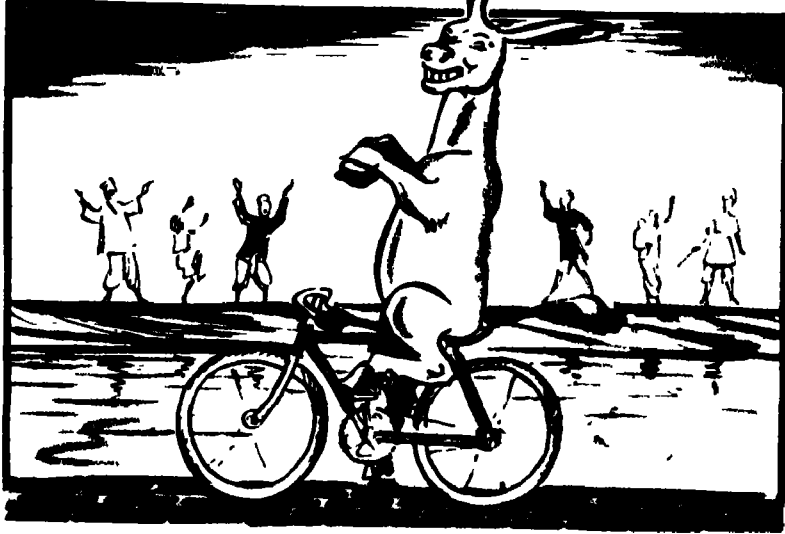
(۵)

کدّو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ ان کے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ انکی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے:

کدّو میاں سرکس دیکھنے گئے۔ وہاں انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو سائیکل کے کرتب دکھاتا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ وہ بھی اس کی نقل کریں گے۔ آخر نہر کے کنارے وہ بڑے انداز کے ساتھ سائیکل پر چڑھے اور لوگوں نے تعریف میں "واہ وا شاباش" کے نعرے لگانے شروع کئے۔
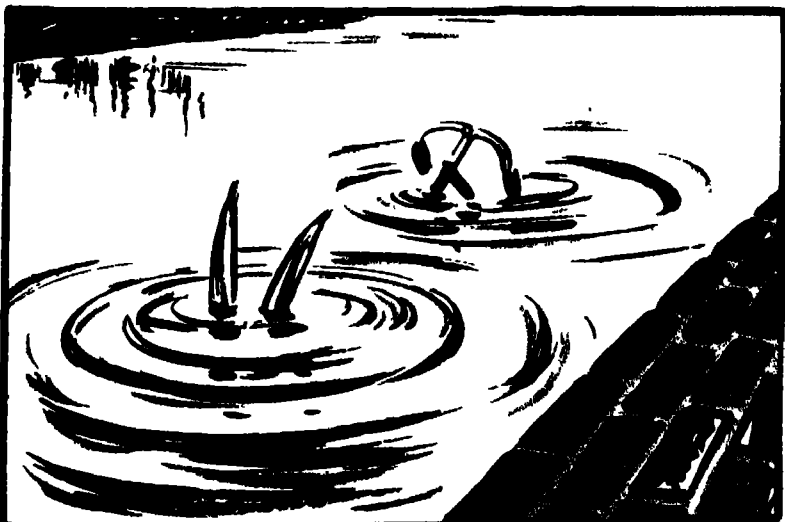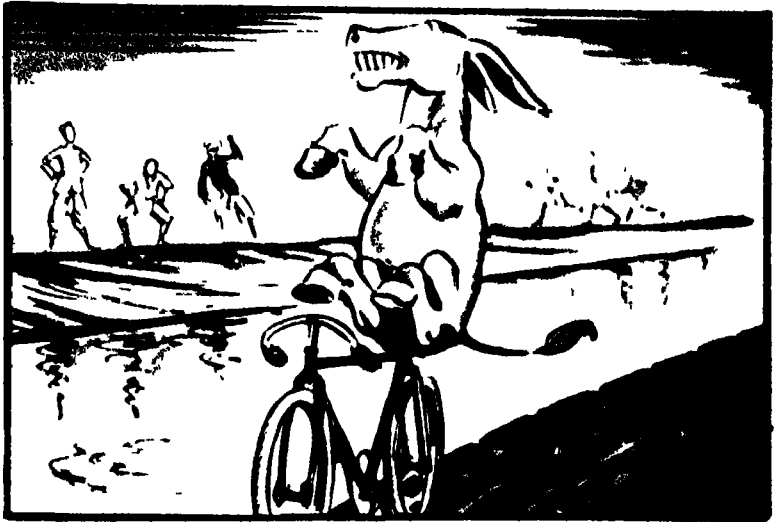
(اوپر)

کدّو میاں بغیر اگلے پیروں کے سائیکل چلاتے ہیں

(بیچ میں)

پچھلے پیر بھی ہٹا لیتے ہیں!

(نیچے)

کدّو میاں غائب!

سر ولیم جونس

جس لڑکے کی یہ کہانی ہے وہ دو سو سال ہوئے پیدا ہوا تھا اور اس سال کے شروع میں کلکتہ میں اس کی سالگرہ منائی گئی تھی۔ مشہور سائنس داں اور عالم سمندر پار سے اور ہندوستان کے مختلف حصّوں سے اس جشن میں شرکت کرنے آئے تھے۔ یہ جشن دس دن تک جاری رہا۔ اس لڑکے کا نام ولیم جونس تھا اور وہ ۱۷۴۶ء میں لندن میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی یادداشت غضب کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شیکسپیئر کے ڈرامے اسے زبانی یاد تھے۔ حالانکہ وہ انگریز تھا اور انگلستان میں رہتا تھا لیکن اسے عربی فارسی سے بڑی دلچسپی ہوگئی اور اس نے ان زبانوں کو اتنی اچھی طرح سیکھ لیا کہ وہ مستشرق کی حیثیت سے مشہور ہوگیا۔ مستشرق اس عالم کو کہتے ہیں جو مشرقی ممالک کی باتوں یعنی زبان، تاریخ، روایتوں اور عقیدوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔ ان کے علاوہ ولیم جونس نے فارسی کے بلند پایہ شاعر حافظ کی شاعری کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور اس کا بہت سا حصّہ فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس طرح یورپ کے پڑھنے والوں کو فارسی شاعری کی خوبیوں سے لطف اٹھانے کا موقع ملا۔ اسے فارسی زبان سے بڑی الفت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اس میں بڑی مٹھاس ہے۔ اس نے فارسی قواعد پر ایک کتاب شائع کی جو بہت مشہور ہے۔ وہ عربی بھی اتنی ہی اچھی جانتا تھا۔ عربی زبان کو وہ "دنیا کی سب سے زیادہ وسیع، جامع اور پُرمعنی زبان" کہتا تھا۔

بعد میں ولیم جونس ہندوستان آگیا۔ اسے سر کا خطاب دے کر ۱۷۸۳ء میں عدالت عالیہ کا جج بنادیا گیا۔ ہندوستان کی باتوں میں اسے بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے یہاں کے لوگوں، زبانوں، رسم و رواج، آرٹ اور فن تعمیر کا غور سے مطالعہ کیا۔ پھر اس کے دل میں ایک ایسا خیال آیا جس کے لئے وہ ہمیشہ ہندوستان میں یاد رکھا جائیگا۔ ۱۷۸۴ء میں اس نے بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی۔ اس سوسائٹی کا مقصد یہ تھا کہ ایشیا کے ادب، فن تعمیرات، تاریخ، قوموں، مذہبوں، رسم و رواج، فلسفے غرض ہر دلچسپ اور اہم چیز کے متعلق معلومات بڑھائی جائیں۔ تحقیقات سے عالموں کو ایشیا کے متعلق جو باتیں معلوم ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی باتوں کا سہرا سر ولیم جونس کے سر ہے۔

سوسائٹی کے پاس ایک شاندار لائبریری ہے جس میں ایک لاکھ کتابیں ہیں۔ اس کے پاس مشرقی زبانوں کی قلمی کتابوں کا جو ذخیرہ ہے وہ دنیا کے سب سے بڑے ذخیروں میں گنا جاتا ہے۔

ہندوستان آکر سر ولیم جونس نے سنسکرت سیکھنی شروع کی اور پھر اس نے بہت سی پرانی کتابوں مثلاً بھگوت گیتا، منو شاسترا اور کالیداس کی شکنتلا کا ترجمہ کیا۔

سر ولیم مشرق اور مغرب کی زبانوں کا لاثانی عالم تھا۔ وہ تیرہ زبانوں کا ماہر تھا اور اٹھائیس زبانیں معمولی طور پر جانتا تھا۔ چونکہ سر ولیم جونس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ جس چیز کی طرف توجہ کرتا تھا اسکو بہت اچھی طرح حاصل کرتا تھا۔ اسلئے ہم یقین کرسکتے ہیں کہ اسکا "معمولی" علم بھی بہت اچھا ہوگا۔

بدقسمتی سے ہندوستان آنے کے دس ہی سال بعد اڑتالیس سال کی عمر میں سر ولیم کا انتقال ہوگیا۔ دوسرے عالموں اور سائنس دانوں نے اس کے بعد بڑی شان سے اس کا کام جاری رکھا۔

کلکتہ میں سر ولیم کی یادگار پر اس کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

"جس نے کمینے اور غیر منصف لوگوں کے علاوہ
کسی کو خود سے نیچا اور عقلمند اور نیک لوگوں کے
علاوہ کسی کو خود سے بلند نہ سمجھا۔"

———:o:———

کل کی باتیں

عزیز بھائیو! اور بہنو!

تم میں سے اکثر کو دودھ ناپسند ہوگا اور جب رات کو سونے سے پہلے تمہاری اماں دودھ کا بھرا گلاس لے کر پاس آتی ہونگی تو تم سو نخروں سے اسے پیتے ہوگے لیکن تمہاری اماں ٹھیک کہتی ہیں۔ دودھ بہت اچھی غذا ہے۔ اس سے تمہاری صحت بنتی ہے اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ بعض اداروں نے کچھ حساب لگا کر بتایا ہے کہ ہندوستان میں بہت سے بچے کم سنی ہی میں مر جاتے ہیں اور ہندوستانیوں کی اوسط عمر ۲۶ سال کے لگ بھگ ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے بچے اس کم عمری میں مر جائیں بلکہ ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ تم خوب تندرست اور توانا ہو کر بڑی عمر تک زندہ رہو۔ جس طرح کپڑوں کو زیادہ دن تک چلانے کے لئے دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح زیادہ زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ جسم کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جائے۔ اگر کپڑا ذرا سا پھٹ جائے اور فوراً سی نہ جائے تو وہ پھٹتا ہی جائے گا۔ یہی حال جسم کا ہے۔ اگر جسم میں وٹامن کی کمی ہو تو وہ پوری کرنی چاہئے۔ جسم میں بنتی ہیں اور بعض باہر سے آتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہمیں دودھ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ دودھ نہایت عمدہ غذا ہے۔ اس کا استعمال عام کمزوری اور تپ دق جیسی خوفناک بیماریوں سے بچاتا ہے۔ ہڈیاں، دانت، پٹھے اور جسم مضبوط کرتا ہے۔

یہ سب باتیں سن کر تم کہو گے یہ سب ٹھیک تو آپ نے ٹھیک فرمایا۔ لیکن دودھ کہاں سے لایا جائے۔ بازاروں میں جو دودھ بکتا ہے وہ ایک تو خراب ہوتا ہے دوسرے مہنگا ملتا ہے۔ غریب آدمی کہاں سے خریدیں۔ لیکن پریشان ہونے کی بات نہیں۔ حالت بہتر کی جا سکتی ہے، اور غریبوں تک سستے داموں دودھ پہنچانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلی مشکل جس پر قابو پانا ہے وہ دودھ کی کمی ہے۔ تم کہو گے کہ دنیا کے ایک تہائی مویشی تو ہندوستان میں ہیں پھر دودھ کی کمی کیسی۔ دراصل یہ کمی اتنے زیادہ مویشی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر ہمارے پاس کم مویشی ہوتے تو ہم انھیں بہتر چارہ دے کر زیادہ دودھ حاصل کر سکتے تھے۔ اس وقت ہمارے مویشی بھوکوں مر رہے ہیں۔ یو۔پی میں ہر گائے کو اوسطاً دو پونڈ کھل دی جاتی ہے۔ اور ہمارے یہاں کی گائے کو صرف ۴ اونس۔ اب بھلا بتاؤ ایسی حالت میں یو۔پی کی گایوں جتنا دودھ کیسے دے سکتی ہیں۔

ایک اور مشکل یہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں میں تو دودھ بالکل نہیں ہوتا اور بعض جگہ ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ جن علاقوں میں دودھ فالتو ہوتا ہے لوگ اسکا گھی بنا لیتے ہیں۔ کیونکہ تازہ دودھ دور کے علاقوں میں جہاں اسکی ضرورت ہے نہیں بھیجا جا سکتا۔ ماہروں کا خیال ہے کہ دودھ پینا گھی اور پنیر کی نسبت زیادہ مفید ہے۔ گھی اور پنیر بنانے میں اسکے بہت سے مفید اجزا ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسلئے ہمیں لوگوں تک تازہ دودھ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

حکومت اس مسئلہ کو حل کرنے کی تدبیریں کر رہی ہے۔ ایک اسکیم ہے کہ فالتو دودھ جمع کر کے ان علاقوں میں بھیجا جائے جہاں اس کی کمی ہے۔ دودھ بہت جلد خراب ہو جاتا ہے۔ خصوصاً گرمی کے موسم میں۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

کل کی باتیں

دودھ زندگی بخشنے والی خوراک ہے۔ لیکن ہندوستان میں بہت
کم بچوں کو میسر آتا ہے۔ ہندوستان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے
زیادہ دودھ دینے والی عمدہ نسل کی گایوں کی ضرورت ہے۔

فیروزپور میں مویشیوں کا میلہ۔ مویشیوں کا ماہر بھینسوں کا مقابلہ کر رہا ہے
کہ کونسی بھینس کو پہلا انعام دے۔

اس ڈیری فارم میں بچھڑوں کی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ انکا

میسور

ہز ہائی نس مہاراجہ میسور اپنے شاندار گھوڑے پر بیٹھ کر دسہرے کے

دسہرے کا تہوار میسور میں بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے

میسور میں گر

...ں محل کے باغات کا چکر لگاتے ہیں

یہ مقبرہ ٹیپو سلطان کا ہے جس نے ۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۸ء تک میسور پر حکومت کی

میسور جنوبی ہند میں واقع ہے یہ بہت خوبصورت علاقہ ہے۔ یہاں صندل اور ساگوان کے جنگل ہیں۔ جہاں شیر، ہاتھی اور جنگلی بھینسے ملتے ہیں۔ اونچے پہاڑوں پر قہوہ بویا جاتا ہے اور دلفریب قدرتی مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ میسور میں بہت سے آبشار ہیں۔ گرسوپا کا آبشار دنیا کے نہایت اونچے آبشاروں میں سے ہے۔

میسور میں دولت بھی بہت ہے کولار کے مقام پر سونے کی کانیں ہیں۔ بعض ان میں سے ۵۰۰ فٹ گہری ہیں۔ شہر میسور ریاست کا دارالخلافہ ہے۔ یہ شہر بہت عمدہ اور صاف ستھرا ہے یہاں کی سڑکیں چوڑی، باغ خوبصورت اور عمارتیں شاندار ہیں۔ یہاں کے حکمران ہندو ہیں۔ پرانے زمانے میں بھی یہ ہندو ریاست تھی، لیکن کچھ عرصہ مسلمانوں نے یہاں حکومت کی ہے۔ سرنگاپٹم حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانے میں دارالخلافہ تھا۔ اب بھی آپ ٹیپو سلطان کی مسجد، محل اور مقبرہ دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اور بڑا شہر بنگلور ہے۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس جو دنیا بھر میں مشہور ہے یہیں ہے۔ اگر آپ میسور کی سیر کرنا چاہیں تو دسہرے کے دنوں میں جائیے تاکہ جلوس دیکھ سکیں یا اس وقت جائیے جب ہاتھیوں کو گھیر کر "کھڈوں" میں لایا جاتا ہے۔

جنگلی ہاتھی گھیر کر "کھڈے" میں لائے جاتے ہیں۔ اب انھیں رسّیوں سے باندھا جا رہا ہے۔ پالتو ہاتھی ہاتھیوں کو سدھانے میں بڑی مدد دیتے ہیں

آبشار

★ ہماری خدمت کرنیوالے ★

فائر بریگیڈ بھی ہمارے جان ومال کو بچانے کے لئے رات دن تیار رہتا ہے ؛

ٹیلیفون ایکسچینج بھی چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے۔ رات کے آخری حصے میں نیند بھگانے کے لئے کافی ہمت کی ضرورت ہے ؛

پولیس ہماری حفاظت کے لئے تمام رات پہرہ دیتی ہے

... وقت ... کے لئے تیار رہتی ہیں۔ اور حادثہ یا فوری بیماری

ہماری خدمت کرنے والے

جب ہم سوتے ہیں!

اگر کبھی تم دیر سے سوئے ہو تو تمہیں اندازہ ہوا ہوگا کہ نیند کے وقت جاگتے رہنا کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اور اگر تمہاری نیند بیچ میں اُچاٹ ہو جائے تو اور بھی کوفت ہوتی ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو رات کے وقت بھی برابر کام کرتے رہتے ہیں۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ نیند کی قدرتی خواہش کو روکنے کے لئے کتنے ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن تم پوچھو گے کہ جب سونے کا وقت ہوتا ہے تو یہ لوگ جاگتے کیوں رہتے ہیں؟ شاید تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم بیمار تھے اور تمہیں نیند نہیں آتی تھی تو تمہاری ماں رات بھر تمہارے پاس بیٹھی رہتی تھیں کہ شاید تمہیں کسی بات کی ضرورت پڑ جائے۔ اس طرح بڑے بڑے ہسپتالوں میں نرسیں رات بھر جاگتی ہیں اور کام کے لئے تیار رہتی ہیں۔ پھر ایمبولنس گاڑی ہوتی ہے جو زخمیوں کو فوراً ہسپتال پہونچاتی ہے۔ اسکے ڈرائیور اور اردلی بھی ساری رات جاگ کر گزارتے ہیں کہ پتہ نہیں کس گھڑی بلانے کا ٹیلیفون آجائے۔

اور ٹیلی فون! یہ ایک اور بڑی کارآمد چیز ہے۔ اسکے کام کرنیوالے بھی کبھی نہیں سوتے۔ تم ہر وقت ٹیلیفون استعمال کر سکتے ہو۔ ٹیلیفون کے دفتر میں کوئی نہ کوئی تمہیں نمبر ملانے کے لئے موجود ملے گا۔ رات کے وقت بھی یہ لوگ کام کرتے رہتے ہیں تاکہ ضروری باتوں اور پیغاموں کا آنا جانا نہ رک جائے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لاپرواہ آدمی سونے سے پہلے آگ بجھانے کا خیال نہیں کرتے۔ بعض لوگ تو بستر میں بیڑی سگرٹ پیتے ہوئے بھی دیکھے گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سو جاتے ہیں، کپڑوں اور بستر میں آگ لگ جاتی ہے اور ان کے جاگنے سے پہلے سارا گھر خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اگر ہمارے پاس ٹیلیفون ہو اور آگ لگنے کی صورت میں ہم فائر بریگیڈ بلا سکیں تو کتنا اچھا ہو۔ اگر ٹیلیفون نہ ہو تب بھی ہم آدمی کے ذریعے مدد منگا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ فائرمین ہر وقت یہاں تک کہ رات کو بھی مستعد رہتے ہیں۔ فائر اسٹیشن پر گھنٹی بجتے ہی سب کے سب تیار ہو جاتے ہیں اور آن کی آن میں فائر انجن اپنے سورماؤں سمیت لوگوں کی جان اور مال کی حفاظت کیلئے روانہ ہو جاتا ہے۔

جب تم اپنے گرم اور محفوظ بستر میں سمٹے سمٹائے اندھیرے میں چنگھاڑتی ہوئی ریلوں کی آواز سنتے ہو تو تمہیں انجن ڈرائیور کا بھی خیال آتا ہوگا؟ آندھی ہو یا طوفان، سردی ہو یا گرمی، وہ ساری رات کام کرتے رہتے ہیں۔ گرمیوں میں جب تم کسی ٹھنڈے باغ میں، چھت پر یا برآمدے میں سوتے ہو تو وہ انجن کی تپتی ہوئی اور جھلسا دینے والی گرمی میں کام کرتے ہیں اور ہم سوتے رہتے ہیں۔ وہ سامان، مسافر اور ڈاک لیجاتے ہیں۔ جب گاڑی اندھیرے میں دھوئیں کے بادل اڑاتی جاتی ہے تو ڈاک کے ڈبے میں کچھ اور لوگ بھی جاگتے رہتے ہیں۔ یہ ریلوے ڈاک کے آدمی ہیں۔ یہ ہر وقت خاموشی سے خط چھانٹتے رہتے ہیں۔ اب کی بار جب صبح صبح تمہیں کوئی خط پہونچے تو انجن ڈرائیوروں اور ریل کے ڈاکیوں کا خیال کرنا جنہوں نے رات بھر جاگ کر خط اتنی جلدی تمہارے پاس پہونچا دیا۔

لیکن رات میں صرف نیک اور مددگار آدمی ہی نہیں جاگتے۔ چور اور ڈاکو بھی نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی بدمعاشیوں کے لئے اندھیرا بہت اچھا ہوتا ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے ہمارے شہروں میں، سڑکوں پر اور گاؤں میں پولیس ہوتی ہے جو ایسے وقت پہرہ دیتی ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ پولیس والے مستعد اور چوکس ہیں اس لئے آرام اور بےفکری سے سو سکتے ہیں۔ انھیں بدمعاشوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اور یہ کافی خطرناک کام ہے۔ مشکل تو یہ ہمیشہ ہی ہے۔ چاہے وہ گرمیوں کی تپتی ہوئی رات میں ہو یا موسلا دھار بارش میں یا شمالی ہندوستان کی کپکپا دینے والی سردی میں۔

چنانچہ ہمیں چاہئے کہ ہم دل میں اپنے ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا نہ بھولیں جو اس وقت ہماری خدمت کرتے ہیں جب ہم سوتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں

کچھ چڑیاں چالاک ڈاکو ہوتی ہیں ؟

قطب جنوبی کے سرد اور وسیع علاقے میں ایک چڑیا ہوتی ہے جسے انگریزی میں "شیتھ بِل" کہتے ہیں۔ یہ بہت چالاک ہوتی ہے اور بڑی مکاری سے دوسری چڑیوں کے گھونسلوں میں ڈاکہ ڈالتی ہے۔ اسکا رنگ سفید ہوتا ہے اور قد کبوتر سے ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ اپنے سے بہت بڑی چڑیوں مثلاً پنگین اور ماہی خور وغیرہ کے لئے مصیبت ہوتی ہے۔ جب یہ چڑیاں اپنے گھونسلے پر بیٹھی ہوتی ہیں تو شیتھ بل کا ایک جوڑا قریب آتا ہے۔ ان میں سے ایک تو سامنے جاکر چڑیا کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جونہی وہ گھونسلا چھوڑ کر اس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھتی ہے پیچھے سے دوسرا شیتھ بل گھونسلا خالی پاکر انڈے اُچک لیتا ہے۔ اور ڈاکوؤں کا یہ جوڑا پھر دوسرے گھونسلے کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں یہ اپنے اپنے کام بدل لیتے ہیں۔ اس طرح باری باری دونوں کو حصہ ملجاتا ہے۔

مچھلیاں بغیر کانوں کے سُن سکتی ہیں ؟

حالانکہ مچھلیوں کے جسم پر کان کے آثار نہیں ہوتے، پھر بھی وہ سُن سکتی ہیں۔ ان کے جسم میں ایک عضو ایسا ہوتا ہے جو آواز کو اُن کے دماغ تک پہونچادیتا ہے۔ یہ عضو گویا ایک اندرونی کان ہے جو نرم ہڈی کے خول کے اندر ہوتا ہے۔ بعض مچھلیوں کے جسم میں ایک چھوٹا گلپھڑا ہوتا ہے جو آواز کو اندرونی کان تک پہونچاتا ہے۔ ان مچھلیوں کے معاملے میں سانس لینے والے عضو یعنی گلپھڑے نے سانس لینے کے بجائے سننے کا کام کرنا شروع کردیا ہے۔

کچھ پودے گوشت کھاتے ہیں؟

بعض پودے زندہ کیڑوں کو پکڑ کر خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی قسم کے پودوں میں ایک پودا ایسا ہوتا ہے جس کی پتیوں کے سروں پر صراحیاں سی بنی ہوتی ہیں۔ ان صراحیوں میں سے ایک سیال مادہ نکلتا رہتا ہے۔ کیڑے مکوڑے خصوصًا رینگتے ہوئے کیڑے، شہد کی تلاش میں اس صراحی تک پہونچتے ہیں اور اس کے اندر گر پڑتے ہیں۔ چونکہ صراحی کی دیواریں بالکل چکنی ہوتی ہیں اسلئے کیڑے نکل نہیں سکتے اور اس میں ڈوب جاتے ہیں اور پودے کا نوالہ بن جاتے ہیں۔

پہیئے کب ایجاد ہوا تھا؟

معلوم ہوتا ہے برف کی گاڑیوں میں لگے ہوئے لکڑی کے گول لٹھے دیکھکر پہیوں کا خیال پیدا ہوا۔ اب بھی ہندوستان، چین اور پرتگال میں ٹھوس پہیوں کا رواج ہے جو ایک دھرے میں لگے ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ گھومتے ہیں۔ شام میں عُر کے مقام پر جو کھدائی ہوئی ہے اس میں کچھ گاڑیاں ایسی نکلی ہیں جن میں ٹھوس پہیے لگے ہوئے ہیں۔ خیال ہے کہ یہ چار ہزار سال قبل مسیح کی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصر میں ۱۵۰۰ ق م میں ہلکے پہیوں کا رواج تھا جن میں دھرا، ہلکا ٹائر اور چار ڈنڈے ہوتے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ پرانے زمانے میں افریقہ کے لوگ پہیوں کے استعمال سے بالکل ناواقف تھے ؂

ضرور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
وہ اسکول جا رہا ہے۔ وہاں سے وہ کیا لے کر آئے گا؟ نئی معلومات، نئے اطوار اور شاید
کسی بیماری کے جراثیم۔ ماں اپنے چھوٹے سے بچے کو ان سب چیزوں کی حفاظت میں بھیجتی ہے
جو اس نے اسے سکھائی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم لائف بوائے صابن کا روزانہ استعمال ہے،
جو میل کے اس خطرہ سے حفاظت کرتا ہے جو تندرست سے
تندرست بچوں کو بھی جراثیم اور بیماری کے متعلق لاحق رہتا ہے۔
LIFEBUOY
SOAP
LIFEBUOY SOAP
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔
L. 78-33 UD
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

نونہالانِ وطن

میرے وطن کے بچو !
اے نوبہار غنچو !
معصوم تم ہو کتنے، کتنے ہو پیارے پیارے
باغِ وطن میں مہکو تم پھول بن کے سارے
میری دُعا ہے اک دِن بن جاؤ چاند تارے
میرے وطن کے بچو !
اے نوبہار غنچو !
ہے تم سے ساری رونق، رونق کہاں ہو تم بن
بلبل کی طرح چہکو آزاد ہو کے اِک دِن
الفت کے گیت گاؤ مِل کر تمام ہم سِن
میرے وطن کے بچو !
اے نوبہار غنچو !

مسرت نعیم بھٹی، اِچھرہ، لاہور

مجیب :- تم بیکار پڑے پڑے تھکتے بھی نہیں ؟
وجیہہ الحسن :- کیوں نہیں تھک جاتا ہوں ۔
مجیب :- پھر اس وقت تم کیا کرتے ہو ۔
وجیہہ الحسن :- میں اس وقت آرام کرتا ہوں ؟

شریف الحسن عثمانی ۔ لہرپوری

لطیفے

بیوی :- (گھبرا کر) دیکھو جی میں گا رہی تھی کہ کسی نے دریچہ میں سے جوتی پھینک ماری ۔

میاں :- یہ بات ہے ۔ تو اور گاؤ ۔ ممکن ہے کہ پھینکنے والا دوسری جوتی بھی پھینک مارے ۔ پورا جوڑا ہو جائیگا ۔

صغیر ۔ چھپروی

ایک شخص نے ایک فوجی افسر کو دعوت پر مدعو کیا ۔ اور وہ مہمان دو مرغ کھا گیا ۔ کھانا کھانے کے بعد اسے ایک بوڑھا مرغ نظر آیا اسے دیکھ کر فوجی افسر بولا :- دیکھو ! یہ مرغ کتنی شان سے چل رہا ہے ......

میزبان نے جواب دیا :- شان کیوں نہ ہو ۔ اس کے دو بیٹے فوجیوں کی خدمت کر رہے ہیں ؟

گلشاد بیگم ۔ سمستی پور

پہیلی

جل گئی گودڑی جلا نہ ایک دھاگا
گھر والے سب پکڑے گئے گھر نکل کے بھاگا

[illegible] ـــــــ شمشاد احمد بریلوی (دہلی)

نئی بات

پرندے خوشی سے جو گاتا ہے تو   پُھدکتا ہے اور چہچہاتا ہے تو
اسی چہچہانے میں اپنے ذرا   نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا
سنو دوستو بات میری سنو!
مری طرح تم بھی سدا خوش رہو

+

اڑی پھرتی مکھی ہے پھولوں میں کیوں   ہوا کرتا ہے جمع کیا شہد یوں؟
اسی بھنبھنانے میں اپنے ذرا   نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا
مری طرح مصروف ہر دم رہو
نہ بھولے سے بھی وقت ضائع کرو

✣

جہاں تو نے ماں باپ کو دیکھا کہیں   کھڑا ہو گیا ہے تو اٹھ کر وہیں
اسی اپنی بھوں بھوں میں کتّے ذرا   نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا
بزرگوں کی تعظیم تم بھی کرو
مری طرح الفت سے ان سے ملو

✣

مری پیاری بلّی یہ کیا ہے سبب؟   تجھے دیکھ کر پیار کرتے ہیں سب
اسی میاؤں میاؤں میں اپنی ذرا   نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا
مری طرح مسکین تم بھی بنو
مری طرح سے صاف ستھری رہو

✣

تو ننھی سی جان اور اے چیونٹی   یہ محنت مشقت، یہ ہمت تری
اسی کام کرنے میں اپنے ذرا   نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا
اری پیاری بہنو جو میری سنو
لگی تم بھی محنت میں یوں ہی رہو

جمیلہ بیگم

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

دسمبر کے انعامی مقابلے میں ۷۰ بچوں نے حصہ لیا۔ 'ہے ڈے' کا پہلا انعام اعظم ابراہیم (عمر سات سال) کو ملا۔ اور دوسرا ادشا رانی کو۔ ادشا رانی نے اپنی عمر لکھ کر نہیں بھیجی۔

'نونہال' کا پہلا انعام صاحب خاں (عمر ۱۲ سال) کو دیا گیا ہے اور دوسرا بے بی اسٹار بانو (عمر ۹ سال) کو۔ ان لوگوں کو انعام میں دلچسپ کتابیں بھیجی جائیں گی۔

لو اب ایک خوشخبری سنو۔ اگلے مہینے رسالے میں کراس ورڈ معمہ شائع کیا جائے گا۔ اپریل کی اشاعت میں تمہیں اس کے متعلق سب کچھ باتیں معلوم ہو جائینگی۔

کچھ بچوں نے تجویز پیش کی ہے کہ ان کے خطوں کے جواب رسالے ہی میں دئے جائیں۔ مشکل یہ ہے کہ ہر مہینے میرے پاس تقریباً ۳۰۰ خط آتے ہیں۔ اگر میں ان تمام خطوں کا جواب رسالے میں دینا شروع کر دوں تو اور بہت سی مفید اور کارآمد باتوں کے لئے جگہ نہ رہے گی۔ فقط

تمہاری خالہ
مسرت
پوسٹ بکس 166 / دہلی

خفیہ پیغام

قیب پن می بتمی ڈہنژپہم قہ گیل قی ابذی نیم
اپیڈ یب دی ۞

سوداگر کی بیٹی

پیکو ایک چینی تاجر تھا جو طرح طرح کی چیزیں مثلاً پنکھے، ریشم، ہاتھی دانت کی چیزیں اور خوبصورت زیورات بیچتا تھا۔ چونکہ وہ ایماندار سمجھا جاتا تھا اسلئے اس کی دوکان میں ہمیشہ اچھے گاہکوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

اس کی دوکان پر ایک عبارت لکھی ہوئی تھی جس کے معنی تھے،
"یہاں دھوکہ بازی نہیں ہوتی۔" کچھ لوگ اسے دیکھ کر ہنستے تھے اور کہتے تھے:۔ "ہمیں اعتبار نہیں"۔ لیکن یہ بات تھی ٹھیک ہی، پیکو ایماندار ہی نہیں بلکہ بہت امیر بھی تھا۔ یہ تو کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اس کے پاس کتنا روپیہ ہے لیکن لوگ اس بارے میں بات کرتے تھے تو تعجب سے ان کی بھویں تن جاتی تھیں اور چوٹیاں پیچھے گر جاتی تھیں۔

اس تاجر کی تین بیٹیاں تھیں جن کے پیر اتنے چھوٹے تھے کہ چین میں کسی کے نہیں ہوں گے۔ سب سے بڑی کا نام نارنجی تھا۔ اس کے پیر چھوٹے تھے۔ اس سے چھوٹی گلابی کے پیر اس سے بھی چھوٹے تھے اور سب سے چھوٹی موتی کے پیر سب سے چھوٹے تھے موتی اپنے باپ کی چہیتی تھی اور وہ اسکی ہر بات مانتا تھا۔

پیکو کے گھر کے ساتھ ایک خوبصورت چمن تھا جس میں پیارے پیارے چینی پھول کھلے ہوئے تھے۔ ہر طرف چینی نازو پھول اور جاپانی سوسن نظر آتے تھے۔ ایک فوارہ اور ایک چھوٹا سا مینار بھی تھا جس کے چاروں طرف لٹکی ہوئی گھنٹیاں ہوا کی جھونپڑ سے بجتی رہتی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک حوض تھا جس میں رنگین مچھلیاں تیرتی تھیں۔ ایک پل، دو فاختائیں اور ایک بید کا درخت تھا۔ بالکل جیسے چینی کے برتنوں پر تصویر بنی ہوتی ہے۔ تینوں بہنیں اس جگہ کو دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت جگہ سمجھتی تھیں اور وہاں رہ کر بہت ہی خوش تھیں۔ وہ یوں ہی خوش تھیں لیکن جب ان کے باپ نے باجہ بجانے کے لئے وہاں ایک بینڈ کا انتظام کر دیا اور چمن میں خوب روشنی کرا دی تو وہ اور بھی خوش ہو گئیں۔

پیکو کی لڑکیاں جو چاہتی تھیں انھیں مل جاتا تھا۔ ان کا لباس بہترین کپڑے سے تیار ہوتا تھا اور وہ اچھے سے اچھا جوتا پہنتی تھیں۔ ان کے لانبے لانبے سیاہ بال سنہری کانٹوں اور جواہرات سے آراستہ رہتے تھے۔ وہ جتنے کنگن اور انگوٹھیاں چاہتی تھیں پہنتی تھیں۔ ان کے پاس اتنے پنکھے تھے کہ دو دکان بھر جائے۔ اور انکی خوبصورت چھتریوں کا تو جواب ملنا مشکل تھا۔

ایک دن چائے کے وقت پیکو بولا:۔ "میرے بچو! میں کل مال خریدنے ایک لمبے سفر پر جا رہا ہوں۔ تم لوگ جو کہو تمہارے لئے لیتا آؤں گا"۔

موتی بولی:۔ "مجھے کچھ نہیں چاہئیے کیونکہ میں جو کچھ چاہتی تھی میرے پاس ہے"۔

"یہ بیکار بات ہے"۔ اس کا باپ کہنے لگا:۔ "میں تمہارے لئے ضرور کچھ لاؤں گا"۔

نارنجی کہنے لگی:۔ "مجھے جواہرات رکھنے کے لئے سیپ کا ایک ڈبہ چاہئیے"۔

اور گلابی نے فرمائش کی کہ "میں ایک نقشین چینی کا گلدان لوں گی"۔

"ہاں۔ تمہیں یہ چیزیں ملیں گی"۔ پیکو نے جواب دیا۔ "اور موتی! تمہارے لئے کیا لاؤں؟"

"کچھ نہیں"۔ اس نے جواب دیا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں یقیناً تمہارے لئے کچھ لاؤں گا"۔ اسکے باپ نے کہا۔ موتی ہنسنے لگی اور بولی:۔ "اگر آپ چین کی دیوار کے پاس جائیں اور آپ اس کا ایک ٹکڑا میرے لئے لیتے آئیں پھر میرے پاس ایک ایسی چیز ہوگی جو کسی کے پاس نہیں"۔ پیکو نے اپنا سر ہلایا اور کہا:۔ "تمہیں یہ بھی ملے گا اور ایک تحفہ بھی"۔

"نہیں صرف دیوارِ چین کا ایک ٹکڑا۔ مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے"۔ موتی نے جواب دیا۔

دوسرے دن صبح پیکو سفر کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب سب بہنیں جاگیں تو ان کے دل میں پہلا خیال اپنے باپ کے سفر اور تحفوں کا آیا۔ نارنجی نے پوچھا:۔ "موتی! تم دیوارِ چین کا ٹکڑا کیوں چاہتی ہو؟"

"میں تو نہیں چاہتی"۔ موتی بولی۔

"پھر تم نے اس کی فرمائش کیوں کی؟"

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

کھٹ بڑھئی

یہ بہت مدت کی بات ہے۔ اسوقت کی جبکہ سڑک اعظم کا نشان تک نہ تھا۔ صرف ایک کچا راستہ تھا جس پر امیر گھوڑوں پالکیوں اور بیل گاڑیوں میں سفر کرتے تھے اور غریب پیدل۔ سڑک کے کنارے ایک امیر بڑھیا رہتی تھی۔ جو کئی کھیتوں کی مالک تھی۔ بڑھیا سرخ پلے کی سلیٹی ساڑھی پہنتی تھی اور مسافروں کے ہاتھ پوریاں بیچتی تھی۔ دور دور تک اسکی پوریوں کی شہرت تھی۔ اور امیر مسافر مہنگے داموں پر انھیں خریدتے تھے۔ اس طرح اس نے بہت سا روپیہ کما لیا۔

ایک دن وہ بیٹھی پوریاں تل رہی تھی۔ خوب پھولی پھولی کہ صاف ستھرے کپڑے پہنے ایک تھکا ماندہ بوڑھا مسافر آکر اسکے دروازے پر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے، ایک پوری دے دو۔ بڑھیا مسافر کو بھک منگا سمجھ کر بہت خفا ہوئی۔ لیکن جب اس کی نظر بوڑھے کی پُر رحم آنکھوں اور ڈاڑھی پر پڑی تو اسنے اسے ایک چھوٹی سی پوری دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تھوڑا سا آٹا لیکر اس نے پوری گھڑی اور کھولتے ہوئے گھی میں ڈال دی۔

پوری تیار ہوکر بڑھیا کو اتنی ہی بڑی معلوم ہوئی جتنی اور پوریاں تھیں۔ اس کا دل نہ چاہا کہ اتنی بڑی پوری فقیر کو دے۔ اس نے دوبارہ پہلے سے بھی کم آٹے کی پوری تلی۔ لیکن یہ پوری دینے کو بھی اسکا دل نہ چاہا۔ اسلئے اس نے بوڑھے سے کہا کہ " بغیر پیسے لئے میں تمہیں پوریاں نہیں دے سکتی کہیں اور جاؤ۔" اتنا سنتے ہی مسافر تن کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا بوڑھا جوگی تھا۔ بوڑھے نے اپنی دہکتی ہوئی آنکھیں بڑھیا پر گاڑدیں اور کہا کہ میں ہمالیہ سے راس کماری تک ہو آیا ہوں لیکن ایسی کنجوس عورت کہیں نہیں دیکھی تیرا دل اتنا چھوٹا ہے کہ تو کسی حاجت مند کو بغیر نفع کمائے ذراسی بھی چیز نہیں دے سکتی۔ لیکن اپنے لئے دنیا کا تمام آرام اور چین چاہتی ہے۔ یہ کہکر اس نے اپنا پیر زمین پر مارا اور کہا۔ "تو کھانا حاصل کرنے کے لئے صبح سے شام تک لکڑی پھوڑا کرے گی اور اپنی زندگی کے دن نہایت مصیبت میں کاٹیگی۔"

یہ کہتے ہی آگ سے دھوئیں کا بادل اٹھا اور بڑھیا کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اسکے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور بڑھیا کو اڑا کر درختوں میں لے گیا۔ بڑھیا کھٹ بڑھئی بن چکی تھی۔

اب بھی تم کھٹ بڑھئی کو کھانے کی تلاش میں درختوں پر کھٹ کھٹ کرتے دیکھ سکتے ہو۔ اس کا جسم سلیٹی ہوتا ہے اور سر لال بالکل بڑھیا کی ساڑھی کی طرح۔

سوداگر کی بیٹی ـــــ بقیہ صفحہ ۱۹ سے

"اوہ۔ صرف اسلئے کہ مجھے کچھ نہ کچھ مانگنا تھا اور اچانک میرے دل میں سکا خیال آگیا۔ جانے کیوں! میں رات بھر یہی خواب دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں ہتھوڑوں کی آواز سن رہی ہوں اور کوئی اداس لے میں گا رہا ہے:- جو دیوار توڑیگا نیچے گرے گا۔"

"کچھ بھی نہیں۔" گلابی کہنے لگی۔ "ابا دیر تھوڑی چڑھیں گے۔ جہاں تک ان کا ہاتھ پہونچے گا وہیں سے ایک ٹکڑا توڑلیں گے۔" لیکن موتی کچھ نہ بولی، کیونکہ اسکے کانوں میں اب بھی آواز آرہی تھی۔ "جو دیوار توڑیگا نیچے گریگا!" اسے یہ آواز بری لگ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ لمحہ بھر کیلئے یہ بند ہو جائے۔ لیکن آواز جاری رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چائے کی پیالی سے، فوارے کی دھار سے، فاختہ کے گانے سے، گھنٹیوں کی صدا سے غرض ہر طرف سے یہی آواز آرہی ہے۔ اور اس نے تقریباً اسے بہرا کر دیا۔ آخر وہ کہنے لگی۔ "کاش میں نے دیوار کے ٹکڑے کی فرمائش نہ کی ہوتی!" (باقی آئندہ)

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!
لیگ کے نئے ممبر یہ ہیں:۔

(۸۵) اوشا رانی۔ اجمیر (۸۶) محمد یونس خاں بھوپال (۸۷) دھرم پال جین۔ انبالہ۔ (۸۸) ایس۔ ایم بشیر۔ کانپور (۸۹) دینکرداس کٹک (۹۰) غلام حسن برہان پور سی۔ پی (۹۱) اجمل خاں فاروقی دہلی (۹۲) عبد الکریم سیوانی۔ کراچی (۹۳) سید ذبیر علی رضوی مرشد آباد (۹۴) محبوب الٰہی۔ گردھہ (۹۵) نگہت فاطمہ انیس۔ لکھنؤ (۹۶) سرن گوردیو سنگھ بھوانی حصار۔ (۹۷) سیدہ عنایت فاطمہ مارہروی۔ ایٹہ (۹۸) سنیہ پال سونی۔ لائل پور (۹۹) عبد الحفیظ محمد عمر۔ بمبئی (۱۰۰) قمر سعید کانپور (۱۰۱) حسن بانو آسنسول (۱۰۲) محمد مرتضیٰ صدیقی آسنسول (۱۰۳) فخر الدین پرتاب گڈھ (۱۰۴) صغیر منظور کنتوانی۔ لکھنؤ (۱۰۵) مس عائشہ۔ کراچی (۱۰۶) محمد ابن عبد الکریم بمبئی۔ (۱۰۷) قمر سلیمان وینام باڑی (۱۰۸) نثار احمد۔ کلکتہ۔ (۱۰۹) کسم کیشو لال دوشی۔ بمبئی (۱۱۰) عبد الحمید سماسنہ (۱۱۱) سید سرفراز حیدر آباد دکن (۱۱۲) اے۔ عذرا میران شاہ شمال مغربی سرحدی صوبہ۔

ہم انھیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی لیگ کے ایک ممبر لچھمی نراین کی موت کا افسوسناک اعلان۔ اور مرحوم کے والدین سے انتہائی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

جنوبی افریقہ سے ایک ممبر رحمت بی بی (عمر بارہ سال) ہندوستان میں کسی ہم عمر لڑکی کو قلمی دوست بنانا چاہتی ہیں تم میں سے جو انھیں خط لکھنا چاہے وہ مجھے اطلاع دے فقط

تمھاری خالہ

مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ____________________

چندہ بھیجنے کی تاریخ ____________ چندہ ختم ہونے کی تاریخ ____________

ام ____________________

مہینہ اور سال پیدائش ____________________

ت کا نام ____________________

____

____

دستخط ____________

تاریخ ____________

کیمرے کے بغیر تصویر اُتارنا

لوگوں کا خیال ہے کہ بغیر کیمرے کے تصویر نہیں اتاری جاسکتی۔ یہ بات بالکل غلط ہے اس صفحے پر جو تصویریں ہیں وہ کیمرے کے بغیر لی گئی تھیں۔ اور ان کی تیاری میں صرف آدھ گھنٹہ لگا۔

اگر تم ایسی تصویریں بنانا چاہو تو دوکان سے "سیلف ٹوننگ پیپر" Selftoning paper کا ایک پیکٹ خرید لاؤ۔ یہ زیادہ مہنگا نہیں ملتا۔ ایک پیکٹ کاغذ ۱۲ بڑی یا ۴۸ چھوٹی تصویروں کے لئے کافی ہوگا۔ ایک پونڈ "ہائپو" Hypo خرید لو۔ اب تم آسانی سے تصویریں اتار سکتے ہو۔

پیکٹ میں سے جو کاغذ نکلیگا اس کا ایک رُخ چمکتا ہوا ہوگا۔ اگر تم اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر باہر روشنی میں لے جاؤ تو تھوڑی دیر میں کاغذ کا چمک دار رُخ کالا ہوتا جائے گا۔ لیکن وہ حصہ جو تمہاری انگلیوں کے نیچے دبا ہوا ہوگا وہ سفید رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس حصے پر تمہاری انگلی تھی وہاں پر روشنی نہیں پہنچ سکی۔ اگر تم ایک پتّی اس کاغذ پر رکھ کر تھوڑی دیر دھوپ میں رکھ دو تو پتّی کی تصویر اس پر اتر آئے گی۔ پتّی کو کاغذ پر اس طرح رکھو کہ وہ مڑنے نہ پائے۔ اس مقصد کے لئے ایک شیشے کا ٹکڑا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ایک گتّے کا ٹکڑا اور اسی سائز کا ایک شیشے کا ٹکڑا لو۔ جب کبھی تم پتوں کی یا اور قدرتی مناظر کی تصویریں اتارنا چاہو تو پتیاں یا تصویر شیشے پر رکھ کر اس پر "سیلف ٹوننگ پیپر" رکھو اور اس پر گتّا رکھ کر الاسٹک یا ڈوری سے اسے اس طرح باندھ دو جیسا کہ تصویر نمبر ا میں دکھایا گیا ہے۔ پھر اسے دھوپ میں رکھ دو۔ شیشے میں سے تم دیکھ سکتے ہو کہ کاغذ کالا ہوتا جا رہا ہے۔ جب وہ بالکل سیاہ ہو جائے تو اسے اندر لے آؤ دو چائے کے چمچے ہائپو ایک تام چینی کے برتن میں ڈال کر پانی ملاؤ۔ جب ہائپو گھُل جائے تو وہ کاغذ جس پر تصویر اتاری ہے اس میں ڈال کر دس منٹ تک رہنے دو۔ پھر نکال کر صاف پانی کے برتن میں دھوؤ۔ برتن کو نل کے نیچے رکھ کر پانی کھول دو۔ دو گھنٹے تک تصویر کو پانی میں رہنے دو۔ پھر نکال کر سُکھا دو۔ تم یہ دیکھو گے کہ اس تصویر میں سفید حصّے تو سیاہ آئے ہیں۔ اور سیاہ حصّے سفید۔ اگر تم اسے بالکل اصل تصویر کی طرح کرنا چاہتے ہو تو اس تصویر کی تصویر اتارو۔ اور یہ دوسری تصویر بالکل اس تصویر جیسی ہوگی جس کی تم نقل کر رہے ہو۔
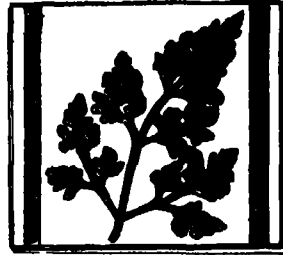
(بک آف نالج)

بتائیے

پہلی نظر میں تو یہ سب ڈیزائن ایک سے معلوم ہوتے ہیں لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ ان میں سے صرف دو بالکل ایک سے ہیں۔ بتائیے وہ کونسے ہیں۔
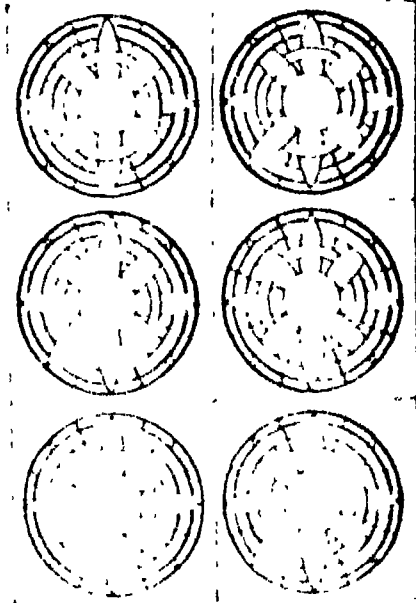
دیاسلائیوں کا مربع

چار دیاسلائیاں میز پر اس طرح لگائیے کہ جمع کا نشان بن جائے۔ پھر اپنے کسی دوست سے پوچھیے کہ کیا وہ صرف ایک دیا سلائی جگہ سے ہلا کر مربع بنا سکتا ہے۔

شہزادیاں اور گھڑیال

دو بچوں کو بیچ میں گھڑیال بنا کر بٹھا دیتے ہیں اور باقی بچوں کی دو پارٹیاں کرکے انھیں شہزادے اور شہزادیاں بنا دیا جاتا ہے۔ دونوں گھڑیالوں کی آنکھ پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔ اور وہ بیچ میں آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے درمیان ۴ فٹ کا فاصلہ رہنا چاہئے۔ کمرے کے ایک سرے پر شہزادیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ کھیل یہ ہے کہ دوسرے سرے پر کھڑے ہوئے شہزادے گھڑیالوں کے بیچ میں سے گزر کر شہزادیوں کو اس طرح بچائیں کہ ذرا بھی آہٹ نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی گھڑیال آہٹ سُن پائے تو وہ اس جگہ کی طرف اشارہ کرے گا جہاں سے آواز آئی تھی۔ اگر اس جگہ کوئی شہزادہ ہوگا تو وہ کھیل میں سے نکال دیا جائیگا۔

شہزادہ گھڑیالوں کے بیچ میں سے گزر کر شہزادیوں کی طرف جاتا ہے اور ایک شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ گھڑیالوں کے بیچ میں سے گزرتا ہے۔ اگر گھڑیال آہٹ سن لیں تو دونوں کو کھیل میں سے نکال دیا جائے گا۔ جب تمام شہزادے کھیل میں سے نکل جائیں تو اور دو لڑکوں کو گھڑیال بنا کر بٹھا دیتے ہیں اور شہزادے شہزادیاں بن جاتے ہیں اور شہزادیاں شہزادے۔ اور کھیل اسی طرح جاری رہتا ہے۔

پچھلے مہینے کے معمے "وائرلیس کا ڈبہ" کا

حل:-

نونہال

اپریل سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۶

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

دیس بدیس کے جانور

زیبرا گاڑی کھینچتا ہوا شاید ہی کبھی نظر آیا ہوا۔ لیکن میسور کے عجائب گھر والوں نے اسے گھوڑے کا کام کرنا سکھا دیا ہے اور یہ بڑی ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیتا ہے۔

"ناشتے کا وقت!" ایک مادہ لنگور کی دلچسپ تصویر جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے!

یہ دو اونٹ دن کا کام شروع کرنے سے پہلے ملتے ہیں تو کہتے ہیں:۔
"آداب عرض! مزاج شریف؟"

گدھے کے چھوٹے قد سے اسکی زبردست طاقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا ہمارا یہ
[illegible]

مارچ کے آخر میں کیبنٹ کے تین وزیروں کا مشن ہندوستان آرہا ہے یہ لوگ ہندوستان کے سیاسی معاملات سلجھانے کے لئے ایک کانفرنس کریں گے۔ ایران کے وزیر اعظم موسیو قوام السلطنت ایرانی معاملات کے بارے میں بات چیت کرنے روس گئے تھے وہ اب واپس ایران آگئے ہیں اس بات چیت کا کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔ ماسکو ریڈیو کی ایک خبر سے پتہ چلتا ہے کہ مالی معاملات کے متعلق تجویزوں کا ایک مسودہ تیار ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم کے روس جانے کے متعلق ماسکو کے ایک سرکاری اعلان میں کہا گیا ہے کہ دونوں حکومتیں معاملات سلجھانے کی پوری کوشش کریں گی۔ اور ایران میں ایک نیا روسی سفیر مقرر کیا جائیگا۔ تاکہ دوستانہ تعلقات بڑھیں لیکن ایران میں عام طور پر بے چینی بڑھ رہی ہے۔ امریکہ نے روسی فوجوں کے ایران سے نہ ہٹنے پر آواز اٹھائی ہے۔ روسیوں کو اپنے عہد کے مطابق ۲ مارچ تک ایران سے سب فوجیں ہٹا لینی چاہئے تھیں۔

انڈونیشیا میں ڈچ حکومت اور انڈونیشیا والوں کے درمیان باقاعدہ طور پر بات چیت شروع ہونے والی ہے۔ اب تک ڈچ حکومت کی تجویزوں کے متعلق انڈونیشیا کی نیشنل کمیٹی نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔

ایران کے اس علاقے میں جو روسیوں کے قبضے میں ہے روسی فوجوں نے تمام بینکوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اتحادی کمانڈروں کی ایک میٹنگ میں اس بات پر احتجاج کیا گیا۔

۱۹۴۳ء میں حکومت ہند نے صحت عامہ کی چھان بین کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی اب کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سب لوگوں کو طبی امداد پہنچانی چاہئے خاص کر ان غریبوں کو جو علاج پر روپیہ خرچ نہیں کر سکتے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ لوگوں کو ایسے ماحول میں رہنا چاہئے جہاں صحت اچھی رہ سکے اسلئے عمدہ مکانات بنوانے چاہئیں۔ اب تک گاؤں میں رہنے والوں کی طرف کچھ توجہ نہیں دی گئی تھی۔ لیکن در اصل یہی لوگ ہمارے ملک کی جان ہیں اسلئے ہمیں ان لوگوں کا خاص خیال رکھ کر زیادہ سے زیادہ طبی سہولتیں انھیں پہنچانی چاہئیں۔

نئی اسکیم کو چلانے کے لئے ہمیں بہت سے ڈاکٹروں، نرسوں، اور ہسپتالوں کی ضرورت پڑے گی۔ اسکے علاوہ روپے کی بھی ضرورت ہوگی۔ لیکن سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ سب لوگ مل جل کر کام کریں۔ وہ لوگ جو زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اور بہتر حالات میں ہیں انھیں چاہئے کہ لوگوں کو حفظانِ صحت کے متعلق سکھائیں۔ تمہارے آس پاس جو اَن پڑھ لوگ رہتے ہوں انھیں تم صفائی، ستھرائی کی عادتیں سکھا سکتے ہو۔ اور جب کوئی ان کے گھر میں بیمار پڑے تو یہ رائے دے سکتے ہو کہ وہ کیا کریں۔ خالی وقت میں انھیں ہاتھ کا کام یا کوئی صنعت بتا سکتے ہو۔ انسان کی خدمت خدا کی خدمت ہے۔ تم ایک دفعہ تجربہ کر کے دیکھو کہ خدمت کرنے سے کتنی روحانی تسکین ملتی ہے۔ تمہارا دل یہ چاہیگا کہ تمہیں ہمیشہ ایسے موقعے ملتے رہیں

فسانۂ آزاد

(حصہ سوم)

دگلے والی پلٹن کے کمیدان

کہانی کے پہلے حصے میں تم میاں آزاد کے مسخرے دوست
خواجہ بدیع الزماں عرف خوجی کا حال پڑھ چکے ہو۔ یہ بھی کون
کی طرف سے کئی لڑائیوں میں لڑے۔ نیچے انھیں میں سے ایک
لڑائی کا حال درج کیا جاتا ہے۔

دگلے والی پلٹن کے کمیدان میاں خوجی ترکی فوج کے پڑاؤ میں گھوڑے بیچ کر غافل سو رہے تھے کہ اچانک فوج روس سے جنگی بگل کی آواز بلند ہوئی۔ فوراً ہیڑے میں خبر کر دی گئی اور ادھر بھی بگل بجنے لگا۔ خوجی سخت گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ حیرت تھی کہ یہ صدا کہاں سے آنے لگی۔ اس شور وغل اور فوج کی ہل چل سے خواجہ صاحب سابق کمیدان دگلے والی پلٹن کی نیند میں خلل پڑا۔ " او گیدی خبردار" کہہ کر اٹھ بیٹھے اور ڈپٹ کر پوچھا! " یہ کیا ہوا بابا، مجھ بدیعا کو بتاؤ۔"

ترک اس وقت کمر کس کر لیس ہو گئے اور دونوں طرف سے فوج آراستہ ہوئی۔ دریا کے اِدھر ترکی، اُدھر روسی۔ مگر دریا خشک ہو گیا تھا۔ بیچ میں صرف تھوڑا پانی تھا۔ خوجی نے دریا کی صورت دیکھی تو کانپ اٹھے۔ کہا: " اے دریائے بیرحم، اگر خشکی کی لڑائی ہوتی تو خواجہ بدیع بھی آج جوہر دکھاتا۔ دگلے والی پلٹن کا کمیدان ہوں یا باتیں ؟"۔

اتنے میں رن مہتابیں بجلی کی طرح کوندنے لگیں اور خوجی نے للکارنا شروع کیا، " اے روسیان! میری تلوار سے ڈرو۔ بیچ فوج میں داخل ہو کر ٹکڑے ٹکڑے

کردوں گا۔ میری گرد تک کو نہ پاؤ گے۔ اور گیدی ہم چھپنے والا نہیں ہے۔"

یوں تو سب افسر اور سپاہی اور سوار اور گولہ انداز کے دل امنگوں پر تھے۔ مگر خواجہ بدیع صاحب سب سے زیادہ للکارتے تھے کہ " اے گیدیان خر اگر دریا اس وقت میرے دماغ کی طرح سوکھ جائے تو پھر مزہ دکھلاؤں۔"

گولہ چلنے لگا۔ ایک ترک انجنیئر نے کہا کہ آدھ میل کے فاصلہ پر خفیہ طور پر کشتیوں کا پُل باندھنا چاہئے۔ ایک افسر نے فوراً حکم دیا کہ اس مقام سے ڈیڑھ کوس پر جو پینتیس کشتیاں ہیں وہ یہاں آئیں۔ اسی دم دو سوار گھوڑے کڑکڑاتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک خوجی تھے۔

خوجی:۔ پینتیس کشتیاں یہاں سے آدھ کوس پر موجود ہیں۔ میں نے سوچا کہ جب تک تم حکم دو گے کہ کشتیاں آئیں تب تک خدا جانے یہاں کیا ہو جائے۔ لہٰذا کشتیوں کو فوراً یہاں لے آیا۔

کمانیر نے خواجہ صاحب کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا۔ " شاباش۔ اس وقت بڑا کام کیا۔" خوجی اکڑ گئے۔ " اجی

ہم جنگ آزما سپہ سالار ہیں۔ آج ہم دکھا دیں گے کہ ہم کون ہیں۔ خدا نے چاہا تو نشان کا جھنڈا چھین لوں اور ایک ایک کو چُن چن کے ماروں۔"

جب پُل تیّار ہو گیا تو افسر کمانیر نے چند سوار اس پار بھیجے۔ خواجہ صاحب اس کالم کے ہمراہ تھے۔ پُل کے بیچ میں پہونچ کر ایک دفعہ غل مچایا۔" اوگیدی ہم آن پہونچے۔"

ترکوں نے ان کا منہ دبایا اور کہا چپ۔ ارے کمبخت آواز نہ نکال۔ خاموش رہ۔"

خواجہ صاحب آہستہ سے بولے۔" اچھا اچھا۔ میں کوئی پاگل تو ہوں نہیں مگر ہمت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ آج ان گیدیوں کو نیچا دکھاؤں گا۔"

اتنے میں ترکی کالم اس پار آگیا۔ افسر کمانیر نے ایک کالم اور بھیجا۔ وہ بھی پہونچ گیا۔ اندھیری رات سے ترکوں کو بڑا فائدہ ہوا۔ روسی لڑائی میں مصروف تھے۔ ان کو کیا خبر تھی کہ ترکی کیا کارروائی کر رہے ہیں۔

خوجی۔" آؤ ہم اور دو چار سوار ذرا آگے بڑھ کر دیکھیں تو کیا ہو رہا ہے۔

سوار۔" چلو مگر زمین دوز ہو کر چلنا ہوگا۔ چاپ نہ ظاہر ہونے پائے۔"

خوجی۔" ہونہہ۔ اجی ہم دگلے والی پلٹن کے کپتان تھے۔"

سوار۔" مگر کہیں آپ غل نہ مچائیں کہ لینے کے دینے پڑیں۔"

خوجی۔" اے لاحول۔ ایسی بات ہے بھلا! ہم اور غل مچائیں؟ کیا مجال۔"

خواجہ صاحب تین چار ترکوں کو ساتھ لے کر دریا کے کنارے کنارے گھٹنوں کے بل چلے۔ تھوڑی دور نکل کر دیکھا کہ کئی آدمی پڑے سسک رہے ہیں۔ پہلے خوجی سمجھے کہ بھتنے ہیں۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ترکی بھی کسی قدر جھجکے۔ مگر اس وقت تو خواجہ صاحب ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ تلوار میان سے نکال کر جھپٹے اور غل مچا کر کہا۔" اوگیدی... بھرف اسی قدر کہہ چکے تھے کہ ساتھیوں نے سمجھایا۔" ازبرائے خدا غل نہ مچاؤ۔"

تھوڑی دیر تک خوجی اور ان کے ہمراہی بیٹھے جنگ کا رنگ ڈھنگ دیکھا کیے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ فوج روس تھک گئی تو فوراً اپنے لشکر میں آئے۔ اس عرصے میں ترکوں کے کئی ہزار آدمی مع سامانِ جنگ دریا پار کر آئے تھے۔ مگر افسر کمانیر کو مناسب معلوم ہوا کہ ابھی کئی گھنٹے تک حملہ نہ کیا جائے۔

جب افسر کمانیر نے حملہ کا حکم دیا تو ترکوں کا ایک کالم فوراً دشمن پر حملہ آور ہوا۔ روسی ادھر ترکوں سے لڑ رہے تھے۔ اس کالم نے ان کے ہوش اڑا دئے۔ اب سنئے کہ ایک جگہ پر کسی زمانے میں سلطان ترکی نے نہر کاٹنے کی فکر کی تھی اور بہت گہری نہر کھودی گئی تھی۔ اس نہر میں پانی بھرا ہوا تھا۔ مگر نہر اس قدر تنگ تھی کہ گھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔

آمنے سامنے اِدھر ترکی، اُدھر روسی کھڑے ہوئے۔ اور بندوق چلنے لگی۔ دائیں، دائیں، دائیں، دائیں۔ روسی پڑھے لکھے لڑتے تھے اور ترکی دو جانب سے۔ کچھ فوج دریا کے اُس پار تھی، کچھ اس پار، روسی گھبرا اٹھے۔ خون خشک ہوگیا۔ ٹھان لی کہ بھاگ چلیں۔

فوراً بھاگنے کا حکم ہوا اور روسی سواروں نے گھوڑے پھیرے۔ اچانک خوجی نے گھوڑے کو ایڑ دی تو گھوڑا چاروں پتلیوں سے نہر کے پار تھا۔ ترکوں کی فوج سے نعرہ سبحان اللہ بلند ہوا اور خوجی نے بھاگتے سواروں میں سے سات آدمیوں کا کام تمام کردیا۔ ترکوں نے پھر نعرہ مارا۔ سواران روس بھاگتے تو تھے ہی انھوں نے پیچھے پھر کے بھی نہ دیکھا کیا ہورہا ہے۔ ادھر خواجہ صاحب تعریف کے نعرے سنکر ایسے خوش ہوئے کہ پرے میں گھس گئے اور تلوار پھیرنے لگے۔ اللہ اللہ یہ وہی خواجہ بدیع ہیں۔ شاباش!

روسی سواروں نے دم کے دم میں میدان خالی کردیا۔ ترکوں نے سامان رسد اور گولہ بارود اور تین توپیں لوٹ لیں۔ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ خواجہ بدیع صاحب کے نام فتح لکھی گئی۔ حضرت خواجہ صاحب کے دماغ ساتویں آسمان پر تھے۔ صورت دیکھنے کے قابل تھی۔ اکڑے کھڑے تھے۔ بل پر بل کھاتے تھے۔ حکم دیا کہ جنرل فوج سے کہو آج ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ انھوں نے منظور کیا۔ کھانے کے دوران میں کہا کہ ہم نے حضور وزیر جنگ درخواست کی ہے کہ تم کو اس کارنامے کا انعام دیں۔ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔

خوجی: "اتنا ضرور لکھیئے گا کہ یہ شخص دگلے والی پلٹن کا کیدان بھی تھا۔"

سپہ سالار: "مگر ہم تو اس کے معنی نہیں سمجھے۔ دگلے والی کیا معنی؟"

خوجی: "شاہی میں ایک بڑی جری اور دلاور پلٹن کا نام تھا۔"

سپہ سالار: "شاہی کس سے مراد ہے؟ اچھی طرح مطلب سمجھاؤ صاحب!"

خوجی: جان عذاب میں ہے۔ یہاں ترکی بول نہیں سکتے۔ ٹوٹی پھوٹی بول سکتے ہیں۔ اور یہ ہندی کی چندی نکالتے ہیں۔ بڑی مشکل آن پڑی ہے۔ ارے صاحب واجد علی شاہ کے زمانے کو شاہی زمانہ کہتے ہیں کہ نہیں؟ اودھ کی سلطنت کا حال معلوم ہے کہ نہیں معلوم؟ اودھ سے بڑھکر اور کوئی سلطنت تھی جہاں دس ہزار ہاتھی جھومتے تھے۔"

سپہ سالار: "آپ کے مزاج میں وحشت بہت ہے۔ ہم کیا پوچھتے ہیں اور آپ کیا جواب دیتے ہیں۔"

خوجی: "ارے صاحب اودھ، اودھ۔ نام سنا ہے یا نہیں؟ مشہور ملک ہے۔"

سپہ سالار: "ہمنے نہیں سنا۔ حبش میں ہے یا نئی دنیا میں۔ ہے کہاں؟"

خوجی: "(اپنے دل میں) نرے جانگلو ہی رہے۔ حبش کی ایک ہی کہی۔"

سپہ سالار: "ہمنے سفارش کی ہے کہ آپ کو کوئی خطاب ملے۔ ہے پسند؟"

خوجی: "واہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔"

تھرمامیٹر

شاید تم نے اسکول کی دیوار پر لگا ہوا ایک تھرمامیٹر دیکھا ہو ۔ جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ہوا میں کتنی گرمی ہے۔ ڈاکٹر یا نرس جو تھرمامیٹر مریضوں کے منہ میں بخار دیکھنے کے لئے رکھتے ہیں وہ بھی تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔ تھرمامیٹر کے لفظی معنی ہیں "حرارت ناپنے والا" لیکن تھرمامیٹر دراصل حرارت نہیں ناپتا بلکہ صرف درجۂ حرارت بتاتا ہے۔

اگر ایک لکڑی پر فٹوں اور انچوں کے نشان لگا دئے جائیں اور پھر اسے کسی حوض میں کھڑا کیا جائے تو اس طرح پانی کی گہرائی نپے گی۔ پانی نہیں۔ تھرمامیٹر پانی ہوا اور انسانی جسم کے درجۂ حرارت میں جو فرق پیدا ہوتا ہے وہ بتاتا ہے۔

پہلا تھرمامیٹر مشہور اطالوی سائنسدان گیلی لیو نے ۳۵۰ برس قبل ہوا کی گرمی ناپنے کے لئے بنایا تھا۔ یہ ایک شیشے کی نلی تھی جسکا ایک سرا پھولا ہوا تھا اس کو گرم کرکے پانی کے پیالے میں رکھ دئے تھے۔ جوں جوں نلی ٹھنڈی ہوتی تھی پانی اس میں چڑھتا جاتا تھا کیونکہ نلکی کے اندر کی ہوا جب گرم ہوتی ہے تو زیادہ جگہ گھیرتی ہے لیکن ٹھنڈی ہوکر سکڑ جاتی ہے اور نلکی میں جگہ خالی چھوڑ دیتی ہے۔ یہ خالی جگہ پانی گھیر لیتا تھا۔ جتنا پانی ٹیوب میں چڑھتا تھا اس سے اندازہ لگا لیا جاتا تھا کہ ہوا میں کتنی گرمی ہے، بعد میں پانی کی جگہ الکوحل کا استعمال ہونے لگا۔ ۱۶۷۰ عیسوی میں پہلی مرتبہ پارے کا استعمال کیا گیا۔ ڈاکٹر کے تھرمامیٹر میں ہلکی سی لکیر پارے ہی کی ہوتی ہے۔ پارے سے بہت صحیح طور پر حرارت کا درجہ معلوم ہوجاتا ہے۔

اگر تم تھرمامیٹر بنانا چاہتے ہو تو پہلے ایک شیشے کی نلی لو۔ جسکا ایک سرا پھولا ہوا ہو۔ پھر اس پھولے ہوئے حصے میں ذرا اوپر تک اس طرح پارہ بھرو کہ نلی کا بڑا حصہ خالی رہے پھر پارے کو جوش دو۔ گرمی سے پارے کا کچھ حصہ بھاپ بن کر ٹیوب کے باہر جانے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت نلی کا سرا بند کرکے پارے کو ٹھنڈا ہونے دو۔ اس طرح سے نلی میں خلا پیدا ہوجائیگی اور اس کی وجہ سے پارہ پھیل اور سکڑ سکیگا۔ پارہ گرم ہوکر پھیلتا ہے اور ٹھنڈا ہوکر سکڑتا ہے۔ اس طرح پارے کی سطح سے ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کتنا گرم ہے۔ اگر کسی کمرے میں تھرمامیٹر رکھ دیا جائے تو پارہ کمرے کے درجۂ حرارت کے مطابق پھیلے گا۔ اگر کسی ایسے شخص کے منہ میں تھرمامیٹر لگایا جائے جسے بخار ہو تو پارہ گرم ہوکر پھیل جائیگا۔

تھرمامیٹر کے اوپر چھوٹی چھوٹی لائنیں اور نمبر پڑے ہوتے ہیں یہ حرارت کے پیمانے ہیں، ہندوستان، سلطنت برطانیہ۔ اور امریکہ میں فارن ہائٹ پیمانہ استعمال ہوتا ہے۔ یہ نام ایک جرمن سائنسدان کی وجہ سے پڑا جس نے ۱۷۱۴ء میں اسے ایجاد کیا۔ دوسرا پیمانہ جو یورپ میں رائج ہے یا سائنس میں استعمال ہوتا ہے وہ سینٹی گریڈ کا پیمانہ ہے۔ یہ سویڈن کے سائنسدان سلیس نے ۱۷۲۵ء میں ایجاد کیا تھا۔
فارن ہائٹ میں پانی کے جمنے اور اُبلنے کے درمیان ۱۸۰ ڈگریاں یا برابر کے حصے ہوتے ہیں۔ اس پیمانے کے مطابق ۳۲ ڈگری پر پانی جم جاتا ہے۔ لیکن پیمانہ صفر ڈگری سے شروع ہوتا ہے، ۲۱۲ ڈگری پر پانی ابلنے لگتا ہے۔ سینٹی گریڈ میں اُبلنے اور جمنے کے درمیان صرف ۱۰۰ ڈگریاں ہوتی ہیں۔ اور پانی جمنے کا درجہ ° سینٹی گریڈ سے شروع ہوتا ہے۔ اسلئے ۳۲ ڈگری فارن ہائٹ یا ۰ ڈگری سینٹی گریڈ کہنا ایک ہی بات ہے۔

تھرمامیٹر بنانے میں سب سے مشکل کام پیمانہ معین کرنا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہونا چاہئے۔ ورنہ اس سے ٹھیک ناپ نہ ہوسکے گی۔ ڈاکٹر اور نرسیں جو تھرمامیٹر استعمال کرتے ہیں وہ بہت ہوشیاری سے بنتے ہیں اور پرکھے جاتے ہیں۔

جسم کا درجۂ حرارت معلوم کرنے کے لئے بہت نازک آلے کی ضرورت ہے تاکہ درجۂ حرارت میں خفیف سے خفیف فرق معلوم ہوسکے اور ڈاکٹر مرض کی صحیح تشخیص کرکے اسکا علاج کرسکے۔

(ا ی۔ کے۔ مترا)

کدّو میاں

اور فتح کی پریڈ

(۶)

کدّو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ ان کے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے ؛

کدّو میاں اور شانٹے کلیر نے سوچا کہ ساتھ ساتھ فتح کی پریڈ دیکھنے جائیں۔ چنانچہ وہ تیار ہو کر روانہ ہو گئے۔ سڑکوں کے کنارے لوگوں کی بھیڑ لگی تھی جو جلوس دیکھنے کے انتظار میں کھڑے تھے ؛

کدّو میاں اور شانٹے کلیر پیچھے کیونکر رہتے ؟ لوگ چلّاتے رہے لیکن انھوں نے بھیڑ میں سے راستہ نکال ہی لیا۔ اتنے میں کہیں توپ دغی۔ کدّو میاں کے حواس گم ہو گئے اور وہ اُچک کر بیچ سڑک پر پہونچے۔

اتنے میں سواروں کا ایک مجمع گھوڑے کڑکڑاتا آ پہونچا۔ بیچارے کدّو کی سمجھ میں نہ آیا کہ کدھر جائیں۔ چنانچہ وہ سواروں کے آگے ہی آگے بھاگے اور جلوس بالکل نہ دیکھ سکے۔

اقبال — شاعرِ مشرق

از عزیز احمد

اس مہینے کی ۲۱ تاریخ کو ہندوستان نے اپنے مشہور سپوت ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال کا یوم وفات منایا جو شاعرِ مشرق کے نام سے مشہور ہیں اور آٹھ سال پہلے اسی دن اس دُنیا سے رخصت ہوئے تھے۔

اقبال ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو سیالکوٹ کے ایک مشہور کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے دنوں میں ان کی ملاقات عربی فارسی کے ایک زبردست عالم مولوی سید میر حسن سے ہوئی جنھوں نے ان کے دل میں ان دو زبانوں اور ان کے ادب کا شوق پیدا کر دیا۔

۱۸۹۵ء میں اقبال اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوگئے۔ وہاں وہ مشہور انگریز فلسفی پروفیسر آرنلڈ کے محبوب شاگرد رہے۔ تعلیم ختم کرکے کچھ دنوں تک اقبال اپنے ہی کالج میں لکچرر رہے۔ پھر ۱۹۰۵ء میں وہ انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں "ایرانی تصوف" پر تحقیقات شروع کی۔ اس کام میں انھیں پروفیسر آرنلڈ سے بڑی مدد ملی جو اسوقت انگلستان واپس پہونچ چکے تھے۔

تحقیقات ختم کرنے کے بعد اقبال کو کیمبرج اور میونخ کی یونیورسٹیوں نے فلسفے میں ڈاکٹری کی ڈگریاں دیں۔ ۱۹۰۸ء میں انھوں نے بیرسٹری پاس کی اور ہندوستان واپس آکر لاہور میں وکالت شروع کر دی۔

اقبال کے شاعرانہ جوہر بہت جلدی طالبعلمی ہی کے زمانے میں کھل گئے تھے لیکن جس نظم نے سب سے پہلے انھیں مشہور کیا وہ ہمالیہ کے قدرتی مناظر پر تھی۔ یہ آسان، سلیس اور رواں انداز میں ہے اور بچوں میں بہت مقبول ہے۔

اقبال کی نظموں کا پہلا مجموعہ بانگِ درا ۱۹۲۴ء میں چھپا۔ اس کے بعد اچانک اقبال نے یہ محسوس کیا کہ اردو میں لکھنے سے ان کا پیغام صرف ہندوستانیوں تک پہونچ سکتا تھا حالانکہ اپنی شاعری میں وہ مشرق کی ساری قوموں کو خطاب کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے فارسی اور انگریزی میں بھی لکھنا شروع کر دیا۔ فارسی میں ان کی پہلی نظم "اسرارِ خودی" تھی جس نے ان کو ایران، افغانستان، ترکی اور روس تک مشہور کر دیا۔ ۱۹۲۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نکلسن نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا اور اقبال کی شہرت انگلستان اور امریکہ میں بھی پھیل گئی۔ کتاب کے کچھ حصّوں کا ترجمہ جرمن اور اطالوی زبانوں میں بھی ہوا اور اسی طرح اقبال ساری دنیا میں مشہور ہوگئے۔

"اسرارِ خودی" کے بعد اقبال نے اردو اور فارسی میں بہت سی کتابیں لکھیں اور آخری دم تک وہ ان دو زبانوں کے ادب کو مالامال کرتے رہے۔ اقبال نئے ہندوستان کے ان چند گنے چنے شاعروں میں سے ہیں جو دُنیا بھر میں مشہور ہوئے۔

مغربی ملکوں کے فلسفیوں اور اقبال میں بہت سی باتیں ملتی جلتی تھیں جیساکہ ایک بار اقبال نے ایک دوست کو لکھا تھا، انھوں نے یورپ کے فلسفے کا اتنا گہرا مطالعہ کیا تھا کہ وہ ان کی طبیعت میں رچ بس گیا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ مشرق کے صوفی شاعروں مثلاً رومی، سنائی، عطار، جامی اور سعدی سے بھی بہت متاثر تھے۔ پھر بھی اقبال مشرق کے شاعروں کی طرح خیال و خواب کی دنیا میں نہیں رہتے تھے بلکہ وہ عملی باتیں سوچتے تھے۔ اور انھوں نے پوری طرح محسوس کیا تھا کہ زندگی میں شاعر کا کام کیا ہوتا ہے۔ بعض لوگ اقبال کو شاعرِ اسلام کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اقبال نے اسلام کی تعلیمات سے فائدہ ضرور اٹھایا تھا۔ لیکن اپنی شاعری میں وہ ساری دنیا کو مخاطب کرتے تھے اور انکا پیغام کسی ایک طبقے یا فرقے کے لئے محدود نہیں تھا۔

عام طور سے اقبال فلسفی اور مفکر مشہور ہیں اور ان کی زیادہ تر شاعری بچّوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ لیکن انھوں نے آسان باتیں بھی نظم کی ہیں۔ ان کی پہلی کتاب بانگِ درا میں بچوں کے لئے بہت سی پیاری پیاری نظمیں ہیں۔ تقریباً ساری ہندوستانی یونیورسٹیوں نے انھیں اپنے نصاب میں داخل کیا ہے۔ ان کی نظم "بچّے کی دعا" کو ملک کا تقریباً ہر اردو جاننے والا بچّہ گاتا ہے۔ اور ان کا ترانۂ ملی تو ہندوستان کا قومی ترانہ بن گیا ہے ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

اس مہینے میں تمہیں خوراک کے بارے میں کچھ باتیں بتاؤنگی یہ بہت دلچسپ اور اہم مسئلہ ہے۔ اور اب تو اس کی اہمیت اسلئے اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ملک میں آجکل خوراک کی کمی ہے

اگر گھر میں کبھی کھانا کم ہو جائے تو تم سب مل بانٹ کر تھوڑا تھوڑا اسطرح کھاتے ہو کہ سب کے حصے میں کچھ نہ کچھ آجائے۔

اب بھی ہمیں یہی کرنا چاہئے ہمارے گھر میں سب کے کھانے کو پورا موجود ہو پھر بھی ان لوگوں کا خیال کرنا چاہئے جنکے پاس کافی نہیں اور اپنے حصے میں سے ان لوگوں کو دینا چاہئے جو بھوکے ہیں۔

ہندوستان میں ۶۰۰،۰۰۰ ٹن گیہوں کی کمی ہے۔ اگر اتنا گیہوں کہیں سے نہ ملا تو قحط ہو جائے گا جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اس سال جنوبی ہند میں بارش بالکل نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں جنوری کے مہینے میں بارش ہوا کرتی ہے لیکن اس سال یہاں بھی بارش نہ ہوئی اور جب بارش نہ ہو تو فصل بھی نہیں ہوتی۔ اسلئے ہندوستان کے غریب لوگوں کو بھوک اور قحط کا خطرہ ہے

حکومت ہر ممکن کوشش کر رہی ہے کہ غلہ مہیا کیا جائے۔ سر راما سوامی مدالیار اور کئی لوگ امریکہ یہ معلوم کرنے گئے ہیں کہ وہ لوگ کتنا

اناج ہمیں دے سکتے ہیں تم بھی قحط دور کرنے میں ہاتھ بٹا سکتے ہو۔ اس تصویر میں ایک لڑکا باغ میں کام کرتا نظر آرہا ہے یہ لنکا میں رہتا ہے یہاں کے ۵۰۰ سکولوں نے مل کر ۴،۳۸۹ ٹن اناج اگایا جس میں سے کچھ تو خود ان کے استعمال میں آیا۔ باقی سات لاکھ روپے میں بیچ دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ جو کچھ بچے اسکول میں سیکھتے ہیں گھر آکر اس پر عمل کرتے ہیں۔ اپنے گھروں میں وہ ترکاریاں وغیرہ بوتے ہیں تم لوگ بھی ہندوستان کی مدد کر سکتے ہو۔ معلوم کرو کہ تمہارا صوبہ اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے۔ پھر اپنے سکول کے ذریعے اپنی خدمات پیش کرو۔ کھانے کی چیزوں کو پھینکو نہیں ورنہ انھیں خراب ہونے دو۔ اگلی فصل ہونے تک کیک اور بسکٹ وغیرہ کم سے کم استعمال کرو کیونکہ یہ آٹے سے بنتے ہیں اور آجکل ہمیں ضرورت ہے کہ اناج کا دانہ دانہ بچایا جائے تاکہ ان غریبوں کی مدد ہو سکے جنکے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ وہ اناج کے علاوہ کسی چیز سے پیٹ بھر سکیں جنکے پاس روپیہ ہے وہ اناج کے علاوہ اور چیزیں مثلاً دودھ۔ گاجریں اور ترکاریاں مچھلی کا تیل اور پھل وغیرہ کھا کر اناج کی کمی پوری کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ زیادہ اناج کھایا جائے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کھانا زیادہ سے

زیادہ فائدہ پہنچائے۔

(۱) ہماری غذا میں چند چیزیں ایسی ہیں جو پٹھے مضبوط کرتی ہیں۔ وہ کہلاتی ہیں پروٹین۔

(۲) بعض ہمیں بیماریوں سے بچاتی ہیں انھیں وٹیمن کہتے ہیں۔

(۳) اور بعض جسم میں قوت اور گرمی پیدا کرتی ہیں وہ ہیں چکنائی اور نشاستہ۔

(۱) یہ لڑکا پروٹین سے مضبوط جسم بنا رہا ہے۔ بچوں کے لئے دودھ پروٹین

کا عمدہ خزانہ ہے۔ پنیر مچھلی۔ گوشت۔ انڈے بھی اچھی چیزیں ہیں دالیں مٹر وغیرہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو گوشت نہیں کھاتے۔

(۲) تندرست رہنے کے لئے ضروری ہے کہ لوہا اور کیلسیم بھی ہمارے جسم کو ملے وٹیمن تو ہماری زندگی کے لئے بہت ہی ضروری ہیں۔ وٹیمن ایک لاطینی لفظ وٹیا سے لیا گیا ہے جسکے معنی ہیں زندگی۔ وٹیمن کئی قسم کے ہیں۔ اے۔ بی۔ سی اور ڈی۔ یہ مختلف غذاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ تم نہیں دیکھ نہیں سکتے لیکن اگر وہ ہمارے کھانے میں نہ ہوں تو ہم بیمار ہو جائیں۔

ان بچوں کو جو درخت کے نیچے کھیل رہے ہیں کافی وٹیمن دئے جاتے ہیں۔
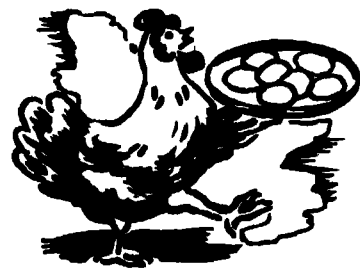
وٹیمن سی۔ سبز ترکاریوں۔ نارنگی اور ٹماٹر میں ہوتا ہے۔ بی، مٹر، پھلیوں، دال وغیرہ میں۔ وٹیمن اے دودھ، پنیر، ترکاریوں، گھی، مکھن اور مچھلی، گاجروں اور کلیجی میں۔

(۳) ان بچوں میں کافی قوت ہے۔ طاقت چکنائی مثلاً گھی مکھن اور تیل سے پیدا ہوتی ہے یا مٹھاس سے جس میں شربت۔ شہد گڑ اور پھل وغیرہ شامل ہیں۔ یا نشاستے سے جس میں آلو۔ روٹی۔ اور چاول شامل ہیں۔ اگر ہر روز تمہیں پروٹین۔ نمک۔ وٹیمن چکنائی۔ مٹھاس اور نشاستہ کافی مقدار میں ملجائے تو تمہارا جسم بہت خوبصورت اور مضبوط ہو جائے گا اور دماغ میں بھی تیزی آجائیگی لیکن ایک بات یاد رکھو جب تک ہندوستان سے قحط کا خطرہ دور نہ ہو جائے۔

(۱) غریبوں کے لئے جتنا ہو سکے اناج بچاؤ (۲) کھانے پینے کی چیزیں ضائع مت کرو۔ (۳) روپیہ بچاؤ اور کیک اور بسکٹوں اور ایسی چیزیں جس میں آٹا یا چاول استعمال ہوتا ہے مت خریدو۔ (۴) فالتو اناج پیدا کرنے کی کوشش کرو ٭

تمہاری خالہ :۔ مسرت

مدراس

مدراس کا صوبہ جنوبی ہندوستان کے تقریباً ۱۲۴۰۳۶۳ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ساحلی علاقے کی لمبائی سترہ سو میل ہے۔ مدراس کی آبادی ۵۶۴۰۸۴۰۹۰۴۳ ہے۔ جس میں ۸۸ فیصدی ہندو، ۷ فیصدی مسلمان اور ۳ فیصدی عیسائی ہیں۔ مدراس کے لوگوں کا خاص پیشہ زراعت ہے اور دریائے گوداوری، کرشنا اور کاویری کے ڈیلٹا کافی زرخیز علاقے ہیں۔ کپاس اور دھان کی کھیتی زیادہ ہوتی ہے۔ سوتی کپڑے کی بہت سی ملیں بھی ہیں اور صابن اور شارک مچھلی کے تیل سے صوبے کو خاص آمدنی ہوتی ہے۔

مدراس کے صوبے میں تین یونیورسٹیاں —— مدراس، اندھرا اور اناملائی —— اور مردوں اور عورتوں کے لئے بہت سے آرٹ، سائنس اور میڈیکل کالج ہیں۔ صوبے کا دارالسلطنت مدراس بڑا صنعتی شہر ہے۔ اس میں شاندار عمارتیں، خوبصورت پارک اور دلکش باغ ہیں ؛
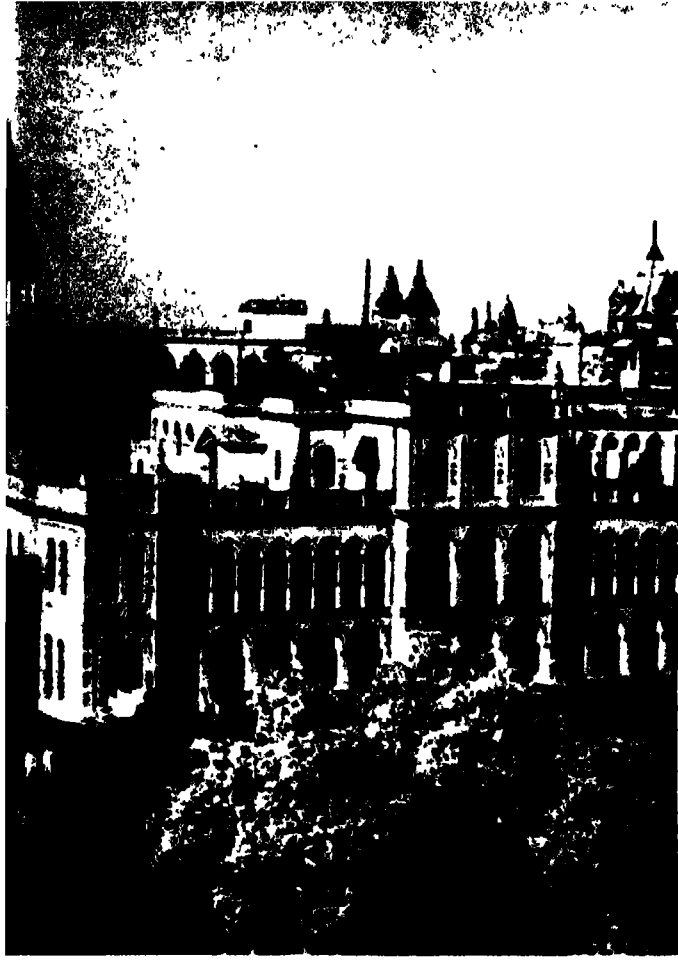
مدراس کے کاروباری علاقے

اس میں کافی افراط سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کافی توڑنے والی لڑکی —— وہ اپنے مخصوص لباس میں ہے ؛

مدراس کے مچھیروں کی سولا کشتیاں صدیوں سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ تصویر میں نظر آتا ہے، ان کے تختے ایک دوسرے
سی دئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں لچک رہتی ہے اور وہ لہروں کے زبردست تھپیڑوں کو آسانی سے برداشت کر سکتی

رنز" کا ایک منظر

مائلاپور کا مندر مدراس شہر کے جنوب کے ایک
گنجان علاقے میں واقع ہے اور جنوبی ہندوستان
کے سب سے مشہور مندروں میں سے ہے۔

دیہات کے لوگوں میں سوت کاتنا اور کپڑا بننا
بہت عام ہے

پوسٹ مین

لیٹر بکس میں سے خط نکالے جارہے ہیں؛

جس ڈاکخانے میں خط ڈالے جاتے ہیں وہاں پہلے ان کے ٹکٹوں پر مہر لگائی جاتی ہے؛

ڈاکخانے کی لاری خطوں کے تھیلے ڈاکخانے سے سٹیشن تک لے جاتی ہے؛

ڈاکخانے میں مختلف حلقوں کے خط چھانٹ کر خانوں میں رکھے جاتے ہیں؛

ہماری خدمت کرنیوالے

پوسٹ مین

(از سعیدہ حامد)

جب کبھی ڈاکیہ ہمارے نام کوئی خط یا پارسل لاتا ہے تو کتنی خوشی ہوتی ہے۔ آجکل خط بہت جلدی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ ہوائی جہاز ریل اور سمندری جہازوں کے ذریعے راستہ طے کرتے ہیں لیکن دیہاتی علاقوں میں اکثر بیل گاڑیوں اور لاریوں میں لائے جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں ڈاک کی اتنی آسانیاں نہ تھیں۔ جس زمانے میں اکبر نے فتحپور سیکری بنوایا ریلیں اور موٹریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گھوڑے رکھے جاتے تھے تاکہ لوگ تھکے ہوئے گھوڑے ان سے بدل لیں اور بغیر رکے سفر جاری رکھ سکیں۔ یہ سفری ڈاک کہلاتی تھی۔ شروع میں خط دوستوں یا قاصدوں کے ہاتھ روانہ کئے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ گھوڑا گاڑیوں میں لوگوں کے خط جانے لگے۔ ان لوگوں کو ایک منزل سے دوسری منزل تک جانا پڑتا تھا جنہیں ڈاک کہتے تھے۔ اسی لئے بعد میں خط لانے لیجانے کا کام کرنے والوں کا نام ڈاکیہ اور اس دفتر کا نام ڈاک خانہ پڑا۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں سائرس شاہ ایران نے ایکسو گیارہ منزلیں مشہور شاہی سڑک پر بنوائیں جو ایران سے ایشیائے کوچک تک جاتی تھی۔ یہ اتنے اتنے فاصلے پر تھیں جتنا ایک گھوڑا دن بھر میں طے کرتا ہے۔ مشہور سیاح مارکوپولو لکھتا ہے کہ جب وہ تیرھویں صدی عیسوی میں چین گیا تو اسے راستے میں دس ہزار ڈاک کے اسٹیشن ہر ۲۵ میل کے بعد ملے جہاں ..... ۲ گھوڑے رکھے جاتے تھے۔

قدیم یونان میں جوان لڑکوں کو تیز دوڑنے کی مشق کرائی جاتی تھی اور وہ یونان کے پہاڑی علاقوں کو گھوڑوں سے جلدی طے کر سکتے تھے۔

یورپ میں پہلا باقاعدہ ڈاک کا سلسلہ فرانس کے بادشاہ لوئی گیارہویں نے ۱۴۶۴ء میں شروع کیا۔ لیکن رولینڈ ہل نے ۱۸۴۰ء میں انگلستان میں پینی پوسٹ کا سلسلہ جاری کیا۔ انگلستان کے ہر حصے میں ایک پینی (تقریباً ایک آنہ) کا ٹکٹ لگا کر خط بھیجا جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے ہر خط پر کئی روپے خرچ ہوتے تھے۔ بعد میں اور ملکوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا۔ اور کافی عرصے تک ہر ملک الگ اپنی ڈاک کا انتظام کرتا رہا۔

۱۸۷۴ء میں برن میں ایک بین الاقوامی میٹنگ ہوئی جس میں ۲۲ ملکوں نے شرکت کی یہ تجویز کی گئی کہ ایک ملک سے دوسرے ملک خط بھیجے جا سکیں۔ یونیورسل پوسٹل یونین قائم کی گئی۔ اب لوگ غیر ملکوں کو اپنے خط بہت آسانی سے سستے داموں بھیج سکتے تھے۔ تقریباً ہر ملک اس یونین کا ممبر ہے۔ ان کے نرخ مقرر ہیں ہر ملک باہر سے آئے ہوئے خطوں کو حفاظت سے پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے۔ ہر ملک باہر جانے والے خطوں کی قیمت وصول کر لیتا ہے۔ کیونکہ امید کی جاتی ہے کہ باہر جانے والے ہر خط کا جواب آئیگا۔ اور جس ملک سے وہ خط آئیگا وہاں اسکی قیمت ادا ہو جائیگی۔

اب اپنے ملک کی ڈاک کا حال سنو:۔

جب تم خط بھیجتے ہو تو لفافے پر ٹکٹ لگا کر لیٹر بکس میں ڈال دیتے ہو۔ پہلا ڈاک کا ٹکٹ ۱۸۵۲ء میں استعمال ہوا تھا۔ ڈاکیہ آکر لیٹر بکس میں سے سب خط نکال کر تھیلے میں بھر لیتا ہے اور پوسٹ آفس میں لیجاتا ہے۔ یہاں پر یہ سب خط ایک میز پر جمع کر دئے جاتے ہیں اور ان کے ٹکٹوں پر تاریخ اور ڈاکخانہ کی مہر لگا دی جاتی ہے۔ پھر ہر شہر اور ضلع کے خطوں کو چھانٹ کر علیحدہ خانوں میں رکھا جاتا ہے۔ اکثر خط ڈاک گاڑیوں سے بھیجے جاتے ہیں۔ پچھلے مہینے تمہیں بتایا گیا تھا کہ ہر گاڑی میں ڈاک کا ڈبہ ہوتا ہے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے شہروں میں جانیوالے خط پھر چھانٹے جاتے ہیں تاکہ ہر اسٹیشن پر اتار دئے جائیں۔ تمام رات کام جاری رہتا ہے۔

جب خط اسٹیشن پر پہنچتے ہیں تو ڈاک گاڑیاں انھیں ڈاکخانہ تک لیجاتی ہیں۔ یہاں لاکر پھر ان پر تاریخ اور ڈاکخانہ کی مہر لگتی ہے۔ پھر چھانٹ کر مختلف گاؤں اور قصبوں کو لیجائے جاتے ہیں۔ پھر پوسٹ مین انھیں اپنے تھیلے میں بھر کر بانٹ آتا ہے جو گاؤں بہت دور ہیں وہاں خاص ڈاکئے ہوتے ہیں جو رات بھر ڈاک لے کر بھاگتے ہیں یہ گھنٹیاں بجاتے رہتے ہیں تاکہ جنگلی جانور ڈر کر بھاگ جائیں۔ بعض دفعہ لوگ خطوں پر نام اور پتہ صاف نہیں لکھتے ایسی صورت میں ڈاکئے کو بڑی پریشانی ہوتی ہے اور وہ خط نہیں پہنچا سکتا اسلئے وہ واپس ڈاکخانے لیجاتا ہے جہاں وہ ڈیڈ لیٹر آفس میں بھیجدیا جاتا ہے یہ لوگ اسے پہنچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں اگر ناکام رہیں تو لکھنے والے کو واپس بھیج دیتے ہیں۔ اسلئے خطوں پر پتہ اور نام صاف صاف لکھنا چاہئے۔
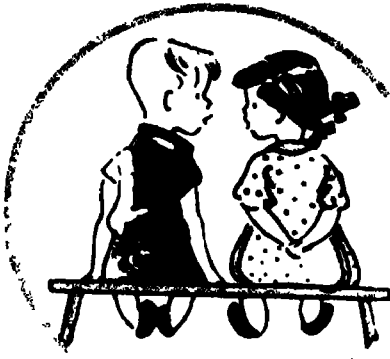
کیا آپ جانتے ہیں

آنسو نمک سے بنتے ہیں ؟

ہمارے جسم کے لئے نمک بہت ضروری چیز ہے کیونکہ نمک کا پانی ہی اصل میں وہ قدرتی پانی ہے جس میں ہمارے جسم کا ہر حصہ درست رہ سکتا ہے۔ جب ہم کھانے کے ساتھ نمک کھاتے ہیں تو یہ ہمارے جسم کے اندر جا کر نمک کا محلول بن جاتا ہے۔ اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اس میں دو تہائی پانی ہوتا ہے۔ آنسوؤں کا کام یہ ہے کہ وہ ہماری آنکھوں کو دھو کر صاف کریں۔ اگر تم نے کبھی آنسوؤں کو زبان سے لگایا ہو تو تم نے دیکھا ہوگا کہ وہ نمکین ہوتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ آنکھ جیسی نازک چیز کے لئے خالص پانی نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ آنکھ کو صحیح حالت میں رکھنے کے لئے نمکین پانی ہی ضروری ہوتا ہے۔

وہیل مچھلی کتنی بڑی ہوتی ہے ؟

انگلستان میں ایک دفعہ ایک وہیل مچھلی لائی گئی تھی جس کی لمبائی ۱۳۳ فٹ تھی اور وزن ۲۰۰ ٹن تھا۔ اس کا سر بیس فٹ لمبا تھا اور اسکے کھلے ہوئے جبڑوں میں ایک ساتھ ۵۲ لڑکے کھڑے ہو سکتے تھے۔

ایک اور وہیل مچھلی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا وزن دو سو چالیس ٹن تھا۔ اس کا سر بائیس فٹ لمبا تھا اور ریڑھ کی ہڈی ستر فٹ کی تھی۔ اس کی دم کی چوڑائی ساڑھے بائیس فٹ اور لمبائی تین فٹ تھی۔ اس کی چربی سے چار ہزار گیلن تیل نکلا تھا۔ ماہرین کا خیال تھا کہ اسکی عمر ایک ہزار سال کے قریب تھی۔

انگلستان کی سب سے زیادہ عجیب عمارت کونسی ہے ؟

رہشٹن کا تکونا لاج انگلستان کی سب سے عجیب عمارت سمجھا جاتا ہے۔ اس میں تین منزلیں ہیں اور ہر منزل میں تین تین کھڑکیاں ہیں۔ ہر کھڑکی میں چار چار تکونے شیشوں کی تین تین قطاریں ہیں۔ ہر منزل میں تین تین تکونے کمرے ہیں۔ ہر کمرے کی ہر دیوار ۳۳½ فٹ لمبی ہے۔ جہاں سب چھتیں ملتی ہیں وہاں ایک تکونی چمنی ہے۔ یہ عجیب و غریب عمارت تقریباً ساڑھے تین سو برس پہلے سر ٹامس ٹریشم نے بنوائی تھی۔

ایک میل گہری وادی کہاں ہے ؟

امریکہ کے مغربی حصے میں میسا نامی ایک بڑا ضلع ہے جو بالکل ویران حصوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں کے مناظر دنیا کے سب سے زیادہ حیرت انگیز مناظر میں سے ہیں۔ بعض جگہوں پر یہ سطح سمندر سے سات ہزار فٹ سے لے کر دس ہزار فٹ تک بلند ہے۔ اور کہیں کہیں اس میں چار ہزار فٹ سے لے کر سات ہزار فٹ تک گہری کھائیاں ہیں۔ اسی ضلع میں ایک نالہ (یا وادی) ہے جو دو سو میل لمبا ہے۔ بعض بعض جگہ یہ چودہ میل چوڑا اور ایک میل سے زیادہ گہرا ہے۔ اس کی تہ میں ایک زبردست دریا موجیں مارتا ہے ؛

سوداگر کی بیٹی

(۲)

پیکو سامان کی خرید و فروخت میں مصروف رہا۔ وہ خوش تھا کہ اسے بیچ کر وہ خوب نفع کمائے گا۔ لیکن اکیلے میں اسے موتی کی فرمائش کا خیال آیا۔ وہ چین کی دیوار سے بہت دور تھا۔ لیکن یکایک اسکے سامنے چین کی دیوار آن کھڑی ہوئی۔

پیکو حیران تھا کہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے سوچنا شروع کیا۔ " ایک دم یہ دیوار یہاں کیسے آگئی۔ یہ خواب ہے یا حقیقت؟" پیکو دیوار کے قریب پہنچا۔ وہ دیوار ہی تھی۔ پچیس فٹ اونچی، بالکل اسکے سامنے "اتنی بڑی دیوار۔ یہ ضرور وہی دیوار ہے۔ ہوسکتا ہے نہ بھی ہو—— یہ کیسے ہوسکتا ہے——لیکن دیوار تو سامنے موجود ہے!" پیکو دیوار کے پاس آیا اور چھو کر دیکھا۔ ہاں وہ دیوار چین ہی تھی۔ پیکو نے چاقو نکالا اور دیوار میں سے ایک ٹکڑا اکھیڑ کر جیب میں رکھ لیا۔

"میں کسی اور جگہ سے ٹکڑا توڑتا ہوں" لیکن یہاں دیوار ذرا کمزور تھی۔ ٹکڑا اکھیڑتے ہی۔ تین بڑے بڑے پتھر لڑھکتے ہوئے نیچے آگرے۔ اور دیوار میں خاصا بڑا سوراخ ہوگیا۔

اف! غضب ہوگیا۔ دادا وانگ کی قسم میں بھی کتنا بیوقوف ہوں۔ کچھ پتھر اور لڑھکے، خاک اڑنے لگی۔ غبار سے اس کی آنکھیں تقریباً اندھی ہوگئیں۔ یکایک اس نے کسی کا ہاتھ اپنی گردن پر محسوس کیا۔ کوئی چیخ کر کہہ رہا تھا "ٹھہر بدمعاش ٹھہر تو سہی۔"

" میں چور نہیں ہوں۔ میں نے کبھی بے ایمانی نہیں کی" پیکو نے خود کو گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت اسے اپنی دکان پر لکھے ہوئے نشان کا خیال آیا۔

" دیوار چین کو نقصان پہنچانا اتنا زبردست جرم ہے کہ اس کی سزا میں تمہاری جان لی جاسکتی ہے۔" آواز آئی۔ پیکو نے خوف سے تھراتے ہوئے اوپر نگاہ اٹھائی تو ایک نہایت بدوضع تاتاری نظر آیا۔ اسکی صورت بہت بھیانک تھی۔ دہکتی ہوئی آنکھیں چمکیلے دانت، موٹے موٹے ہونٹ، پھیلی ہوئی ناک اور لمبے چوڑے ہاتھ پاؤں۔ اسے دیکھ کر خوف سے پیکو کی چیخ نکل گئی۔ اس نے دل میں کہا کاش اس وقت میں اپنے گھر میں ہوتا۔

" اب شور مچانے سے کیا ہوتا ہے۔ دیوار کو نقصان پہنچانے سے پہلے تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ تاتاریوں باہر آجاؤ۔"

سردار کی یہ بات سنتے ہی دیوار میں سے بہت سے تاتاری نکل پڑے۔ گو کہ پیکو اس وقت بہت خوفزدہ تھا لیکن پھر بھی وہ حیران تھا کہ یہ لوگ دیوار میں کس طرح گھس گئے تھے۔ تاتاریوں نے پیکو کے گرد گھیرا باندھ لیا اور ڈھول پیٹنے شروع کئے۔ اور تاتاری نکل آئے۔ انکے پاس مختلف ساز اور قندیلیں تھیں۔ ایک قندیل اتنی بڑی تھی کہ چار تاتاری اسے اٹھائے ہوئے تھے۔

" قندیل میں داخل ہوجاؤ" سردار نے کہا۔ " لیکن یہ تو جل رہی ہے" پیکو نے کہا۔ " اچھا ہے گرم رہوگے" سردار بولا۔ " اگر تم جل گئے تو ہم تمہیں مارنے کی تکلیف سے بچ جائیں گے۔"

ہائے موتی! تیری خاطر تیرے باپ کو کتنی بڑی آفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

موتی!" یہ موتی کون ہے؟" سردار نے پوچھا۔

"میری بیٹی" پیکو بولا۔" کیا یہ تمہاری اکلوتی لڑکی ہے؟"

نہیں میری تین لڑکیاں ہیں۔ اتنی خوبصورت کہ چین میں کوئی انکی برابری نہیں کرسکتا" "تین لڑکیاں" سردار چلایا۔ اور میرے پاس ایک بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ تاتاری پیکو کو جلتی ہوئی قندیل کے اندر دھکیلنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن پیکو نے اس بہادری سے انکا مقابلہ کیا کہ سردار نے اپنے ساتھیوں کو روک دیا اور کہا اگر تم مجھے اپنی لڑکی موتی دے دو تو میں اس معاملہ کو یہیں رفع دفع کر دوں گا اور شہنشاہ تک اس کی ذرا بھی خبر نہیں پہنچے گی۔

پیکو کانپ اٹھا اور کہا کہ تم جیسے خوفناک انسان کو دیکھ کر موتی ڈر کے مارے مرجائیگی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں بدصورت ہوں" سردار نے کہا۔ لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں۔ صحیح معنوں میں حسین وہی ہے جو نیک کام کرے۔ مجھے یقین ہے کہ موتی مجھے پسند کرنے لگے گی۔ میں اسکی ہر خواہش پوری کروں گا۔ میرے ساتھ آؤ اور معاملہ طے کرو۔"

اس نے پیکو کو قندیل میں دھکیل دیا اور خود بھی اندر جاکر دروازہ بند کرلیا اور تاتاریوں کو حکم دیا کہ روانہ ہوجائیں۔

چار تاتاریوں نے قندیل اٹھائی پیکو ایک کونے میں چھپ گیا تاکہ جلتی ہوئی شمع سے دور رہے۔ ایک دم ایسا شور ہوا جیسے کہ تمام دیوار آن پڑی۔ پیکو نے ایک سوراخ میں سے جھانکا تو دیکھا کہ وہ ایک بہت پتلے راستے سے گزر رہے ہیں۔ پیکو نے دل میں کہا کہ میں دیوار چین کے اندر جارہا ہوں۔ میرا تمام سامان باہر ہی رہ گیا۔ میں تباہ ہوگیا، برباد ہوگیا۔ اب میں کبھی اپنی لڑکیوں کو نہ دیکھ سکونگا

سردار چلایا" قندیل نیچے رکھ دو اور اسے باہر نکالو تاکہ یہ ہمارا مکان دیکھ سکے جو دیوار کے اندر بنا ہوا ہے۔"

پیکو خوف کے مارے نیم مردہ ہورہا تھا۔ مشکل سے باہر نکلا اسے چند کمرے دکھائے گئے جن میں سونے اور موتیوں کے زیورات تھے" موتی کے لئے یہ گھر برا نہیں وہ تمام خزانہ کی مالک ہوگی۔"

"لیکن اس کے لئے تو یہ قیدخانہ بن جائیگا" "نہیں ایک راستہ باہر بھی نکلتا ہے۔ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر سب جگہ سیر کو جاسکتی ہے" "اسے بہت رنج ہوگا" پیکو نے کہا" نہیں تم مجھے مار ڈالو۔"

سردار بولا" موتی میرے پاس رہنا زیادہ پسند کریگی بہ نسبت اسکے کہ تم مارے جاؤ!"

"وہ بہت نیک لڑکی ہے۔ لیکن میں اسے اس طرح نہیں چھوڑ سکتا۔"

"بکومت" سردار نے کہا" تم گھر جاؤ اور اس کی مرضی معلوم کرو۔ اگر وہ راضی نہ ہو تو واپس آجانا۔ اگر تم نہ آئے تو شہنشاہ کے حکم دینے سے پہلے ہی تمہارا سر اڑا دیا جائیگا۔"

پیکو بولا" میں گھر جاکر اپنی لڑکیوں کو الوداع کہہ آؤں۔ پھر میں ضرور واپس آجاؤں گا۔ شاید شہنشاہ مجھ پر رحم کرے۔"

بزرگوں کی قسم کھاؤ کہ یا تو تم واپس آؤگے یا اپنی لڑکی کو بھیجوگے۔

"میں قسم کھاتا ہوں" پیکو بولا۔ اور پھر چار تاتاریوں کے ہمراہ اپنا سامان لے کر روانہ ہوگیا۔

جب وہ گھر پہنچے تو تینوں بہنیں باغ میں تھیں انہوں نے بڑی خوشی سے باپ کا استقبال کیا۔ لیکن بجائے خوش ہونیکے باپ کی آنکھوں سے

آنسو ٹپکنے لگے۔

"میری بچیو! میں بہت مصیبت میں ہوں۔ اور تمہیں خدا حافظ کہنے آیا ہوں۔ دیوار کا ٹکڑا توڑ کر میں نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اب مجھے موت کی سزا ملے گی"۔ تینوں بہنیں رونے لگیں۔ لیکن موتی کو سب سے زیادہ رنج تھا۔ اسے اس آواز کا خیال آیا۔

"جو دیوار توڑے گا نیچے گرے گا"

اسوقت ایک بدصورت تاتاری آگے بڑھا اور سلام کرتے ہوئے کہا۔ "اگر موتی ہمارے ساتھ چلے تو اسکا باپ بچ سکتا ہے۔" پھر دوسرا تاتاری بڑھا اور بولا۔ "ہمارا مالک بہت رحم دل ہے۔ اگرچہ بدصورت ہے۔" تیسرا تاتاری بولا۔ "وہ تمہیں بیش بہا جواہرات اور سونا دیگا۔" چوتھا بولا۔ "تم اپنے باپ کو بچا سکتی ہو۔"

پھر چاروں نے ملکر کہا موتی ہمارے ساتھ چلو اور باپ کی جان بچاؤ۔

موتی اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی میں جاؤں گی۔ تاتاریوں کا سردار نیک آدمی ہے ورنہ وہ ہمارے باپ کے وعدہ کا اعتبار نہ کرتا۔ "تم نہ جاؤ۔ میں جاتا ہوں۔" پیکو نے کہا۔

تاتاریوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ سردار کا حکم ہے۔ وہ ہمارے ساتھ جائیگی۔ قندیل کے دروازے تمہارے لئے نہیں کھلیں گے صرف موتی اس میں داخل ہو سکتی ہے۔

دو تاتاریوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور کہا اگر تم آگے بڑھے یا موتی کو روکا تو سر تن سے جدا کر دیا جائیگا۔

قندیل کا دروازہ کھلا اور موتی اس میں ایک خوبصورت ریشمی گدے پر بیٹھ گئی۔ اور ہاتھ ہلا کر سب کو الوداع کہا۔

دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ پیکو کو پرے دھکیل کر تاتاریوں نے قندیل کندھوں پر اٹھائی اور چل پڑے۔ ذرا سی دیر میں دیوار چین تک پہنچ گئے۔

پیکو سوائے رونے دھونے کے کیا کر سکتا تھا۔ وہ کسی سے اس کا ذکر تک بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ اگر شہنشاہ کے کانوں تک یہ بات جا پہنچتی تو اس کو سزا ملتی۔

(باقی آئندہ)

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

تمہارے خطوں کا شکریہ۔ افسوس ہے کہ میں بہت سے خطوں کے جواب جلد نہ دے سکی۔

تم لوگ بھی آجکل امتحان کی تیاری میں جی توڑ کر مصروف ہو گے۔ خدا تم سب کو کامیاب کرے۔

ہم رسالہ بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مرتبہ کراس ورڈ معمہ دیا جا رہا ہے پچھلے صفحے پر دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ رسالے کی رنگین چھپائی تمہیں پسند آئی ہو گی۔ فقط

تمہاری خالہ
مسرت

بی- بی ۱۶۶ دہلی

خفیہ پیغام

بمبج اجب قذپن گبقو ہن قے چبم اجب ژقپی وہ

اقبال - شاعرِ مشرق

بقیہ صفحہ ۸

اقبال شاعر ہونے کے علاوہ سیاست داں اور تعلیمات کے ماہر بھی تھے۔ وہ ایک کامیاب بیرسٹر تھے۔ حکومت نے انکی ادبی حیثیت کو مان کر انھیں "سر" کا خطاب دیا تھا۔ کچھ دنوں تک وہ پنجاب کی قانون بنانے والی مجلس کے ممبر رہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں وہ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کی غرض سے لندن گئے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ نے انھیں اپنے ملک بلا کر وہاں کے طریقۂ تعلیم کو نئے سرے سے مرتب کرایا۔

عمر کے آخری حصے میں آکسفورڈ یونیورسٹی نے اقبال کو دعوت دی کہ وہ وہاں جا کر لکچر دیں۔ لیکن صحت کی خرابی کے باعث وہ نہ جا سکے۔ خراب تندرستی کے باوجود اقبال نے آخری وقت تک ادبی کام جاری رکھا، یہاں تک کہ ۹ راپریل سنہ ۱۹۳۸ء کو انھوں نے وفات پائی۔

اقبال مر چکے ہیں لیکن ان کا پیغام آنے والی نسلوں میں نئی روح پھونکنے کے لئے زندہ ہے ۔

اور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
وہ اِس وقت بہت کچھ سیکھ رہا ہے لیکن زندگی میں لائف بوائے
صابن کے روزانہ استعمال کی عادت سے زیادہ کوئی چیز کام
نہیں آئے گی۔ اُس کی ماں خوش ہے، اور اُسے
فخر ہے کہ اس نے گرد و غبار کے اس خطرہ کے
متعلق سبق دیا ہے جو ہر جگہ غیر محتاط آدمیوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہے۔
LIFEBUOY
SOAP
LIFEBUOY
SOAP
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔
L.7?-23
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

گدھا میز اور ڈنڈا

کسی زمانے کا ذکر ہے ایک لڑکا اپنی قسمت آزمانے گھر سے نکلا۔ پہلے تو وہ ایک بڑھئی کا شاگرد ہوا۔ بڑھئی اس کے کام سے اتنا خوش ہوا کہ سال ختم ہونے پر اس نے اسے بہت عمدہ تحفہ دیا۔ یہ ایک میز تھی۔ جو "بھرجا" کہتے ہی طرح طرح کے عمدہ کھانوں سے پُر ہو جاتی تھی۔ لڑکا بہت خوش ہوا اور میز اپنی پیٹھ پر لاد کر چل پڑا۔ رات کے وقت وہ ایک سرائے میں پہنچا اور سونے کے لئے ایک پلنگ مانگا۔ سرائے کے مالک نے پوچھا نہیں کھانا بھی تو چاہیئے ہوگا۔ لڑکا بولا۔ نہیں۔ بلکہ تمہاری دعوت بھی میں ہی کروں گا۔ "میز بھرجا"۔

فوراً ہی میز پر گرم گرم کھانے لگ گئے۔ سرائے کا مالک اور اس کے دوست بہت حیران ہوئے۔ پھر ان سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ رات کو جب چاروں طرف خاموشی چھا گئی تو سرائے کا مالک اٹھا اور اس جگہ پہنچا جہاں لڑکا سو رہا تھا۔ اس نے اس کی میز اٹھالی اور اس کے بدلے ایک معمولی میز وہاں رکھ دی۔ صبح کے وقت لڑکے نے میز کمر پر لادی اور چل کھڑا ہوا۔ اسے بالکل خبر نہ ہوئی کہ میز بدلی جا چکی ہے۔ لیکن افسوس! جب اس نے کھانے کا حکم دیا تو میز پر روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہیں آیا۔

لڑکے نے میز وہیں چھوڑی۔ وہ سمجھ گیا کہ اسکے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اسلیئے اس نے ایک اصطبل میں گھوڑوں کی دیکھ بھال کی نوکری کرلی۔ ایک سال نوکری کرنے کے بعد اس کے مالک نے اسے ایک گدھا انعام میں دیا، اور کہا، اگر اسکے کان کھینچو گے تو گدھا منہ سے چاندی اور سونا اگلے گا۔ لڑکا گدھے کی پیٹھ پر سوار ہوا اور خوش خوش چل دیا۔

جلد ہی وہ سرائے تک پہنچ گیا، اور اس نے کھانا اور بستر

مانگا۔ جب اسے روپے کی ضرورت ہوئی تو وہ اصطبل پہنچا اور گدھے کے کان کھینچے۔ فوراً ہی گدھے کے منہ سے سونا اور چاندی نکلنے لگا۔ لڑکے نے اسے سمیٹ کر جیبوں میں بھر لیا۔

سرائے والا دروازے کی جھری میں سے یہ سب واقعہ دیکھ رہا تھا۔ وہ چپکے سے اصطبل میں گیا اور گدھا بدل دیا۔ دوسرے دن لڑکا گدھے پر سوار ہو روانہ ہو گیا لیکن جب اس نے گدھے کے کان کھینچے تو اس نے ذرا سا سونا بھی نہ اگلا وہ سمجھ گیا کہ یہ سرائے والے کی بدمعاشی ہے۔ اب اس نے ایک لکڑہارے کے ہاں نوکری کرلی۔ وہ لکڑیاں کاٹنے میں اسکی مدد کیا کرتا تھا۔ ایک سال محنت سے کام کرنیکے بعد اسکے مالک نے اسے ایک ڈنڈا انعام میں دیا اور کہا۔ "جب تم کہو گے اے ڈنڈے اٹھ اور اپنا کام کر تو ڈنڈا تمہارے دشمنوں کو خوب پیٹیگا"۔

لڑکا اسی سرائے میں واپس گیا۔ رات کو سوتے وقت اس نے ڈنڈا اپنے پاس رکھ لیا۔

سرائے والے نے سوچا یہ بھی کوئی بڑے کام کی چیز ہوگی۔ اس لئے وہ رات کو اس کے کمرے میں گھسا اور ڈنڈا بدلنا چاہا۔ لیکن لڑکا جاگ گیا۔ اور کہا "اٹھ ڈنڈے اپنا کام کر"۔ ڈنڈے نے فوراً سرائے والے کو پیٹنا شروع کردیا۔ اور جب تک اسنے میز اور گدھا واپس کرنیکا وعدہ نہیں کیا وہ پیٹتا ہی رہا۔

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

ہماری لیگ ابھی بچہ ہی ہے۔ جوں جوں اسکی عمر اور ممبر بڑھیں گے ہمارے پروگرام میں بھی ترقی ہوگی۔ اتنے عرصے میں تم اپنے دوستوں کو ممبر بنا کر اسے کامیاب بنا سکتے ہو۔ پھر تم اپنے شہر کے ممبروں کو جمع کر کے میٹنگ کر سکتے ہو۔ اور مل جل کر لوگوں کی خدمت کر سکتے ہو۔ جو کام تم کرو اس کی اطلاع مجھے ضرور دیتے رہنا۔

ہم ٹکٹ جمع کرنے والوں کا ایک کلب بھی کھولنے والے ہیں۔ تم میں سے جنہیں اس مشغلے سے دلچسپی ہو مجھے لکھیں۔ پھر شاید ہمارے ماہر ٹکٹ تمہیں اس سلسلے میں مفید ہدایتیں دے سکیں۔

اپنے امتحان کے نتیجے سے بھی مطلع کرنا۔ اور جو کچھ اپنے باغ میں اگاؤ اُس کے بارے میں بھی۔

چند نئے ممبر یہ ہیں :-

(۱۱۳) سرنیدر ناتھ پردتھی۔ دیپالپور
(۱۱۴) ایم۔ منوہر راؤ۔ پونا
(۱۱۵) للت کمار رمن لال سیٹھ۔ بمبئی
(۱۱۶) مریم سلطانہ۔ حیدر آباد
(۱۱۷) عظیم اللہ۔ پشاور
(۱۱۸) حبیب الظفر خاں۔ رام پور
(۱۱۹) سید اقبال حسین۔ مونگھیر
(۱۲۰) محمد نجیب دار۔ شملہ
(۱۲۱) سید ایم۔ فاروق علی۔ رامپور
(۱۲۲) روشن رحیم۔ کلکتہ
(۱۲۳) نزہت عزیز۔ ملتان
(۱۲۴) وجے کمار بیدی۔ پائی

تمہاری خالہ
مسرت

فارم ممبری برائے نونہال لیگ

خریداری نمبر ———————————————
چندہ بھیجنے کی تاریخ —————— چندہ ختم ہونے کی تاریخ ——————
نام ———————————————
تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ———————————————
سرپرست کا نام ———————————————
پورا پتہ ———————————————
———————————————

دستخط ——————
تاریخ ——————

نوڈے کراس ورڈ معمّہ

کوپن

نام ــــــــــــــــــــ
تاریخ پیدائش ــــــــــــــــــــ
خریداری نمبر ــــــــــــــــــــ
پورا پتہ ــــــــــــــــــــ
ــــــــــــــــــــ

قاعدے

(۱) سامنے دیئے ہوئے اشارات کی مدد سے خالی خانوں کو بھرنے کی کوشش کرو۔

(۲) حل سادے کاغذ پر بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ حل ہمارے پاس ۱۵ر مئی ۱۹۴۶ء تک آجانے چاہئیں۔

(۳) حل کے ساتھ کوپن بھر کر بھیجنا ضروری ہے۔

(۴) ایک سے زیادہ حل بھیجے جا سکتے ہیں۔

(۵) جس لفافے میں حل بھیجے جائیں ان پر "نوڈے کراس ورڈ معمّہ" لکھنا ضروری ہے۔ اس لفافے میں حل کے علاوہ اور کچھ نہ رکھنا چاہئے۔

(۶) سب سے پہلے جو دو صحیح حل کھلیں گے ان پر انعام میں کتابیں دی جائیں گی۔

(۷) مئی کے نونہال میں معمّے کا صحیح حل شائع کیا جائیگا اور انعام پانے والوں کے ناموں کا اعلان جون میں کیا جائیگا۔

(۸) ایڈیٹروں کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا۔

ں	ا	۶ ت	۵ س	۴ و	۳ د	۲ ن	۱ ه
█	█	ا	ف	(خالی)	ی	(خالی)	و
۸ م	█	(خالی)	ا	ه	ن	و	۷ (خالی)
(خالی)	۱۰ ج	█	(خالی)	و	۹ (خالی)	█	ه
ز	(خالی)	۱۳ ڈ	█	ا	ر	۱۲ س	۱۱ (خالی)
ب	ا	(خالی)	۱۵ ش	█	█	(خالی)	۱۴ ر
ا	ن	█	ا	۱۸ ن	۱۷ (خالی)	۱۶ ر	█
ن	(خالی)	۲۰ ب	█	(خالی)	ل	ه	۱۹ د

اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ ہمارا دیش۔
۷۔ ہونہار بچے اسے پڑھتے ہیں۔
۹۔ چُلّو۔
۱۰۔ طبیعت۔
۱۱۔ سہارا۔
۱۳۔ انگریزی میں دوا کی مقدار کو کہتے ہیں۔
۱۴۔ موسم۔
۱۵۔ اسے پینا برا ہے۔
۱۶۔ ...... ترا کام نہیں پڑھنا تری شان۔
۱۹۔ ہندوستان کا ایک بڑا شہر۔
۲۰۔ ایک قسم کا باجہ۔

اوپر سے نیچے

۱۔ ایسے بچے نونہال پڑھتے ہیں۔
۲۔ کشتی۔
۳۔ اشرفی۔
۴۔ ...... شاباش لڑکے واہ وا تو جوانمردوں سے بازی لے گیا۔
۵۔ ظالم۔
۶۔ چھوٹا تالاب۔
۸۔ مہمان کی خاطر...... کا فرض ہے۔
۱۰۔ بچپن کے بعد۔
۱۲۔ ایک ہندسہ۔
۱۳۔ خوف۔
۱۷۔ گذر چکا ہے لیکن پھر آئیگا۔
۱۸۔ بانسری کو کہتے ہیں۔

جھگڑا چکائیے

ایک شخص کے پاس کچھ زمین تھی جس میں ۶۴ مربعے تھے۔ چار مربعوں میں مکان بنے ہوئے تھے اور چار میں درخت لگے ہوئے تھے۔ جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے اس شخص نے چار بیٹے چھوڑے۔ اسے زمین کو اس طرح تقسیم کرنا تھا کہ سب حصے ایک ہی شکل کے ہوں اور ہر حصے میں ایک درخت اور ایک مکان بھی آجائے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ زمین کس طرح تقسیم کی جائے۔

پچھلے مہینے کے معمے

"بتائیے"

کا حل

۴، ۵، بالکل ایک سے ہیں

پچھلے مہینے کے معمے

"دیا سلائیوں کا مربع"

کا حل

ایک دیا سلائی کو ذرا سا باہر کھینچیے۔ دیا سلائیوں کے بیچ میں ذرا سی مربع جگہ نکل آئیگی۔ دیکھیے تیر کا نشان۔

سوال و جواب

ایک ڈاکٹر نے اپنے پڑوسی سے کہا کہ تم مجھ سے عام معلومات کے متعلق سوال کرو۔ جس کسی سوال کا جواب میں نہ دے سکوں گا اس کے بدلے تمہیں ایک اٹھنی دوں گا، اور میرے جس سوال کا جواب تم نہ دے سکو گے تمہیں اس کے بدلے چھ آنے دینے پڑینگے۔

پہلا سوال ڈاکٹر نے کیا دوسرا پڑوسی نے اس طرح دونوں نے باری باری تین سوال کئے۔ اس کے بعد کھیل ختم کر دیا۔ حساب لگا کر معلوم ہوا کہ دونوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں دینا پڑا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کیوں؟

نونہال

مئی سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۷

چندہ سالانہ
قیمت فی پرچہ چار

خطرناک لیکن خوبصورت

ر جانوروں کی اسی نسل سے ہے جس سے شیر ببر اور بلی ہیں۔ اپنے دھاری دار جسم اور بڑی بڑی چمکتی ہوئی آنکھوں کی وجہ
حد خوبصورت معلوم ہوتا ہے اس شیر کے راستے میں ایک تار لگا دیا گیا تھا جس پر پنجہ مار کر اس نے یہ تصویر خود کھینچی ہے

جنگلوں میں اژدہے کثرت سے ملتے ہیں۔ ہندوستان کی روایتوں اور کہانیوں
[illegible] کو ان زبردست اور خطرناک سانپ کا مقابلہ کرنا پڑا ہے

ہندوستان کے دریاؤں اور جھیلوں میں طرح طرح کے گھڑیال پائے جاتے ہیں ان کی کھال
بڑی خوبصورت اور سخت ہوتی ہے۔ اور اس سے سوٹ کیس اور ہینڈ بیگ بنتے ہیں؛

برطانوی کیبنٹ کا مشن ۲۴ مارچ کے دن نئی دلی پہنچا۔ اس میں کیبنٹ کے تین ممبر لارڈ پیتھک لارنس۔ سر سٹیفورڈ کرپس اور مسٹر اے ۔ وی الگزینڈر شامل ہیں۔

پہلی اپریل سے یہ لوگ مشہور لیڈروں مثلاً مسٹر گاندھی۔ مسٹر جناح۔ ڈاکٹر امبیدکر اور ماسٹر تارا سنگھ سے بات چیت کرینگے۔ درمیانی عرصے میں وہ اخباروں کے نمائندوں اور وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبروں سے ملاقات کریں گے۔

انڈونیشیا میں ڈچ حکومت اور انڈونیشی لوگوں کے درمیان بات چیت شروع ہو گئی ہے، دو کمیٹیاں تفصیلی معاملات طے کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں، لیکن اب بھی حالات اچھے نہیں۔

سر راما سوامی مدالیار نے جو ہندوستانی مشن لے کر غلہ خریدنے کی غرض سے امریکہ گئے تھے کہا ہے کہ ہندوستان کی حالت ۱۹۴۳ء کے قحط بنگال سے دس گنا زیادہ خراب ہے۔ اگر واشنگٹن کا ملا جلا فوڈ بورڈ ہندوستان کی ضرورت کے مطابق اناج نہیں دیگا تو روس سے مدد کے لئے کہا جائیگا۔

ایران میں بھی حالت نازک ہے۔ روس اور ایران کا جھگڑا ادارہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ ادارہ دنیا میں امن قائم رکھنے اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے قائم ہوا ہے اسکا مفصل حال اگلے صفحوں پر دیکھو۔

فلسطین کا معاملہ بھی چھان بین کے لئے اینگلو امریکی کمیٹی کے سامنے پیش ہوا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ سمجھوتے کی کوئی صورت نکل آئیگی۔

آجکل دنیا میں بہت فتنہ و فساد برپا ہے۔ تم لوگ ابھی بچے ہو اور اسے دور کرنے کے لئے کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔ ہر مہینے تمہیں بتایا جاتا ہے کہ تم کس طرح بے غرضی، مصالحت، سچائی، صاف گوئی اور ایمانداری کی عادتیں پیدا کر کے دنیا کو بہتر بنانے میں حصے لے سکتے ہو۔

اگر تم اچھے شہری بننا چاہتے ہو تو تمہیں اور بھی کئی باتیں سیکھنی ہونگی۔ مثلاً ادب آداب۔ مثل مشہور ہے کہ انسان اپنے اطوار سے پہچانا جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں مہذب سمجھیں تو تمہیں ویسی ہی عادتیں اپنے میں ڈالنی پڑیں گی۔ بزرگوں سے نرمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو رفتہ رفتہ یہ تمہاری عادت بن جائیگی۔ شریف اور مہذب انسان جب پہچانا جاتا ہے جب اسے اپنے سے کمزور اور کم رتبے والے لوگوں کیساتھ واسطہ پڑے۔ نوکروں پر مت چیخو چلاؤ۔ ایسا کرنے سے تمہاری شان نہیں بڑھتی بلکہ تربیت کی خرابی کا پتہ چلتا ہے۔ بس یا تماشے میں اچھی جگہ بیٹھنے کے لئے لوگوں کو دھکے دیکر گھسنے کی کوشش کبھی نہ کرو۔ غریب اور مسکین لوگوں پر مہربانی کرو۔

بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں مثلاً چال ڈھال۔ بات چیت۔ کھانے کے انداز سے اچھے اطوار کا پتہ چلتا ہے۔ ہو سکتا ہے مختلف ملکوں اور طبقوں میں مختلف طریقوں کو اچھا سمجھا جائے لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ سب رواجوں اور قاعدوں کی تہ میں ایک ہی بات پوشیدہ ہے یعنی اپنے سے زیادہ دوسروں کے آرام کا خیال رکھنا۔ یہ سنہری اصول یاد رکھو کہ دوسروں سے ویسا ہی برتاؤ کرو۔ جیسا تم اپنے لئے چاہتے ہو۔ پھر چاہے تم محلوں میں رہو یا جھونپڑے میں۔ تم صحیح معنوں میں شریف کہلاؤ گے ۔

بوڑھا برگد

ملیش نجمی

گاؤں کی آبادی سے دور چھوٹے سے تالاب کے کنارے برگد کا ایک بہت بڑا اور پرانا درخت تھا۔ گاؤں کے سفید بالوں والے کہتے ہیں کہ ان کے باپ دادا اس درخت کو اسی طرح دیکھتے آئے ہیں۔ سینکڑوں بیماریاں آئیں، زلزلے آئے، قحط پڑے اور ہزاروں بستیاں اُجڑیں مگر یہ بوڑھا درخت اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ ہاں سنتے ہیں کہ صرف ایکبار بہت تیز آندھی آئی تھی جس سے ان بڑے میاں کے ایک کان کا پردہ پھٹ گیا تھا اور وہ اونچا سننے لگے تھے۔

یہ برگد میاں رات دن اسی طرح کھڑے کھڑے گذار دیا کرتے مگر ہاں کبھی کبھی اندھیری رات میں اونگھا ضرور کرتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ افیون کھانے کے عادی ہوگئے تھے۔ ایک رات جبکہ چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی چمکدار ستاروں کی فوج کے ساتھ آسمان کے نیلے تخت پر جلوہ افروز تھا، برگد میاں بڑے غور سے ان ننھی ننھی مچھلیوں کو بیقراری سے دیکھ رہے تھے جو چاند کی روشنی میں تالاب کی سطح پر چمک رہی تھیں۔ مچھلیاں آج بہت پریشان اور فکرمند نظر آرہی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں ان کی بہت سی بہنیں اور سہیلیاں ان سے چھٹ چکی تھیں اور برابر چھوٹتی جا رہی تھیں۔ گاؤں کے شریر لڑکے دن کا کھانا کھا کر دبے سے گھر سے باہر نکلتے اور بجائے اسکول جانے کے تالاب میں آکر ان غریب مچھلیوں کو پکڑا کرتے تھے۔ اُن کی شرارتوں نے نہ جانے کتنی غریب مچھلیوں کو بیوہ، کتنوں کو یتیم اور کتنوں کو بے اولاد بنا دیا تھا۔ گویا تالاب کی ساری مچھلیوں کا عذاب اسکول سے بھاگے ہوئے شریر بچوں پر پڑ رہا تھا لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور ہر روز تالاب پر آتے اور مچھلیاں پکڑ کر لے جاتے۔

جب کسی پر بہت مصیبت آتی ہے تو وہ اس سے چھٹکارا پانے کی ترکیب سوچنے لگتا ہے۔ بالکل یہی حالت ان غریب مچھلیوں کی تھی اسلئے آج وہ سب چاند کی روشنی میں پانی کی سفید چادر پر جمع ہوگئی تھیں اور ایک دوسرے سے مشورہ کر رہی تھیں کہ انھیں کیا کرنا چاہئے۔ برگد میاں خاموش کھڑے سب کچھ دیکھ سن رہے تھے۔ مچھلیاں ان سے بہت مانوس تھیں مگر کبھی کبھی ان کے زور زور سے سانسیں لینے کی آواز انھیں سہما ضرور دیتی تھی۔ غریب مچھلیاں آج اس بات کا فیصلہ کرنے پر تیار تھیں کہ انھیں شریر بچوں سے کس طرح چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔ سب اپنی اپنی رائے دے رہی تھیں لیکن کوئی بھی کامیاب و ثابت ہو رہی تھی۔ ایک چھوٹی مچھلی جو بہت دیر سے کسی گہری سوچ میں تھی۔ کھنکار کر بولی،۔

”میری پیاری بہنو! میری سمجھ میں ایک بہت اچھی بات آئی ہے“ ——

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ مچھلیوں میں شور مچ گیا اور وہ بہت غور سے اس کا منہ تکنے لگیں۔ چھوٹی مچھلی نے سب کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور کہنا شروع کیا ——

”ہم سب اس وقت تک اس مصیبت سے چھٹکارا نہیں پا سکتے جب تک اس گھر کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ چلے جائیں۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم سب کسی سفر کے لئے تیار ہو جائیں اور اس جگہ کو خیرباد کہہ کر ندی کے راستہ کسی دریا میں چل کر اپنا ملک آباد کریں، وہاں رہنے کے لئے اچھی سے اچھی جگہ اور کھانے پینے کے لئے اچھے سے اچھا سامان ملے گا۔ وہ جگہ بڑی خوبصورت اور آرام دہ ہوگی اور نہ وہاں کسی بات کا ڈر ہوگا۔

برگد میاں جو اب تک خاموشی سے اس چھوٹی مچھلی کی بات سُن رہے تھے۔ ایک دم سے ہنس پڑے۔ ان کی بھونڈی ہنسی سے ڈر کر مچھلیاں بھاگ کر پانی کے اندر چلی گئیں۔ اب برگد میاں اور زور زور سے ہنس رہے تھے۔ دل ہی دل میں کہنے لگے یہ مچھلی بھی کتنی بیوقوف اور ناسمجھ ہے۔ اپنے ساتھیوں کو رائے دے رہی ہے کہ وہ کسی کے ظلم وستم سے تنگ آکر اپنا وطن چھوڑ دیں۔ جان پر بازی لگا کر اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے بجائے اپنے ساتھیوں کو بزدلی کا سبق دے رہی ہے نکمی ..... کمزور ..... برگد میاں کی ہنسی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ دھیرے دھیرے ساری

مچھلیاں پھر اوپر آگئیں۔ چھوٹی مچھلی بڑے فخر کے ساتھ دوسری مچھلیوں کا منہ تک رہی تھی۔ اسے اپنی رائے کی تائید کا انتظار تھا۔ ایک دوسری مچھلی جو ابھی ابھی کچھ سوچ کر اوپر آئی تھی تڑپ کر بولی۔ "بزدل نکمّی!! تم ہم لوگوں کو بیوطنی کا سبق دے رہی ہو۔ تم چاہتی ہو کہ ہم گھر سے بے گھر ہو جائیں۔ اس پیاری جگہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں، اس گود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خالی کر دیں جس میں ہم پیار و محبت کے جھولے جھول کر پروان چڑھے ہیں۔ اس مٹی کو دوسروں کے حوالے کر دیں جسے ہم نے آنکھوں سے لگایا ہے۔ اور جس کی ٹھنڈک میں سکھ اور آرام کی راتیں بسر کی ہیں۔ اپنی زمین اور اپنے گھر کو چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ہم یہیں اپنی جان دیدیں۔ کنارے جا کر اپنی بزدلی کا ماتم کریں اور تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔"

دوسری مچھلی کی اس تقریر سے ساری مچھلیوں میں خلفشار مچ گیا اور سب کی سب پہلی مچھلی کو لعنت ملامت کرنے لگیں ـــــــ شور و غل کم ہونے کے بعد ساری مچھلیاں سوچنے لگیں کہ اب کیا کیا جائے۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد ایک دوسری مچھلی نے اپنی رائے پیش کی۔ اس نے اپنی بہنوں سے کہا کہ ہم سب کو ملکر "جونکوں" کے پاس جانا چاہئے اور ان سے کہنا چاہئے کہ وہ سب مل کر دشمنوں کا خون چوسنا شروع کر دیں تاکہ وہ یہاں قدم رکھنے کی ہمت نہ کر سکیں۔ لیکن دوسری مچھلیوں نے یہ رائے بھی ٹھکرا دی اور اس کے جواب میں کہنے لگیں کہ غیر دشمنوں کا خون چوس کر اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں۔ ہماری زندگی کو خطرے سے نہیں بچا سکتے۔ ممکن ہے وہ اپنی اس مدد کا بدلہ ہم سے کسی اور طرح سے مانگیں اور اس وقت ہم اور مشکل میں گرفتار ہو جائیں۔ اچھا ہوگا کہ ہم خود اپنے بچنے کی کوئی ترکیب سوچیں۔ ایک بوڑھی مچھلی جو بہت دیر سے غور و فکر کے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی ایک دم سے چونکی۔ آگے بڑھی اور رازدارانہ انداز میں بولی: "میری عزیزو! واقعی آج ہم سب پر بہت برا وقت آن پڑا ہے۔ ہماری آزادی ہم سے چھین لی گئی ہے۔ ہماری سچی خوشی اور سچی مسرت لوٹ لی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ہمیں نا امید نہ ہونا چاہئے۔ اسکے بجائے کہ ہم دوسروں کی مدد لیتے پھریں ہمیں خود اپنی طاقت کام میں لانی چاہئے۔ ہم سب ملکر کوئی ایسا کام کریں کہ دوسرے دیکھتے رہ جائیں اور ہمارے بعد ہماری نسلیں اور ہماری اولادیں ہمارے نام سے اپنے گھروں میں چراغ جلایا کریں۔ دُور دُور کے چھوٹے بڑے تالابوں میں ہمارے نام کی لہریں اٹھا کریں اور ہمارا نام دریاؤں اور سمندروں میں بھی عزت کے ساتھ لیا جانے لگے۔ آؤ ہم بتاتے ہیں۔ ہم تمہیں اس مصیبت سے آزاد ہونے کی رائے دیتے ہیں۔ سُنو! اس بہادر مچھلی نے اپنی رائے اتنی آہستہ سے دی کہ اسے برگد میاں بھی نہ سُن سکے۔ آس پاس کے لوگ بھی نہ سُن سکے یہاں تک کہ ہم بھی نہ سُن سکے۔

دوسرے دن غریب مچھلیوں کے دشمن پھر تالاب کے کنارے پہونچ گئے۔ آج وہ پورے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر آئے تھے۔ نمک، مرچ، مصالحہ، چاقو غرضیکہ سارا سامان ان کے پاس تھا۔ ان کا خیال تھا کہ آج وہ خوب مچھلیاں پکڑیں گے اور وہیں بھون بھون کر کھائیں گے بھی۔

ساری مچھلیاں بوڑھی مچھلی کے سمجھانے کے مطابق دشمنوں پر

نظر جمائے ہوئے گہرے پانی کی سطح پر ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ دشمن خوش تھے کہ آج شکار بہت ہے۔ لڑکوں نے بڑھکر جال پھینکا۔ مچھلیاں دُور ہٹ گئیں۔ سب نے ملکر جال اور آگے بڑھکر پھینکا۔ مچھلیاں وہیں کھڑی رہیں اور سب کی سب جال کے اندر آگئیں۔ دشمن کے جال میں گرفتار ہوتے ہی مچھلیوں نے زور لگایا۔ ایک لڑکے کے ہاتھ سے جال کا کونا چھوٹ گیا اور وہ کیچڑ میں پھسل کر گہرائی کی طرف جاگرا۔ دوسرے لڑکے اس کو بچانے کو بڑھے اور وہ بھی پانی میں غوطے کھانے لگے۔ لڑکوں کا سردار تیرنا خوب جانتا تھا اُس نے لڑکوں کو نکالنے کے لئے جب غوطہ مارا تو سارے لڑکے اس سے چمٹ گئے اور جب وہ تینوں سے چمٹا ہوا باہر نکلا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ تینوں لڑکے اس کی گردن سے چمٹے تھے اور اب وہ بھی ڈوبنے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر برگد میاں کو بڑے زور سے ہنسی آئی۔ ظالموں کی دُرگت پر ہنسی آئی اور آتی چلی گئی۔ ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ برگد میاں مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ ہنسی ہنسی میں ان کی موٹی چھڑی ان کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر گئی اور پانی پر تیرنے لگی۔ لڑکوں کا سردار جو قریب قریب ڈوبنے ہی والا تھا فوراً برگد میاں کی چھڑی پر سوار ہوگیا۔ اس کے دوسرے ساتھی ابھی تک اپنی جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ اس نے بڑی مشکل سے ان تینوں کو بھی اس پر بٹھالیا اور کنارے آنے لگا۔ اس نے دیکھا ان سب کے سرپرست کنارے پر کھڑے دانت پیس رہے تھے۔

گھر پہنچکر لڑکوں کے والدین نے ان کی خوب خوب مرمت کی۔ کھانے کو بھی نہیں دیا اور جب وہ بھوکے اسکول پڑھنے گئے تو ان کے ماسٹروں نے ان کی غیر حاضری پر ان کی خوب پٹائی کی۔

اسی رات کو مچھلیوں نے ستاروں کی روشنی میں پانی کی صاف چادر پر خوشی کا جشن منایا اور سب نے ملکر بوڑھی مچھلی کو کنول کے ہار پہنائے اور اپنی کامیابی اور آزادی کے گیت گانے لگیں۔ بوڑھے برگد میاں مچھلیوں کو بڑے پیار کی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ ان سے کہہ رہے ہوں۔ اے آزادی کی متوالیو، تمہارے اوپر آفرین ہے، مرحبا، مرحبا۔ برگد میاں جھوم جھوم کر مچھلیوں کی آزادی کا گیت سن رہے تھے۔ اور اسی طرح سنتے سنتے اونگھنے لگے ⁂

ہیرے ——— بقیہ صفحہ ۶

ہندوستان میں ریاست حیدرآباد دکن میں گولکنڈہ کی کانوں سے بہت سے قیمتی اور مشہور ہیرے نکل چکے ہیں لیکن اب یہ کانیں بیکار ہو چکی ہیں۔ غالباً پرانے زمانے کے تمام مشہور ہیرے ہندوستان کے تھے اور نگ زیب کے خزانے میں "مغل اعظم" نامی ایک ہیرا تھا جس کا وزن ۷۸۰ قیراط تھا۔ بعد میں وینس کے ایک کاریگر نے اسے کاٹ کر ۲۸۰ قیراط کر دیا تھا۔ کوہ نور جو نادر شاہ کے قبضے میں تھا ایسٹ انڈیا کمپنی نے لے کر ملکہ وکٹوریہ کو بھیجا تھا، اس کا وزن ۱۸۶ قیراط تھا۔ پھر لندن میں اسے کاٹ دیا گیا۔ اب اس کا وزن ۱۰۶ قیراط ہے۔ کچھ اور مشہور ہندوستانی ہیرے "ریجنٹ"، "اکبر شاہ"، "نظام" اور "گریٹ مغل" ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا ہیرا ٹرانسوال کی ایک بڑی کان میں نکلا تھا اور ایڈورڈ ہفتم کو تحفے میں دیا گیا تھا۔

اب ہیرے پیدا کرنے والے ملکوں میں خاص خاص برازیل اور جنوبی افریقہ ہیں۔ ۱۸۷۰ء سے ہیرے کی صنعت قریب قریب پوری جنوبی افریقہ کے ہاتھ میں چلی گئی ہے ⁂

ہیرے

سعیدہ حامد

پچھلے دنوں جب آغا خاں کو ان کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر ہیروں میں تولا گیا تو بمبئی میں ایک شاندار نظارہ دیکھنے میں آیا۔ اس جشن نے ہندوستان کی پرانی شان و شوکت کی یاد تازہ کر دی اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے الف لیلہ کا نظارہ پھر گیا۔ آغا خاں کا وزن ۲۴۳½ پونڈ تھا۔ خیال ہے کہ ان ہیروں کی قیمت ایک کروڑ روپوں سے کچھ ہی کم تھی۔ وہ ہیروں میں اسلئے تولے گئے کہ ہیرے سب سے زیادہ قیمتی جواہرات ہوتے ہیں۔

لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہیرے کس چیز سے بنتے ہیں؟ فرانس کے انقلاب کے زمانے میں وہاں ایک بڑا سائنس داں لاوازئے تھا جس نے یہ ثابت کیا کہ ہیرے کاربن سے بنتے ہیں۔ کاربن دھات سے الگ ایک چیز ہوتی ہے اور ٹھوس، سیال اور گیس تینوں صورتوں میں ملتی ہے۔ کاربن طرح طرح کی شکلیں اختیار کرتا ہے اور کئی مرکبات تیار کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم کاربن کو اس چارکول کی طرح کا سیاہ پوڈر سمجھتے ہوگے جسے آرٹسٹ تصویریں بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ چارکول اور کوئلے کے علاوہ کاربن ننھے ننھے ریزوں کی شکل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے گریفائٹ جو پنسلوں میں استعمال ہوتا ہے اور لوگ غلطی سے اسے لیڈ کہتے ہیں۔ اب مزے کی بات یہ ہے کہ کاربن مختلف شکلوں کے بڑے بڑے ریزوں میں بھی ملتا ہے۔ اسی قیمتی پتھر کو ہیرا کہتے ہیں۔ کیمیاوی طور پر ان مختلف شکلوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

مشہور ہندوستانی سائنسداں سر سی، وی رمن اپنی قیمتی سائنسی تحقیقات پر نوبل پرائز حاصل کر چکے ہیں۔ اس تصویر میں وہ بنگلور میں اپنی لیبورٹری کے باہر نظر آ رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ہیرے کا ایک نمونہ ہے جس میں ایٹموں کی ترتیب دکھائی گئی ہے۔

اب تم پوچھوگے کہ جب ہیرے اسی چیز سے بنتے ہیں جس سے کوئلہ بنتا ہے تو یہ کوئلے کی طرح سستے کیوں نہیں ہوتے۔ تو بات یہ ہے کہ کسی چیز کے دام کبھی اس کے استعمال اور فائدوں کو دیکھ کر نہیں مقرر کئے جاتے۔ ویسے تو کوئلہ اور گریفائٹ ہیرے سے کہیں زیادہ کارآمد چیزیں ہیں لیکن چونکہ افراط سے پائی جاتی ہیں اسلئے سستی ہیں۔ ہیرے کمیاب ہیں اور مشکل سے ملتے ہیں اسلئے لوگ ان کو خریدنے کے لئے زیادہ دام دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ جب کاربن کچھ خاص حالات میں صدیوں تک سخت گرمی اور زبردست دباؤ میں رہتے ہیں تو ہیرے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ کوئلے کی طرح ہیرے بھی زمین کے اندر کانوں میں پائے جاتے ہیں۔

ہیرے تراشے بغیر خوبصورت نہیں معلوم ہوتے۔ دراصل ہیرا جب نیا نیا کان سے نکلتا ہے تو اسکی شکل ایک بھدے بھورے اور بے ڈھنگے پتھر کی سی ہوتی ہے خوبصورتی کے لئے انھیں تراش کر ان پر پالش کی جاتی ہے۔ ہیروں کو تراشنے کا رواج بہت پرانا ہے۔ پرانے زمانے میں مصر و بابل کے لوگ بھی انھیں تراشنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ پتھر کئی طرح تراشے جاتے ہیں۔ کبھی تو انھیں گولائی میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ کبھی ان میں کئی رُخ بنا دئے جاتے ہیں جیسا کہ عام طور پر ہیروں میں ہوتا ہے۔ جس تراش سے ہیرے میں سب سے زیادہ چمک دمک آجاتی ہے اسے "جوت" کہتے ہیں۔ تم نے اکثر لوگوں کو ہیرے کی جوت کا ذکر کرتے سنا ہوگا۔

تراش کے کام میں بڑے ہنر اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاریگر ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے پہنے رہتے ہیں۔ پہلے تو ہیروں کے پہلو تراشے جاتے ہیں اس کے بعد لوہے کے ایک پہیے سے اس پر پالش کی جاتی ہے۔ اس پہیے پر لپا ہوا ہیرا اور تیل لگا ہوتا ہے۔ یہ کام بہت آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور ذرا سی لاپرواہی سے قیمتی پتھر کا ستیاناس ہو سکتا ہے۔ بلجیم نے اس کام کے بڑے بڑے کاریگر پیدا کئے ہیں اور بلجیم کی تراش سے ہیرے کی چمک دوبالا ہو جاتی ہے۔

ہیرے قیراط کے وزن سے تولے جاتے ہیں۔ ۱۵۱ ہیرے کی قیراط سے کچھ زیادہ وزن ایک اونس کے برابر ہوتا ہے۔ جس قیراط کے حساب سے سونا تولا جاتا ہے وہ اس سے مختلف ہوتی ہے۔

سچے ہیرے پر ریتی سے کوئی نشان نہیں پڑ سکتا۔ اور مصنوعی ہیرے پر ریتی نشان ڈال دیتی ہے۔ ہیرا سارے پتھروں میں سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور ہیرے کے علاوہ کسی چیز سے نہیں کٹ سکتا۔ لیکن ہیرے سے ہر چیز کٹ سکتی ہے۔ مثلاً شیشہ کاٹنے کے لئے ہیرا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

کدّو میاں اسکول جاتے ہیں

۷

کدّو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے۔

اب کدّو میاں کے اسکول جانے کا وقت ہے
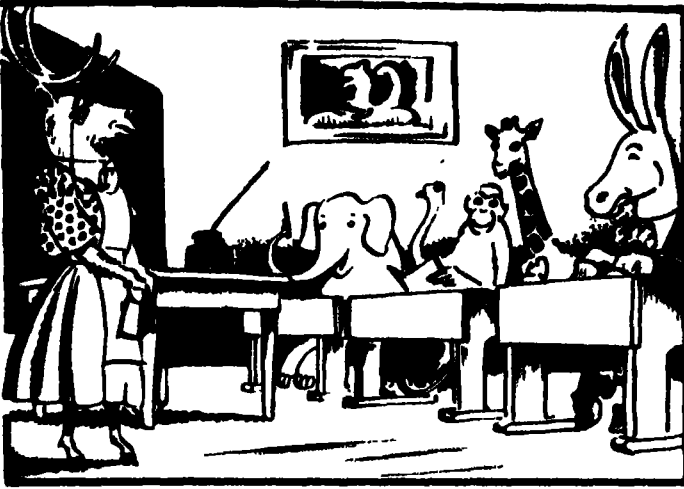
کدو میاں ان طالب علموں کے ساتھ بہت خوش ہیں۔ انھیں اپنی نوجوان استانی بھی بہت پسند ہیں۔ وہ انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ بہت نیک گدھے بنے رہیں۔

جب استانی کدو میاں کو اپنی میز کے پاس بلا کر ان کا نام، پتہ اور عمر پوچھتی ہے تو وہ بہت فخر محسوس کرتے ہیں۔

لیکن افسوس! ایک مکھی نے ان کی پیٹھ کو گدگدانا شروع کیا۔ انھوں نے اسے اڑانے کے لئے اپنی دم ہلائی اور ایک وار میں استانی کی عینک اس کی ناک سے گر پڑی اور دوات میز سے۔ اس کی ساری کتابیں خراب ہوگئیں اس کے خوبصورت سفید لباس پر روشنائی کے دھبے پڑ گئے اور کدّو میاں ذلیل ہوئے۔

سچی کہانی

شاعر ٹیگور

از
اوشا راجیندر ناتھ

اگست ۱۹۴۱ء کی ساتویں تاریخ ہندوستان کے لئے بہت بُری تھی کیونکہ اس دن شاعرِ اعظم ٹیگور ہم سے جدا ہو گیا۔

مئی ۱۸۶۱ء میں ایک اور ساتویں تاریخ کو دیوندر ناتھ ٹیگور کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ یہ رابندر ناتھ تھا۔ جس کا پیار کا نام ربی تھا۔ یہ چودہ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا۔

یہ کیسی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ لمبی سفید ڈاڑھی والا وہ بزرگ اور محترم شاعر جس کی دنیا نے ہمیشہ عزت کی اور جسے دنیا کا سب سے بڑا اعزاز یعنی ادب کا نوبل پرائز ملا، وہ ایک دن تم نونہالوں کی طرح ایک ننھا بچہ تھا۔ وہ شوخیاں کرتا تھا، شریر تھا، ماسٹروں کے پاس سے بھاگ آتا تھا، دودھ پینے سے جی چراتا تھا اور اپنے درزی سے کہہ کر کوٹ میں بہت جیبیں لگواتا تھا تاکہ ان میں پتھر اور الابلا بھر سکے۔ لیکن یہ سب باتیں سچ ہیں اور تم ٹیگور ہی کی کتابوں "میرا بچپن" اور "میری یادیں" میں ان کی بابت پڑھ سکتے ہو۔

ٹیگور کا بچپن بہت سادگی سے گزرا۔ اس کے پاس بہت تھوڑے کھلونے تھے اور ٹیگور کے خیال میں یہ اچھی بات تھی کیونکہ کھلونوں کی زیادتی سے بچّہ ان کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اور جو بچّہ کھیل کے طریقے خود سوچنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے وہ نئی نئی باتیں سوچنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

"بچے! تو صبح سے خاک میں بیٹھا ہوا اس ٹوٹی ہوئی شاخ سے کھیل رہا ہے اور کتنا خوش ہے؟
میں اس چھوٹی سی ٹوٹی ہوئی شاخ کے ساتھ تیرے کھیل پر خوش ہوں!"

دوسرے بچوں کی طرح ربی بھی اپنے باپ کے گھر کے بڑے پھاٹکوں کے باہر اکیلا بھاگ کر سڑک کے شور و شغب میں پہونچ جانا چاہتا تھا۔ اس کے برآمدے کے ایک کونے سے سڑک نظر آتی تھی۔ یہ کونا ہمارے شاعر کو بہت پسند تھا۔ یہیں بیٹھ کر وہ کہانیاں اور نظمیں لکھتا تھا۔ اس نے بہت چھوٹی عمر سے نظمیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ اور بلا جھجک انھیں پڑھا کرتا تھا۔ اس نے بچوں کا ایک کھیل ایجاد کیا تھا جس کے لئے اس نے یہ شعر لکھا تھا۔

شیرنی شیرنی اب تمہارا کاٹ دیا سر
شیرنی شیرنی اب تم گئیں مر

پھر اسکول کے دن آئے۔ ربی نے اسکول جانے کے لئے ضد کی اور رویا۔ اور جب وہ اسکول پہونچ گیا تو وہاں سے واپس آنے کے لئے اور بھی رو یا چلّایا۔ اسے اسکول کچھ پسند نہیں آیا۔ ماسٹر سنگدل تھے اور ان میں ہمدردی کی کمی تھی۔ اسکول کے قانون سخت تھے اور پڑھائی بالکل بے مزہ۔

ٹیگور ان باتوں کو کبھی نہیں بھولا۔ بعد میں اس نے خود اپنے باپ کے گاؤں میں ایک اسکول کھولا اور اس کا نام شانتی نکیتن رکھا۔ شانتی نکیتن کے معنی ہیں "امن کی جگہ"۔

یہ اسکول بڑھ کر وشوا بھارتی یونیورسٹی ہو گیا۔ یہاں کلاسیں کھلی ہوا میں پیڑوں کے نیچے لگتی ہیں۔ درجوں میں نہ تو وہ قید ہے نہ وہ سخت قانون اور بید کی سزائیں جن سے ٹیگور کو اپنے بچپن میں مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ ٹیگور جی ساری عمر شانتی نکیتن میں رہے اور طالب علموں کے لئے گانے، ڈرامے، اور نظمیں لکھتے رہے۔ انھوں نے اپنے کئی ڈراموں میں طالب علموں کے ساتھ خود بھی حصہ لیا۔ اپنی کتاب "طوطے کی تعلیم" میں انھوں نے تعلیم کے پرانے طریقوں کا مذاق اُڑایا ہے اور اسکولوں کو بہتر اور خوشی کی جگہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

ٹیگور اس دور میں دنیا کے سب سے بڑے شاعروں میں گنے جاتے ہیں۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے اور ان کی شاعری سمجھنے لگو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ نیچر کے حسن کو کتنی اچھی طرح بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اپنے بچپن میں وہ گھاس پر جھلکتی ہوئی شبنم کو دیکھنے اور پھولوں کی بھیگی ہوئی پنکھڑیاں چھونے کے لئے باہر بھاگ جایا کرتے تھے۔

ٹیگور بہت بڑے شاعر ہی نہیں تھے بلکہ وطن کے بہت بڑے پجاری بھی تھے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ اپنے ملک کو آزاد دیکھیں۔ انھوں نے بنگالی زبان میں آزادی پر ایک بڑی خوبصورت نظم لکھی ہے جو ان کی سب سے مشہور نظموں میں سے ہے۔ اس کے چند شعر یہ ہیں ؎

"جہاں دماغ کو کوئی ڈر نہیں ہوتا،

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

کل کی باتیں

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

پچھلے چند مہینوں سے تم ادارہ اقوام متحدہ کا نام سُن رہے ہو جسے یو۔ این۔ او بھی کہتے ہیں۔ لڑائی کی وجہ سے جن جن آفتوں کا سامنا کرنا پڑا اس سے ثابت ہو گیا کہ جنگ کتنی بھیانک چیز ہے۔ اور آئندہ کسی قیمت پر بھی دوبارہ لڑائی نہیں ہونی چاہئے۔ اسلئے بہت سی قوموں نے مل کر ادارۂ اقوام متحدہ کی بنیاد ڈالی اور دنیا میں امن قائم رکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسکا پہلا اجلاس اس سال ۱۰ جنوری کے دن ہوا۔

اس ادارے کے چھ حصے ہیں۔ جنرل اسمبلی۔ سلامتی کی کونسل۔ اقتصادی اور سماجی کونسل۔ متولی کونسل۔ بین الاقوامی عدالت اور سکرٹیریٹ۔

جنرل اسمبلی مرکزی جماعت ہے اور اسکے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ ادارے کے مختلف شعبوں کے لئے ممبر بھی اسمبلی چنتی ہے۔ اسے نئے ممبر بھرتی کرنے کا یا نکال دینے کا اختیار ہے۔ اگر کوئی نیا جھگڑا اٹھ کھڑا ہو جائے تو اسکا فیصلہ بھی جنرل اسمبلی کو کرنا پڑتا ہے۔ دنیا میں امن قائم رکھنے کے متعلق تجویزوں پر غور کرنا بھی جنرل اسمبلی کے ذمے ہے۔ ہر قوم اسمبلی کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر سکتی ہے۔ لیکن جس معاملے پر سلامتی کی کونسل غور کرے گی اس میں جنرل اسمبلی دخل نہیں دے سکتی۔ اسمبلی میں ہر قوم کا ایک ووٹ ہوتا ہے اور جب تک دو تہائی ممبر کسی تجویز کے حق میں ووٹ نہ دیں۔ اہم تجویزیں منظور نہیں ہو سکتیں۔ اسمبلی کا اجلاس عموماً سال میں ایک دفعہ ہی ہوگا۔ لیکن ممبروں کی اکثریت چاہے تو درمیانی زمانے میں بھی اجلاس ہو سکتا ہے۔

سلامتی کی کونسل میں ۱۱ ممبر ہیں۔ ان میں سے پانچ یعنی روس۔ چین۔ امریکہ۔ فرانس۔ اور برطانیہ مستقل ممبر ہیں۔ باقی کے چھ ممبروں کا چناؤ جنرل اسمبلی ہر دو سال بعد کریگی۔

کونسل کا اجلاس ہمیشہ جاری رہتا ہے، اور لڑائی کا خطرہ ہوتے ہی کونسل فوری کارروائی کر سکتی ہے۔ جھگڑے کی صورت میں یہ دونوں قوموں میں سمجھوتہ کرانے کی کوشش کریگی۔ اور یہ کوششیں کامیاب نہ ہوئیں تو جس قوم کی زیادتی ہوگی اس سے تمام دوسرے ملک خشکی، ہوا، ڈاک اور سمندری تعلقات توڑ ڈالیں گے۔ دُنیا میں امن رکھنے کی غرض سے کونسل ظالم ملکوں پر حملہ بھی کر سکتی ہے۔ اس کام میں پانچ بڑی قوموں کے فوجی افسر اعلیٰ مدد کریں گے۔ ایسے اہم فیصلے کم از کم سات ممبروں کی منظوری کے بغیر نہیں کئے جا سکتے جن میں پانچ مستقل ممبروں کا ووٹ ضروری ہے۔

اقتصادی اور سماجی کونسل کے ۱۸ ممبر ہیں۔ جنکا چناؤ جنرل اسمبلی کریگی۔ یہ کونسل دنیا کے حالات بہتر کرنے اور معیار زندگی بلند کرنے کی کوشش کرے گی۔ بچوں کی فلاح و بہبود اور بیکاری کے مسئلے کو بھی حل کرے گی۔

متولی کونسل ان علاقوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیگی جو خود مختار نہیں یا دشمن کے قبضے میں تھے۔

تم نے دیکھا کہ ادارۂ اقوام متحدہ کتنی طاقتور جماعت ہے۔ اگر اس کے تمام ممبر مل جل کر کام کریں تو دنیا سے جنگ کا خطرہ بالکل دُور ہو جائے۔ اور ہم لوگ نہایت آرام سے رہ سکیں۔

یو-این-او

یو-این-او میں ہندوستان کے نمائندے سر کرشناماچاری اور سر راماسوامی مالیار
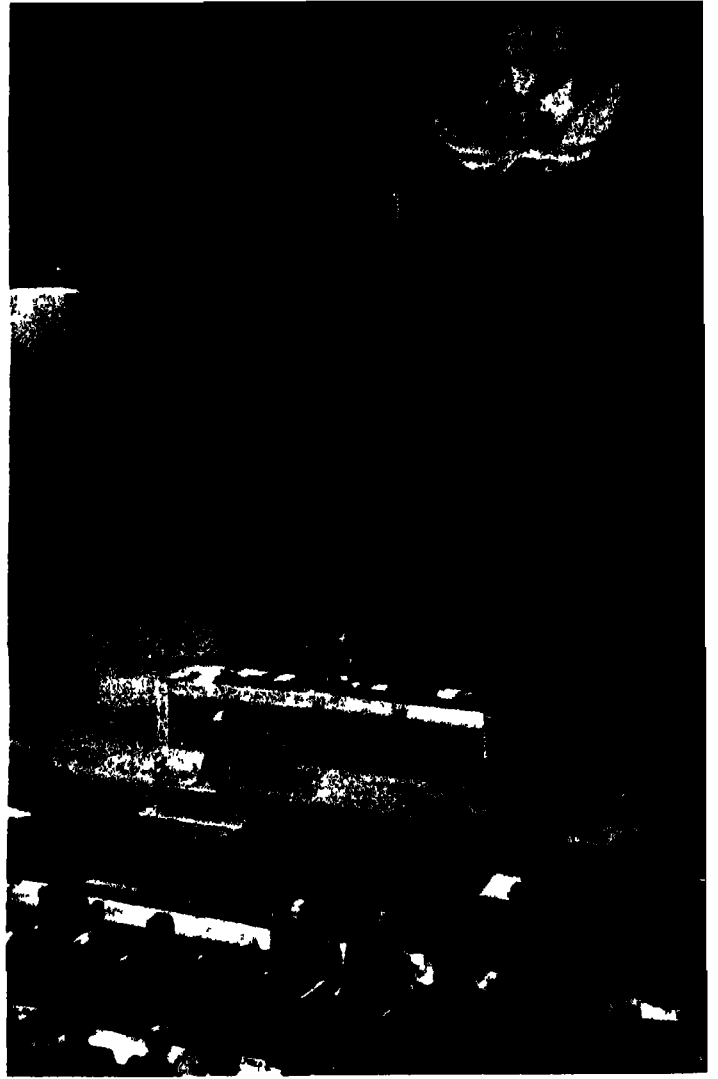
یو-این-او کے ایک اجلاس میں ایک ممبر کی تقریر۔ اونچے پلیٹ فارم پر جو تین آدمی بیٹھے ہیں ان میں بیچ والے یو-این-او کے صدر مسٹر اسپاک ہیں جو بلجیم کی نمائندگی کرتے ہیں۔
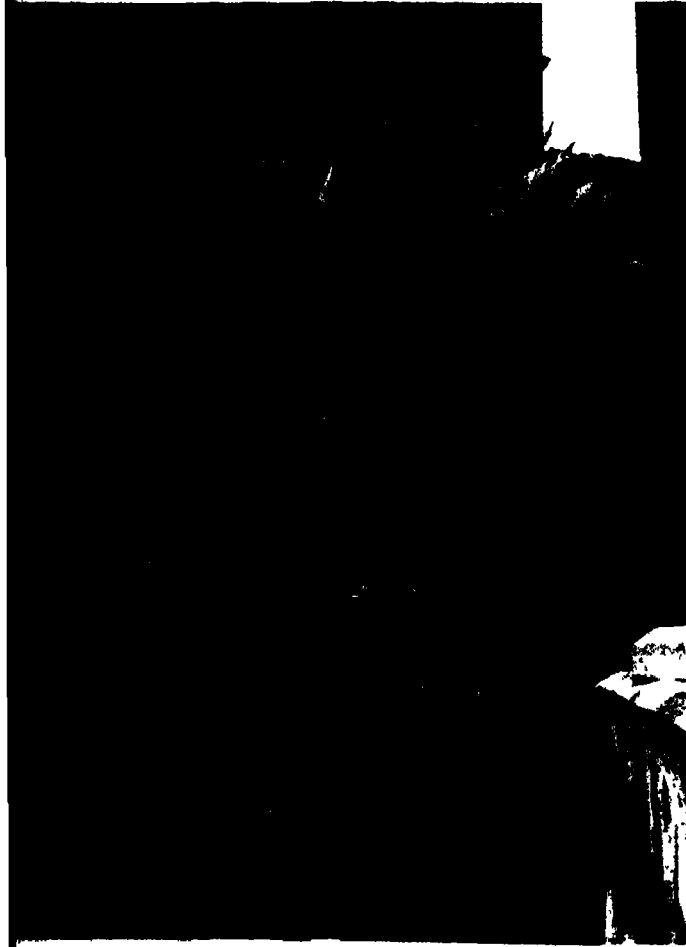
ویسٹ منسٹر لندن کے سنٹرل ہال کا اندرونی منظر۔ اس ہال میں یو-این-او کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ دروازے کے اوپر مختلف قوموں کے جھنڈے لگے ہوئے ہیں اور سامنے بہت ...

سعودی عرب کے امیر فیصل جو یو-این-او کے ایک ممبر ہیں۔

آسام

چائے کے ایک باغ میں چائے توڑنے والی لڑکی

آسام کا صوبہ ہندوستان کے شمال مشرقی کونے پر واقع ہے جہاں ہندوستان، تبت، برما اور چین کی سرحدیں ملتی ہیں۔ آسام کی ٹھنڈی اور صحت بخش آب و ہوا چائے کی کاشت کے لئے بہت مفید ہے۔

آسام، دریا، اونچے پہاڑ اور چمکتے ہوئے آبشاروں کی سرزمین ہے۔ اسے چائے اور آبشاروں کا ملک بھی کہتے ہیں۔ برہم پترو ہندوستان کے سب سے بڑے دریاؤں میں سے ہے، آسام میں ہو کر بہتا ہے۔

آسام کا رقبہ ساٹھ ہزار مربع میل ہے۔ یہاں کے گھنے جنگلوں میں ہاتھی، گینڈے، جنگلی بھینسے، ہرن، چیتے اور سانپ افراط سے پائے جاتے ہیں۔ مشرقی آسام پہاڑی علاقہ ہے جہاں گارو، ناگا اور کوکی نامی پہاڑی قبائل آباد ہیں۔

آسام کا دارالسلطنت شیلانگ ہے جو سطح سمندر سے ہزار فٹ اونچی ایک پہاڑی ڈھلان پر بسا ہوا ہے۔

[illegible] قبیلے کا ایک سپاہی

ٹکسال

دمکتے ہوئے روپوں کا ایک ڈھیر جسکی تصویر تھیلیوں میں بند ہونے سے پہلے لی گئی ؛
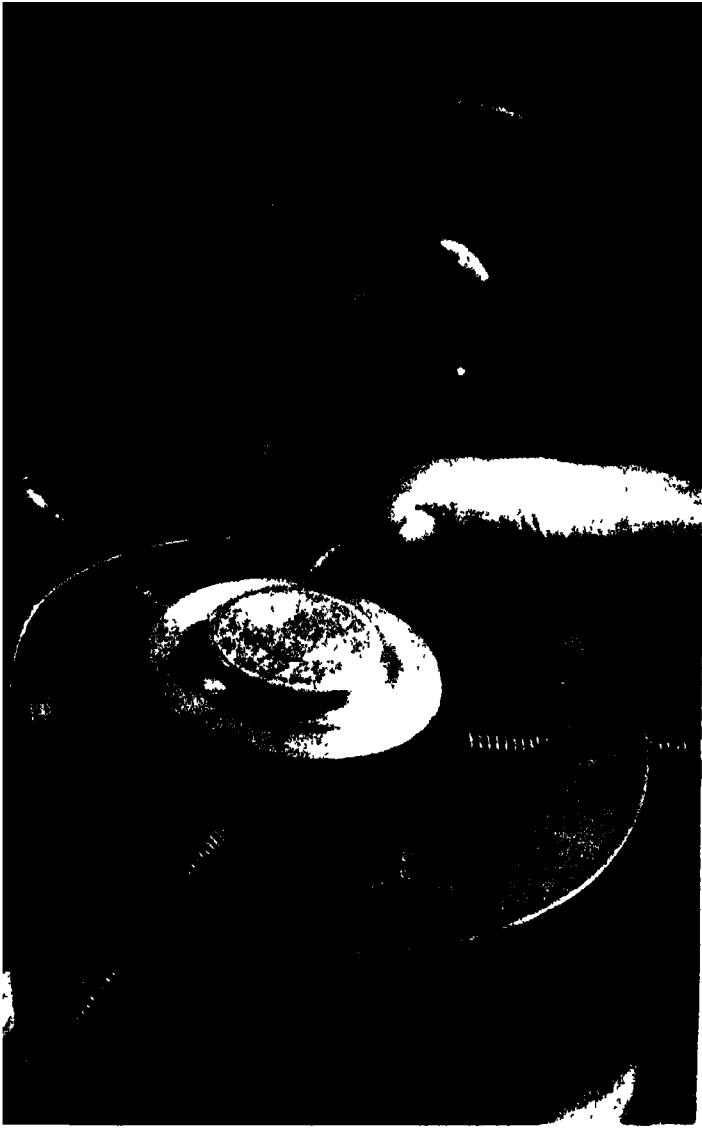
روپے پر ٹھپہ لگانے کے لئے سانچے تیار ہو رہے ہیں۔ استعمال کرنے سے پہلے ان سانچوں کی ذرا ذرا سی خرابیاں دور کی جاتی ہیں ؛

دھات کی سادی چادر میں سے گول ٹکیاں کاٹی جا رہی ہیں ؛

...ی منزل وہ ہوتی ہے جب ان پر ٹھپہ لگایا جاتا ہے۔ ٹھپہ لگانے کی مشین میں ... مشین کے نیچے لکڑی کے ایک بکس میں چمکتے ہوئے روپوں کی ایک

ہماری خدمت کرنے والے

ٹکسال

از عزیز احمد

روپیہ بڑی کارآمد چیز ہے۔ تم نے کبھی اپنی جیب میں سکے کھنکاتے ہوئے یہ بات کئی بار سوچی ہوگی۔ اور تم نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ جو لوگ روپیہ بناتے ہیں وہ کتنے عجیب ہوں گے۔ دراصل حکومت ہی کو روپیہ بنانے کا اختیار ہوتا ہے اور جہاں روپیہ بنایا جاتا ہے اس جگہ کو ٹکسال کہتے ہیں۔ روپیہ بنانے کا سارا عمل بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ آؤ شروع سے اسے دیکھیں۔

روپیہ بنانے سے پہلے دھات کی سادی چادریں اور دھات کے سانچے بنائے جاتے ہیں۔ ان سانچوں میں وہی حروف اور ہندسے بنے ہوتے ہیں جو سکے کے دونوں طرف چھاپنے ہوتے ہیں۔ ایک سانچے سے تقریباً پچاس ہزار سکے ڈھالے جا سکتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ ایک سانچہ بارہ گھنٹے کام کرنے کے بعد گھس جاتا ہے اور مشین میں نیا سانچہ لگانا پڑتا ہے۔

سادی چادریں بنانے کے لئے کئی دھاتوں کو بڑی تیز آنچ پر کسی برتن میں پگھلا لیا جاتا ہے۔ پھر گرم کر کے یہ چادریں ملائم کر لی جاتی ہیں۔ اس کے بعد انھیں فولاد کے بیلنوں میں دبا کر لمبی لمبی پٹیوں کی شکل میں ڈھال لیا جاتا ہے۔ کاریگروں کو بہت ہوشیار رہنا پڑتا ہے کہ دھات کی پٹیوں کی موٹائی بالکل ٹھیک ہو۔ اگر موٹائی میں کچھ بھی کمی بیشی رہے تو پٹیوں کو پھر سے پگھلا کر ڈھالا جاتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

اب دھات کی یہ پٹیاں ایک خاص قسم کی مشین میں ڈالی جاتی ہیں جو ان میں سے چپٹی اور سادی ٹکیاں کاٹ دیتی ہے جو دھات بچ جاتی ہے اسے پگھلا کر پھر سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ سادی ٹکیاں اتنی سخت ہوتی ہیں کہ ان پر سانچوں کے نشان نہیں چھپ سکتے۔ اسلئے انھیں تیزی کے ساتھ ایک بھٹی کے اوپر سے گذارا جاتا ہے۔ اس سے وہ اتنی ملائم ہو جاتی ہیں کہ آسانی سے ان پر سانچوں کے نشان چھپ سکتے ہیں۔ ملائم ہونے کے بعد ٹکیاں اس مشین میں جانے کے لئے تیار ہوتی ہیں جو انھیں سکوں کی شکل میں ڈھالتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے ان پر پالش کی جاتی ہے۔ اس کام کے لئے انھیں ایک پیپے میں ڈالا جاتا ہے۔ جس میں دھات کے بے شمار چھوٹے چھوٹے ریزے ہوتے ہیں۔ پیپا بڑی تیزی سے گھومتا ہے اور دھات کے ریزوں کی لگاتار رگڑ سے ٹکیوں پر بڑی چمک آ جاتی ہے۔

اب ان ٹکیوں کو دھات کے ریزوں سے الگ کرنا ہے۔ اس [illegible] چھلنیوں میں ڈالا جاتا ہے جس میں ٹکیاں رہ جاتی ہیں اور دھات کے ریزے [illegible] سے گر جاتے ہیں۔

پھر پالش کی ہوئی ٹکیاں سکے بنانے کی مشین میں الگ دو سانچوں کے بیچ میں دبائی جاتی ہیں اور سانچوں پر بنے ہوئے حروف اور نشان ان پر اتر آتے ہیں۔ اب سکہ تیار ہے۔ ان سکوں کی ایک چمکتی ہوئی دھار مشین کے نیچے رکھے ہوئے ایک بکس میں گرتی رہتی ہے۔

لیکن ابھی ان سکوں کو ٹکسال کے باہر نہیں بھیجا جائیگا۔ کاریگر ہر سکے کو جانچیں گے تاکہ صرف بالکل ٹھیک سکے باہر جائیں۔ جانچنے کا طریقہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ کاریگر بیٹھ جاتے ہیں اور سکے ان کے سامنے ایک قسم کی کتاب پر پھیلا دئے جاتے ہیں۔ یہ کتاب لکڑی کے دو تختوں کو قلابوں سے جوڑ کر بنائی جاتی ہے۔ سکے کتاب کے ایک طرف پھیلا دئے جاتے ہیں۔ انھیں جانچنے کے بعد کتاب بند کر دی جاتی ہے اور اسے دوسرے رخ سے کھولا جاتا ہے۔ اس طرح سکے کے دونوں رخ تیزی سے جانچ لئے جاتے ہیں۔ کچھ اور کاریگر سکوں کی ڈھیریاں ہتھیلیوں میں لے کر ان کے سرے جانچ لیتے ہیں۔

ڈبوں میں بند کرنے سے پہلے سکے گنے جاتے ہیں۔ گننے کے لئے ایک خاص قسم کی مشین ہوتی ہے۔ اس مشین میں ایک گول چپٹی پلیٹ ہوتی ہے جس میں چالیس سوراخ ہوتے ہیں۔ یہ پلیٹ گھومتی رہتی ہے۔ جتنی دفعہ یہ گھومتی ہے چالیس سکے اسکے سوراخوں کے رستے دھات کی ایک نلکی میں ہو کر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر جا گرتے ہیں۔ ایک خود بخود چلنے والی مشین ان سکوں کو کاغذ میں لپیٹ دیتی ہے۔

سکوں کے ہر پیکٹ کو ٹھیک ٹھیک تولا جاتا ہے۔ اس کے بعد انھیں ڈبوں میں بند کر کے ریزرو بنک بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں سے وہ مختلف بنکوں میں تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ اگر تمہیں بالکل نئے سکے کی ضرورت ہو تو تم بنک سے لے سکتے ہو۔

جو لوگ ٹکسال میں کام کرتے ہیں انھیں ہر گھڑی ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ ان کا کام بڑی ذمہ داری کا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی انھیں رات دن کام کرنا پڑتا ہے تاکہ لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی سکے بنا سکیں۔ انھیں ہمیشہ ٹھیک کام کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر سکے کے سائز یا موٹائی میں ذرا سا فرق رہ جائے تو دن بھر کے کام کے بعد جب مشین ہزاروں سکے ڈھال دیتی ہے، سیکڑوں روپے بیکار ہو جائیں۔ کاریگروں کو بہت ایماندار ہونا چاہئے تاکہ وہ کوئی سکہ اپنے استعمال کے لئے نہ لے جائیں۔

ہمارے ملک میں ٹکسال کلکتہ اور بمبئی میں ہیں۔ لڑائی کے زمانے میں چھوٹے سکوں کی بڑھتی ہوئی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک ٹکسال لاہور میں کھولی گئی تھی۔ شاید تم ان میں سے کسی شہر کو جاؤ تو تمہیں ٹکسال دیکھنے کا موقع ملے ٭
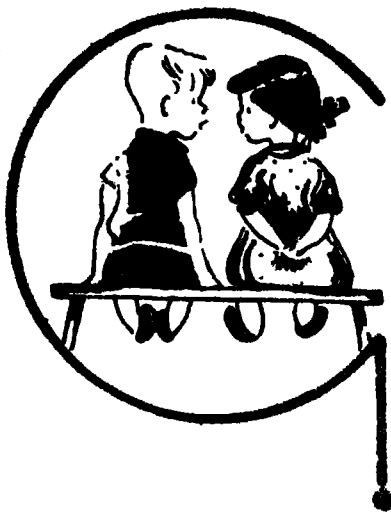
کیا آپ جانتے ہیں

بگ بین ایک کارخانے کے برابر ہے

بگ بین اس مشہور گھڑی کا نام ہے جو ویسٹ منسٹر کے ایک مینار میں تین سو ساٹھ سیڑھیوں کی اونچائی پر لگی ہوئی ہے۔ اس میں چار رُخ ہیں۔ ہر ایک کی چوڑائی ۲۳ فٹ ہے یعنی ایک دروازے کی چوڑائی سے دس گُنی۔ منٹ کی سوئیاں ۱۴ فٹ لمبی ہیں جو ایک معمولی کمرے کی اونچائی سے زیادہ ہے۔ پنڈولم کا وزن ۴۵۰ پونڈ ہے۔ گھنٹوں کے حروف دو فٹ لمبے ہیں اور منٹ کے نشان ایک فٹ مربع کے برابر ہیں۔ منٹ کی سوئی ہر دفعہ چھ انچ کھسک جاتی ہے۔ بگ بین کا گھنٹہ ۸ فٹ اونچا اور ۹½ فٹ چوڑا ہے۔ اس کا وزن ۱۳½ ٹن ہے اور یہ سولہ سو فٹ لمبی زنجیر سے لٹکا ہوا ہے۔ جو ہتھوڑا اس گھنٹے کو بجاتا ہے وہ ۴۵۰ پونڈ وزن کا ہے۔ دو آدمی پانچ گھنٹے تک اس میں چابی بھرتے ہیں تب اسکا گھنٹہ بجتا ہے۔

دنیا کی سب سے چھوٹی چیز کون ہے؟

اب تک جتنی چیزوں کا پتہ چلا ہے ان میں سب سے چھوٹے الکٹرون یا وہ اجزا ہیں جن سے مل کر ایٹم بنتے ہیں۔ یہ نظر نہیں آتے۔ اگر ہم بہت طاقتور خوردبین سے بہترین قسم کی روشنی میں دیکھیں تو چھوٹی سے چھوٹی چیز جو ہم دیکھ سکیں گے وہ ایٹم سے پانچ ہزار گنی بڑی ہوگی۔ اور ایک ایٹم الکٹرون سے اتنا بڑا ہوتا ہے جیسے ایک ذرّے کے مقابلے میں کوئی بڑا گولہ!

چھچھوندر کھدائی کی مشین ہوتی ہے؟

زمین کھودنے میں چھچھوندر سب جانوروں سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اس کے پنجے بیلچے کی طرح ہوتے ہیں اور اگلے پیر بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ زمین کھودنے میں جو مٹی اس کے جسم پر گرتی ہے۔ اسے اس کی ملائم اور موٹی کھال جھٹک کر ہٹا دیتی ہے۔ چھچھوندر کی گذر کیڑوں مکوڑوں پر ہوتی ہے۔ اگر اسے بارہ گھنٹے تک کچھ کھانے کو نہ ملے تو فاقے سے مر جائے۔

ستارہ ماہی کی تعداد بڑھتی رہتی ہے؟

ستارہ ماہی ایک مچھلی کو کہتے ہیں۔ اس کے پانچ یا چھ بازو ہوتے ہیں جو چھوٹے سے پیٹ میں لگے ہوتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں ستارے کی طرح لگتی ہے۔ اگر ستارہ ماہی کا ایک بازو ٹوٹ کر جسم سے الگ ہو جائے تو اس میں چار پانچ بازو اور اُگ آتے ہیں اور وہ ایک الگ ستارہ ماہی ہو جاتی ہے۔

سب سے بڑا شکاری پرند کون سا ہے؟

جن پرندوں کو شکار کی تعلیم دی جاتی ہے ان میں سب سے بڑا شاہین ہے جو سب سے شاندار اور خوب صورت پرندوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس کے ذریعہ ہرن اور بڑے بڑے جانور پکڑے جاتے ہیں۔ اس کی عمر اکثر ساٹھ سال سے زیادہ ہوتی ہے۔

ضرور اس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
وہ اسکول جارہا ہے۔ وہاں سے وہ کیا لے کر آئے گا؟ نئی معلومات، نئے اطوار اور شاید
کسی بیماری کے جراثیم۔ ماں اپنے چھوٹے سے بچے کو ان سب چیزوں کی حفاظت میں بھیجتی ہے
جو اس نے اسے سکھائی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم لائف بوائے صابن کا روزانہ استعمال ہے،
جو میل کے اس خطرہ سے حفاظت کرتا ہے جو تندرست سے
تندرست بچوں کو بھی جراثیم اور بیماری کے متعلق لاحق رہتا ہے۔
LIFEBUOY
SOAP
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔
L. 78-33 UD
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED
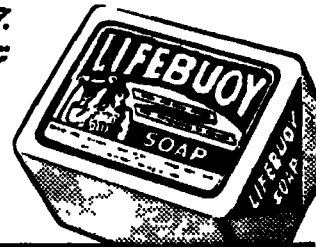
بچوں کی پھلواری

(از سلام مچھلی شہری)

(دور سے دو نرم آوازیں)

پہلی آواز۔ ۔۔۔ پھولوں پر نکھار ہے ۔۔۔ ہر طرف بہار ہے ۔۔۔ اور ہوا کے ہاتھ میں صبح کا ستار ہے!

دوسری آواز ۔۔۔ باغ دل لبھائے ہے ۔۔۔ بھونرا گنگنائے ہے ۔۔۔ چپکے چپکے ہر طرح کا پھول مسکرائے ہے!

(چمیلی)

آجا رے بھنورے میرے پاس ۔۔۔

میں ہوں چمیلی

نئی نویلی

ٹھنڈی ہوا کے گود کی کھیلی:

اپنے من کو لبھا جا رے بھنورے ۔۔۔ آجا رے بھنورے!

آجا رے بھنورے میرے پاس!

(بھنورا)

تیرے پاس نہیں آؤں گا ۔۔۔

اُجلا اُجلا روپ ہے تیرا

جس میں کوئی رنگ نہیں

جانے کیوں اے ننھی چمیلی!

میرے من میں ترنگ نہیں!

تیری مہک اچھی ہے لیکن

رُوپ انوپ کہاں پاؤں گا

تیرے پاس نہیں آؤں گا!

(چمپا)

آجا رے بھنورے میرے پاس ۔۔۔

گھنے گھنے پات میں کب سے چھپی راہ تکوں

مالی موہے چمپا کہے، میں بچاری کچھ نہ کہوں

کیسے اکیلی رہوں ۔۔۔؟

گیت کوئی گا جا رے بھنورے ۔۔۔ آجا رے بھنورے!

آجا رے بھنورے میرے پاس ۔۔۔!

(بھنورا)

گھنے گھنے پتوں میں کون تجھے ڈھونڈے ۔۔۔؟

رنگ میں دلکش نہیں۔ روپ نہیں چنچل

بھاتے نہیں مجھ کو یہ ہرے ہرے آنچل

نیناں بنا کاجل ـــــــــ!

سادے جھرکوں میں کون تجھے ڈھونڈے

گھنے گھنے پتّوں میں کون تجھے ڈھونڈے

(گیندا)

آجارے بھنورے میرے پاس ـــــــــ!

گیندا مورا نام ہے

ہنسنا ـــــ مسکانا

پیلے دوپٹے ہوا میں اُڑانا

میرا پیارا کام ہے

آجا یہ شام ہے

"گیندا" مورا نام ہے

من کی لگن پا جارے بھنورے ـــــــــ آجارے بھنورے!

آجارے بھنورے! میرے پاس!

(بھنورا)

نہیں نہیں تیرے پاس کاہے کو آؤں ـــــــــ

تیرا بھاؤ پیارا نہیں

تو بھی سنوارا نہیں

تیرے پاس میرے لئے کوئی سہارا نہیں

کیسے بھلاؤں

نہیں نہیں۔ تیرے پاس کاہے کو آؤں!؟

(گلاب)

آجارے بھنورے! میرے پاس ـــــــــ!

تازہ گلاب ہوں

پھولوں کی دنیا میں میں لاجواب ہوں

چہرہ گلابی

پلکیں ربابی

میں تیرے منڈلاتے جیون کا خواب ہوں

تازہ گلاب ہوں!

میرے پاس آ کے اترا جارے بھنورے ـــــــــ آجا رے بھنورے!

(بھنورا)

روپ بھی تجھ میں۔ رنگ بھی تجھ میں۔

جیون کا ہے ترنگ بھی تجھ میں

پھر بھی سندرتا کا پجاری ـــــــــ جاتا ہے

پیار کے گیت سناتا ہے

منڈلاتا ہے ـــــــــ جاتا ہے!

راہ تکے ہے اک پھلواری

میں ہوں سندرتا کا پجاری ـــــــــ!!

سوداگر کی بیٹی

(۳)

موتی کو ایک کمرے میں لیجایا گیا جہاں طرح طرح کی قندیلیں، قمقمے، رنگ برنگے پرندے اور گلدان بہار دے رہے تھے، وہ پانچ کمروں میں داخل ہوئی لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا۔ آخر وہ ایک فوارے کے پاس پہنچی جسے دیکھ کر بدصورت تاتاری کا خیال اس کے دل سے بالکل نکل گیا۔ یہاں گانے کی سکون بخش آوازیں آرہی تھیں، لیکن وہ اکیلی نہ تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک چینی آدمی بھی بیٹھا ہے، موتی کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص بولا۔

"تم ہی موتی ہو؟"

"ہاں۔ میں ہی پیکو کی لڑکی موتی ہوں۔ تمہیں معلوم ہے بدصورت تاتاری کہاں ہے؟"

وہ شخص ہنسا۔ "کیا تم اسے دیکھنا چاہتی ہو؟" "ہاں اور نہیں" موتی بولی۔

"تمہارا خیال ہے کہ میں بہت بدصورت آدمی ہوں موتی؟" "نہیں تم تو میرے باپ جیسے ہی ہو۔ مجھے سردار کے پاس لے چلو۔"

"اچھا! چلو" یہ کہہ کر وہ کمرے کے دوسرے سرے پر پہنچے، جہاں آئینہ لگا ہوا تھا۔ موتی نے اپنا اور اس شخص کا عکس اس میں دیکھا۔

"میں ہی بدصورت سردار ہوں۔" وہ شخص بولا۔

"جونہی قندیل یہاں لائی گئی میں اپنی اصل شکل میں آگیا۔ میں تمہارے باپ کا بھائی چانگ ہوں اور تم میری بھتیجی ہو۔ اب تمام دولت کی مالک تم ہوگی کیونکہ تم نے مجھے تاتاری صورت سے چھٹکارا دلایا ہے۔" "اب ہم دونوں ساتھ رہیں گے؟" موتی نے خوش ہو کر کہا۔ "نہیں" چانگ بولا۔ "ہم پیکن جائینگے۔ اور تمہارے باپ اور بہنوں کے پاس رہیں گے۔"

اب موتی واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔

تمام پیکن میں خبر مشہور ہوگئی کہ ایک بڑا آدمی آرہا ہے۔ ایک شخص

بازار میں دوڑا ہوا آیا اور کہا، سنو سنو تاتاریوں کے ڈھولوں کی آواز آرہی ہے، وہ آرہے ہیں۔

بڑی شان سے جلوس بازار میں سے گذرا جب لوگوں کی نظر چانگ پر پڑی تو انھوں نے خوشی سے نعرے بلند کئے کہ وانگ کا بیٹا چانگ اپنے شہر واپس آگیا۔

پیکو نے جب چانگ اور وانگ کی آوازیں سُنیں تو اس نے بھی دیکھا۔ وہ بھائی کو پہچان گیا۔ پیکو موتی سے بھی ملا۔ باپ سے ملکر موتی خوشی کے مارے رو دی۔ نارنجی اور گلابی بھی موتی کی قندیل میں گئیں۔ پیکو جلوس کے آگے آگے چیختا ہوا چلا کہ چانگ اور اسکی خوبصورت بھتیجیوں کے لئے راستہ چھوڑ دو لوگ سامنے سے ہٹ گئے اور کہا کہ خدا چانگ کے خاندان پر رحمت بھیجے۔

پھر بہت بھاری دعوت ہوئی۔ جب سب مہمان رخصت ہوگئے تو چانگ نے بھائی سے کہا۔ "تعجب ہے کہ تمنے مجھے نہیں پہچانا۔"

"یہ کیسے ممکن تھا۔ تم بالکل ریچھ معلوم ہوتے تھے۔"

"چلو خیر۔ تم نے دیکھا کہ دیوار توڑنا اچھا ہی ہوا۔"

"یہ سب موتی کی مہربانی ہے۔" پیکو بولا۔

"موتی واقعی موتی ہے۔" چانگ بولا۔ "اگر وہ نہ آتی تو میں ہمیشہ بدصورت تاتاری ہی رہتا۔"

لطیفے

ڈاکٹر:۔ تمہاری نبض بالکل گھڑی کی طرح ٹک ٹک کررہی ہے۔

مریض:۔ لیکن ڈاکٹر صاحب آپ بجائے میری نبض کے میری گھڑی پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔

سید اختر۔ پشاور

ایک سیٹھ بہت امیر تھا لیکن کنجوس بہت تھا کبھی پیسہ نہیں خرچتا تھا ایک دفعہ اپنی جیب سے پیسہ نکال کر کہنے لگا آج میں اسے ضرور خرچ کروں گا۔ وہ پیسے کو اپنی مٹھی میں دبا کر بازار گیا۔ بازار جاکر اُس نے جب مٹھی کھولی تو پیسہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا:۔ "روتے کیوں ہو میں تمہیں اپنے پاس ہی رکھ لیتا ہوں"

ایک آدمی:۔ (بیمار دوست سے) یار! اب تمہارا کیا حال ہے۔

دوست:۔ بخار تو کل ٹوٹ گیا تھا ابھی کمر میں درد ہے۔

آدمی:۔ فکر نہ کرو کل تک وہ بھی ٹوٹ جائیگی۔

سبھاش چندر۔ لاہور

شاعر ٹیگور —— بقیہ صفحہ ۸

جہاں سر بلند رہتا ہے،
جہاں علم آزاد ہوتا ہے،
—— میرے پتا
میرے دیس کو آزادی کی اُس جنت میں بیدار کر"

خدا نے ٹیگور کو اسی برس تک ہمارے پاس رہنے دیا تاکہ ہم انکی شخصیت اور شاعری سے اثر لے سکیں۔ اب وہ نہیں ہیں لیکن ان کا اثر اور ان کی شاعری ہماری کوششوں میں جان ڈالنے کے لئے موجود ہے۔

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

مجھے یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ بڑے پڑھنے والوں نے لکھنے کے مقابلے میں کم حصّہ نہیں لیا۔ صرف دو کہانیاں موصول ہوئیں۔ صرف ایک انعام بنگلور کی مریم عبد المولا کو دیا جارہا ہے۔ انھوں نے اپنی عمر نہیں لکھی۔ جب کبھی تم مقابلے یا اشاعت کے لئے کچھ بھیجو تو اپنی عمر لکھنی مت بھولو۔ آئندہ اگر مضمون کے ساتھ اپنی عمر نہ لکھی تو اس پر غور نہیں کیا جائے گا۔
نونہال کا پہلا انعام وینام باڑی کی قمر سلیمان کو دیا گیا ہے اور دوسرا احمد آباد کے قاضی سلیم الدین کو۔ ان تینوں کو انعام میں کتابیں بھیجی جارہی ہیں۔
ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ دفتر میں جو مضمون آئیں گے انھیں واپس نہیں کیا جائے گا۔ اگر مضمون نگاروں کو اپنے مضامین واپس منگانے منظور ہوں تو وہ چھ پیسے کے ٹکٹ بھیجیں۔ فقط

تمہاری خالہ
مسرت

پی۔ بی ۱۶۶ دہلی

خفیہ پیغام

وتیم تیایمیث نصم تے قبنیما سے لی گئی
ڈ خلب قذ مے جبوئی۔

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

بہت سے بچے ہماری لیگ میں شریک ہوتے جا رہے ہیں، اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ لیگ کے اغراض و مقاصد کیا ہیں۔ نوڈے لیگ بنانے کا مقصد بچوں میں ہمدردی انسانیت اور اتفاق پیدا کرنا ہے۔ تاکہ ان میں رواداری اور دوسروں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔

ہمارے ایک ممبر ایس، اے رضا گردیزی کو فوٹو گرافی اور ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ وہ چاہتے ہیں کسی ایسے ہی ممبر سے خط و کتابت کریں۔ چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:۔

(۱۲۵) مہندر ناتھ لدھیانہ۔
(۱۲۶) فرقان الحق نجیب آباد۔
(۱۲۷) اکبر علی خاں بطرس رامپور۔
(۱۲۸) محمد عبدالکریم خاں ترچناپلی۔
(۱۲۹) سعید احمد منور شمسی سہارنپور۔
(۱۳۰) مختار احمد بمبئی۔
(۱۳۱) ظہور الدین۔ امرتسر۔
(۱۳۲) محمد امین۔ کلکتہ۔
(۱۳۳) محمد زبیر علی۔ رام پور۔
(۱۳۴) قاضی سید احمد قمر۔ پٹنہ
(۱۳۵) محمد یوسف۔ کلکتہ۔
(۱۳۶) محمد امین عالم صدیقی۔ علی آباد۔
(۱۳۷) سعید محمد شمیم۔ فرخ آباد۔
(۱۳۸) فیروز بخت افروز۔ چاندپور۔
(۱۳۹) ممتاز حسین۔ مدراس۔
(۱۴۰) نور جہاں عالم پردیں۔ علی آباد۔

تمہاری خالہ:۔
مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ______________________
چندہ بھیجنے کی تاریخ ____________ چندہ ختم ہونے کی تاریخ ____________
نام ______________________
تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ______________________
سرپرست کا نام ______________________
پورا پتہ ______________________
____

دستخط ______________________
تاریخ ______________________

اس فارم کے ساتھ ممبری کی فیس کے لئے آٹھ آنہ کے ٹکٹ بھیجنے ضروری ہیں

کتا بنائیے

تصویر نمبر ا کو رکھ کر مخمل یا فر میں سے دو ٹکڑے کاٹ کر الٹی طرف سے سی لیجئے۔ صرف ٹانگوں کے

قریب نکلتی رہے۔ دوسرا سرا لکڑی پر چپکا دیجئے تاکہ لکڑی باہر نہ نکل آئے۔ اب فالتو سرے کو

بیچ کا حصہ اور جن حصوں پر نقطے دار لائن ہے چھوڑ دیجئے۔ پھر سیدھا کرکے اس میں روئی بھریئے۔ اور کان اور دُم جوڑیئے۔ دم میں بھی تھوڑی سی رُوئی بھر کر سی ڈالئے۔ اب پیٹ سی لیجئے۔

پھر لکڑی کے دو انچ لمبے اور سلیٹ کی پنسل کے برابر موٹے چار ٹکڑے لے کر ان پر مخمل لپیٹیئے۔ ایک سرے پر مخمل آدھ انچ کے
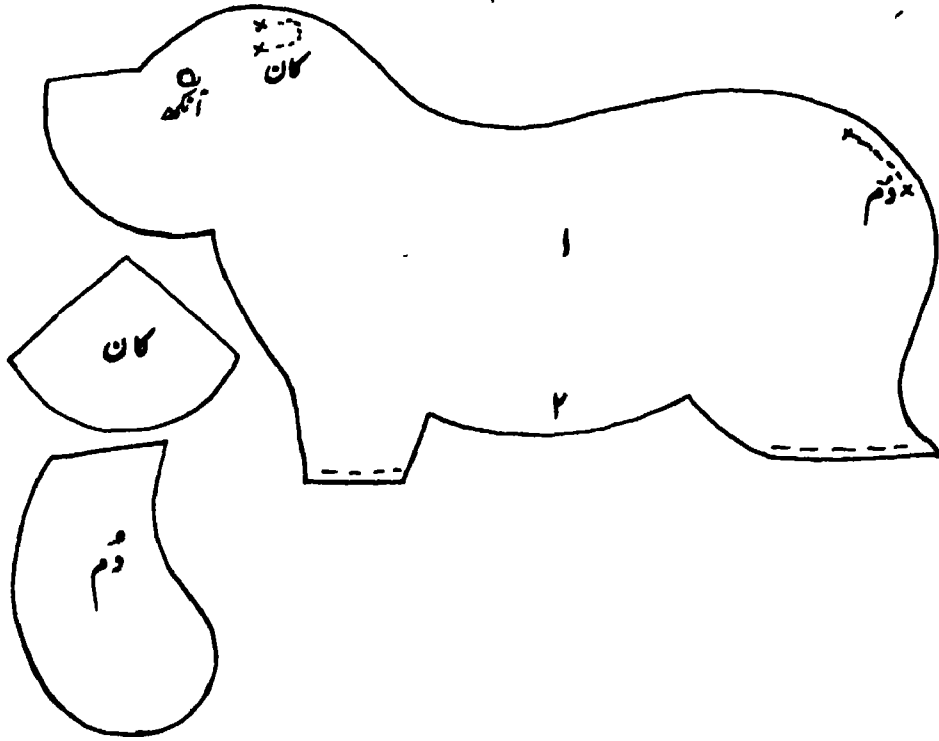
گول کرکے سی لیجئے اور پنجوں کی طرح موڑ کر دو تین ٹانکے لگا دیجئے۔ پھر دوسرا سرا ٹانگوں کی جگہ پر جوڑ کر سی لیجئے۔ ٹانگ جوڑتے وقت خیال رہے کہ پنجوں کا رخ صحیح ہو۔ ایک منکا ناک کی جگہ لگا کر اس پر گاڑھی لئی لگایئے اور نتھنوں کی جگہ اس لئی میں کیل سے دو سوراخ کیجئے۔ آنکھوں کی جگہ دو کالے موتی ٹانک دیجئے۔ منہ سیاہ رنگ کے دھاگے سے بنایئے

ایک دفعہ کا ذکر ہے

پرانے زمانے میں سونا دے کر خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مسافر کسی سرائے میں آیا اور ایک دن ٹھیرنے کا کرایہ پوچھا۔ سرائے کے مالک نے کہا ایک اشرفی روزانہ۔ لیکن یہ رقم روزانہ ادا ہونی چاہئیے۔ مسافر نے کہا ٹھیک۔ میں سات دن تک ٹھیروں گا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ میرے پاس صرف سات اشرفیوں کا ایک ہار ہے۔ اور میں روزانہ ایک اشرفی تمہیں دیا کروں گا۔ لیکن یہ شرط ہے کہ ان سات دنوں میں ہار میں سے ایک سے زیادہ اشرفی الگ نہ کی جائے۔ سرائے والے نے کہا کہ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مسافر نے یہ معمہ حل کر دیا۔

پچھلے مہینے کے معمے

"سوال و جواب"

کا حل

سب سوالوں کے جواب صحیح دئے گئے تھے

کسان کے گھوڑے

ایک کسان تین لڑکے اور انیس گھوڑے چھوڑ کر مرگیا۔ اپنے وصیت نامے میں اس نے ہدایت کی کہ بڑے لڑکے کو کل گھوڑوں کا آدھا حصہ، دوسرے کو ایک چوتھائی اور تیسرے کو پانچواں حصہ ملے۔ لیکن یہ بات اس نے بالکل صاف کر دی تھی کہ بانٹنے میں آسانی کرنے کے لئے ایک گھوڑا بھی مارا نہ جائے۔ لیکن ۱۹ کو $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{4}$، $\frac{1}{5}$ حصوں میں بانٹنا آسان کام نہیں۔ ایک کسان نے جو گھوڑے پر بیٹھا ادھر سے گزر رہا تھا بھائیوں کی یہ مشکل حل کر دی۔ تم بتا سکتے ہو کس طرح؟

پچھلے مہینے کے معمے

"جھگڑا چکائیے"

کا حل

جون سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۸

نونہال

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ [illegible]

نونہال

جون ۱۹۴۶ء

جلد ۳ ـــــــ نمبر ۱

اس پرچے میں

ادارہ

مسز جہاں بیگم تیموری — او شارا جیندر نا

جے کے سیٹھ — عزیز احمد

اے۔ ایم۔ شاستری

آرٹ ایڈیٹر

ڈی۔ جی۔ گوڈسے — دی بورنر

بی۔ ڈی۔ شرما

پبلشرز

ادارۂ مطبوعاتِ متحدہ

پی۔ بی نمبر ۱۶۶ دہلی

پرنٹرز

سرورق:۔ سروے آف انڈیا، دہرہ دون

مضامین:۔ دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی

منچوریا کے پرانے دارالسلطنت مکدن میں تیمردں کا بنا ہوا شاندار مندر

برطانوی کیبنٹ مشن ہندوستانیوں کو حکومت کے اختیارات دینے ہندوستان آیا ہے یہ کام کرنیکے لئے یہاں کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے خیالات معلوم کرنا ضروری تھا۔ اسلئے کیبنٹ کے تین ممبروں نے مسلم لیگ۔ کانگریس۔ سکھوں۔ عیسائیوں اور ہریجنوں کے نمائندوں سے ملاقات کی۔ مسلم لیگ نے پاکستان یعنی ایک آزاد خود مختار حکومت کا جس میں وہ صوبے شامل ہوں گے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مطالبہ کیا ہے۔ کانگریس پارٹی متحدہ ہندوستان کے حق میں ہے۔ ان ملاقاتوں کے بعد اب کام کرنیکا وقت آگیا ہے۔ ابھی پیشینگوئی کرنا مشکل ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ نہ ہوا تو کیا قدم اٹھایا جائیگا۔

مسٹر ہربرٹ ہوور جو امریکہ کے پریزیڈنٹ رہ چکے ہیں ہندوستان آئے تاکہ اپنی آنکھوں سے ہندوستانی غذائی حالت کا مطالعہ کرکے امریکی حکومت کے سامنے اسکی رپورٹ پیش کرسکیں۔

مسٹر ہوور اور کئی ملکوں کا بھی جہاں غذا کی کمی ہے دورہ کرینگے۔ وہ ہوائی جہاز کے ذریعے دہلی پہنچے اور ایک دن ٹھہر کر کئی افسروں اور مسٹر گاندھی سے ملاقات کی۔ جنوبی ہند جانے سے پہلے انھوں نے کہا کہ ہندوستانیوں کو سیام سے فوراً چاول منگانا چاہئے۔ مصر۔ آسٹریلیا۔ ایران۔ برما اور جاوا سے بھی مدد لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اسکے بعد امریکہ بھی بڑی حد تک ہندوستان کی غذا کی کمی دور کرنے میں مدد دیگا۔ محکمہ غذا کے ایک نمائندے نے کہا کہ اگر امریکہ ... ۔ ... ٹن اناج مہیا کردے تو ہندوستان قحط سے بچ جائیگا۔ انڈونیشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر سلطان شہریار نے اعلان کیا کہ وہ ہندوستان کو ... ۵۰۰ ٹن چاول کپڑے اور آلات کے بدلے میں دے سکتے ہیں۔

پچھلے مہینے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایران کی حکومت نے شمالی ایران میں روسی فوجوں کی نقل وحرکت پر اعتراض کیا تھا اور بعد میں یہ جھگڑا مجلس اقوام متحدہ کے سامنے پیش کردیا تھا لیکن اس مسئلے پر بحث ہونے سے پہلے ہی ایران اور روس نے اعلان کردیا کہ انکا باہمی فیصلہ ہوگیا ہے۔ روس نے کہا کہ اب اس مسئلہ پر بحث کرنیکی ضرورت نہیں لیکن مجلس اس بات پر رضامند نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ دُنیا کے امن کی خاطر اس معاملے کی پوری تحقیق کی جائے۔

فلسطین کے مسئلے کی چھان بین کیلئے جو اینگلو امریکن کمیشن مقرر ہوا تھا۔ انھوں نے تجویز پیش کی ہے کہ فلسطین کو متولی کونسل کے انتظام میں لے لیا جائے۔

اگر ہم ان کمیٹیوں، کونسلوں اور کمیشنوں سے کچھ مستقل فائدہ اٹھانا چاہیں تو ہمیں اسکے لئے دل توڑ کوشش کرنی پڑیگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے خیالات کو برائیوں سے پاک کرکے نیکی کی طرف لیجائیں۔ اور لوگوں کی کمزوریوں کو نظر انداز کرکے انکی اچھی باتوں پر دھیان دیں۔ یہ مانا کہ لوگوں میں بہت سی برائیاں ہوتی ہیں۔ وہ ظلم وستم اور کمینہ حرکتیں کرتے ہیں۔ لیکن ان برائیوں پر زیادہ توجہ دینے سے الجھنیں بڑھتی ہیں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اگلے صفحوں پر جو کہانی دی گئی ہے اسے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ بشپ نے اپنے رویہ سے کس طرح ایک ایسے جرائم پیشہ انسان کی نیکیوں کو ابھار کر اسکی زندگی کا رخ یکسر پلٹ دیا جسکی زندگی لوگوں نے اپنی کج فہمی کی وجہ سے بالکل تباہ کردی تھی لیکن بشپ اسکے جذبۂ انسانیت کو سطح پر لایا۔ ہمیں شہد کی مکھی سے سبق سیکھنا چاہئے وہ اپنا وقت خوشبو اور پھولوں میں گزار کر شہد جمع کرتی ہے اسکے برخلاف مکھی ہمیشہ غلاظت پر بیٹھتی ہے اور جہاں جاتی ہے اسے پھیلاتی ہے۔ تم بھی شہد کی مکھی کی طرح

تعارف وکٹر ہیوگو کا شمار فرانس کے بہترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۵ سال کی عمر میں اس نے فرانس کی اکیڈمی کو اپنی ایک نظم بھیجی جسکی وجہ سے اسکا نام "انوکھا بچہ" مشہور ہو گیا۔ وکٹر ہیوگو نے بہت سی نظمیں، ڈرامے اور ناول تصنیف کئے۔ اسکو اپنے زمانے میں وہی درجہ حاصل تھا جو رابندر ناتھ ٹیگور کو ہندوستان میں تھا۔ وکٹر ہیوگو بہت عرصے زندہ رہا اور جب اس نے ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی تو نہ صرف فرانس بلکہ دور دور تک اسکی شہرت پھیل چکی تھی۔ اسکی کتابوں کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ لے میزرے رابل درد اور تڑپ سے بھری ہوئی ایک لمبی داستان ہے۔ ژان والژان کے کردار کی جو دلکش تصویر پیش کی گئی اسکی مثال کسی اور ناول میں ملنی مشکل ہے۔ واقعات نے ژان والژان کو مجرمانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا اسکے باوجود جگہ جگہ اسکی انتہائی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ نیکدل بشپ کا کردار بھی نہایت خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں وکٹر ہیوگو نے دکھایا ہے کہ اگر کسی سے ایک مرتبہ غلطی ہو جائے تو سوسائٹی اسے معاف کرنے کی بجائے بے رحمی کا برتاؤ کر کے اسکے لئے شریفانہ زندگی گزارنا ناممکن کر دیتی ہے۔

اکتوبر ۱۸۱۵ء کے شروع میں سورج غروب ہونے سے کوئی ایک گھنٹہ پہلے ایک اجنبی شہر ڈی میں داخل ہوا جو شکل و صورت سے نہایت ہی مصیبت زدہ معلوم ہوتا تھا۔ اسکا قد درمیانہ تھا جسم مضبوط اور گٹھیلا اور عمر پینتالیس چھیالیس کے لگ بھگ ہوگی چمڑے کی ٹوپی نے اسکے دھوپ سے جھلسے ہوئے چہرے کا کافی حصہ ڈھانک رکھا تھا پھر بھی پسینہ کے قطرے صاف نظر آ رہے تھے۔ اسکی قمیص زرد رنگ کے موٹے کپڑے کی تھی جسے اس نے گلے کے پاس چاندی کے کانٹے سے بند کر رکھا تھا لیکن گریبان میں سے بالوں دار سینہ دکھائی دے رہا تھا۔ گلے میں رسی کی طرح بٹا ہوا ایک گلوبند پڑا تھا۔ پتلون نیلے رنگ کی تھی جو کثرت استعمال کی وجہ سے ایک گھٹنے پر سے گھستے گھستے سفید ہو گئی تھی اور دوسرے پر سے پھٹ کر تار تار ہو چکی تھی۔ مسافر نے مٹیلے رنگ کی پھٹی پرانی جاکٹ بھی پہن رکھی تھی جسکی ایک کہنی میں سبز رنگ کا پیوند لگا ہوا تھا۔ مسافر کی پیٹھ پر ایک بڑا سا نیا تھیلا تھا اور ہاتھ میں ایک موٹی سی گرہ دار لکڑی، پاؤں میں نعل لگے جوتے تھے سر کے بال چھوٹے چھوٹے تھے لیکن ڈاڑھی لمبی اور گھنی تھی۔ پسینہ، دھوپ اور پیدل چلنے کی تکان سے اسکی حالت بہت خستہ معلوم ہوتی تھی۔ مسافر میئر کے دفتر میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد نکل کر شہر کی بہترین سرائے کی طرف ہو لیا۔ سرائے کے باورچی خانے کا دروازہ سڑک کی طرف کھلتا تھا۔ وہ اندر گیا تو دیکھا کہ تمام تنور روشن ہیں اور آتشدان میں آگ دہک رہی ہے۔ سرائے کا مالک کھانا تیار کرنے میں مشغول تھا۔ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز جو سنی تو بغیر نگاہ اٹھائے سوال کیا

"کیا چاہیئے؟" "بستر اور کھانا" مسافر بولا "بہت بہتر" یہ کہہ کر مالک نے مسافر پر نگاہ ڈالی۔ اور فوراً کہا "لیکن دام کون دیگا" مسافر نے چمڑے کا بھاری بٹوا اپنی جیب سے نکالا اور کہا "میرے پاس روپیہ ہے" "میں بھی آپکی خدمت کے لئے حاضر ہوں" مسافر نے بٹوا واپس جیب میں رکھ لیا۔

تھیلا اتار کر دروازے کے قریب رکھا اور لکڑی ہاتھ میں لے کر آگ کے قریب ایک سٹول پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ شہر ڈی پہاڑی علاقہ ہے اور وہاں سردی زیادہ ہوتی ہے۔

جونہی مسافر نے پیٹھ پھیری سرائے والے نے پنسل جیب سے نکالی اور پرانے اخبار میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس پر چند سطریں گھسیٹیں اور تہ کر کے ایک لڑکے کے ہاتھ میں دے دیں۔ یہ لڑکا اوپر کا کام بھی کرتا تھا اور قاصد کا بھی۔ مالک نے لڑکے کے کان میں چپکے سے کچھ کہا اور وہ میئر کے آفس کی طرف بھاگ گیا۔ مسافر کو اس واقعہ کی ذرا بھی خبر نہ ہوئی اور اس نے پوچھا کہ کھانا کتنی دیر میں تیار ہوگا۔ تھوڑی دیر میں لڑکا کاغذ لئے ہوئے واپس آگیا مالک نے اسکے ہاتھ سے کاغذ چھین کر جلدی سے اسے کھولا غور سے پڑھکر سر ہلایا، کچھ سوچا اور مسافر کے قریب آکر کہا۔

"میں تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا"

مسافر اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا اس نے پھر کر دیکھا اور کہا۔ "کیا مطلب! تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں دھوکا دوں گا۔ میں تمہیں پیشگی قیمت ادا کر سکتا ہوں میرے پاس روپیہ ہے"

"لیکن میرے پاس کوئی کمرہ خالی نہیں"

"مجھے اصطبل میں جگہ دے دو"

"اصطبل تو گھوڑوں نے گھیر رکھا ہے"

"خیر کھانا کھالیں پھر دیکھا جائیگا"

"میں تمہیں کھانا بھی نہیں دے سکتا"

"بکو مت۔ میں بھوکا مر رہا ہوں۔ صبح سے میں برابر پیدل چل رہا تھا۔ آج میں نے ۳۰ میل طے کئے ہیں۔ میں قیمت ادا کر سکتا ہوں اسلئے کھانے کا مطالبہ کرتا ہوں"

مالک نے کہا "میرے پاس کھانا نہیں ہے"

"کیا؟ یہ سب کس کے لئے پک رہا ہے" "یہ! یہ تو آرڈر دے کر تیار کرایا گیا ہے"

"کس نے آرڈر دیا؟"

گاڑی والوں نے"

"وہ کتنے ہیں" "بارہ"

"لیکن یہ کھانا تو چوبیس آدمیوں کو کافی ہوگا"

مسافر بیٹھ گیا اور بولا "یہ سرائے مسافروں کے لئے ہے۔ میں بھوکا ہوں اسلئے میں یہاں سے نہیں جاؤنگا"

مالک نے جھک کر کہا "یہاں سے دفع ہو" اسکی آواز سنکر مسافر چونک اٹھا۔ اسوقت وہ اپنے ڈنڈے سے آتشدان میں لکڑیاں ٹھونس رہا تھا۔ اس نے جواب دینے کیلئے منہ کھولا بھی نہ تھا کہ سرائے کا مالک بولا "بہت ہو چکا۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارا نام بتاؤں۔ سنو تمہارا نام ژان والژان ہے۔ تمہیں یہاں آتا دیکھ کر مجھے شبہ ہوا اسلئے میں نے پولیس آفس سے پتہ چلایا۔ اور یہ رہا انکا جواب"

یہ کہکر اسنے وہ پرچہ جو سرائے سے آفس اور آفس سے سرائے واپس آیا تھا مسافر کے ہاتھ میں دے دیا۔ مسافر نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ سرائے کے مالک نے کہا "میں نہیں چاہتا کہ کسی کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آؤں۔ مہربانی فرما کر سیدھی طرح سے آپ یہاں سے روانہ ہو جائیے!"

مسافر کھڑا ہو گیا اپنا بستر اٹھایا اور سر جھکائے اداس سڑک پر ہو لیا۔ اسنے ایک مرتبہ بھی پلٹ کر نہ دیکھا۔ اگر دیکھتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ تمام مسافر اور راہگیر سرائے کے مالک کو گھیرے کھڑے ہیں اور شبہ اور خوف سے اسکی طرف اشارے کر کر کے باتیں کر رہے ہیں۔ اس نے یہ کچھ نہ دیکھا کیونکہ جن لوگوں پر ظلم توڑے جاتے ہیں وہ پیچھے پھر کر نہیں دیکھتے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بدنصیبی ان کا پیچھا کر رہی ہے۔

بھوک اور تکان سے چور وہ چلتا رہا۔ رات قریب آرہی تھی۔ وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں پناہ لے سکے۔ بازار کے دوسرے سرے پر ایک معمولی سی سرائے تھی۔ کھڑکی میں سے اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے کھا پی رہے ہیں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کواڑ کھولے اور کمرے میں گھس گیا۔

"کون ہے؟" سرائے کے مالک نے پوچھا۔

"وہ جسے کھانے اور بستر کی ضرورت ہے"

"بہت بہتر۔ دونوں چیزیں آپکو مل جائیں گی"

مسافر بیٹھ گیا۔ میز پر بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص وہاں موجود تھا جہاں سے پہلے اسے نکالا گیا تھا۔ اس نے اشارہ کیا اور چپکے سے سرائے

کے مالک کے کان میں کچھ کہا۔ مالک مسافر کے پاس پہنچا اور کہا۔

"یہاں سے نکل جاؤ"

"اچھا، تمہیں بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے پہلی سرائے سے نکالا گیا تھا؟"

"ہاں تم اب تم یہاں سے بھی نکالے جاؤ گے۔"

آدمی نے اپنا تھیلا اور چھڑی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔ وہ جیل کے قریب سے گزرا تو اس نے کہا مسٹر جیلر مہربانی سے دروازہ کھول دو تاکہ میں اندر آکر رات گزار لوں۔ "آدا ناآئی یہ قیدخانہ ہے سرائے نہیں، پہلے خود کو گرفتار کراؤ پھر جیل کے دروازے تمہارے لئے کھل جائیں گے۔

مسافر کو راستہ معلوم نہ تھا۔ وہ ادھر ادھر بھٹکتا پھرا آخر جب بہت تھک گیا تو ناامید ہو کر چھاپے خانے کے باہر ایک پتھر کی بنچ پر بیٹھ گیا۔ ایک بوڑھی عورت ادھر سے گزری تو اس نے دیکھا کہ اندھیرے میں کوئی ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہے۔

عورت نے پوچھا: "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

مسافر نے سختی سے جواب دیا: "تم دیکھ نہیں رہیں کہ میں سونے کی کوشش کر رہا ہوں"

"لیکن بنچ پر کیوں؟ تم سرائے میں کیوں نہیں جاتے؟"

"اسلئے کہ میرے پاس روپیہ نہیں۔"

عورت نے بشپ کے محل کے برابر ایک چھوٹے سے گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم وہاں کیوں نہیں جاتے۔

بشپ اپنی بہن مس بیپٹسٹائن اور اپنی داروغہ مسز ماگلوار کے ساتھ کھانے کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ دونوں خاتین اس خوفناک بدمعاش کی باتیں کر رہی تھیں جسکی سارے شہر میں خبر گرم تھی۔ مسز ماگلوار نے بازار میں لوگوں کو کہتے سنا تھا کہ مشتبہ چال چلن کا ایک شخص شہر میں آیا ہوا ہے اور وہ ابھی تک شہر میں ہی ہے۔

یکایک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بشپ نے کہا اندر آجاؤ۔ دروازہ کھلا اور ایک شخص اندر داخل ہوا۔ یہ وہی مسافر تھا اندر آکر وہ ٹھٹکا۔ اسکا خوفناک حلیہ دیکھ کر دونوں عورتیں اتنا ڈریں کہ ان کی چیخ تک نہ نکل سکی۔ بشپ بولنے بھی نہ پایا تھا کہ مسافر نے اونچی آواز میں کہنا شروع کیا۔

میرا نام ژاں والژاں ہے اور میں قیدیوں کے جہاز پر انیس سال کی سزا بھگت چکا ہوں۔ مجھے رہا ہوئے صرف چار دن گزرے ہیں جب سے میں برابر پیدل چل رہا ہوں۔ آج میں نے ۳۰ میل طے کئے اور جب شام کو میں آپکے شہر کی سرائے میں گیا تو انھوں نے مجھے اسلئے نکال دیا کہ میرے پاس زرد پاسپورٹ تھا۔ میں دوسری سرائے میں گیا وہاں کے مالک نے بھی مجھے نکال باہر کیا۔ جیل کے داروغہ نے بھی مجھے اندر آنیکی اجازت نہ دی۔ میں ایک کتے کے ڈربے میں داخل ہوا لیکن اس نے بھی مجھے کاٹ کر بھگا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان تھا اور اسے معلوم تھا کہ میں کون ہوں لیکن ایک عورت نے مجھے تمہارے گھر کا راستہ بتایا۔ میں بہت بھوکا اور تھکا ہوا ہوں۔ کیا تم مجھے یہاں ٹھہرنے دو گے۔

"مسز ماگلوار" بشپ نے کہا "ایک کانٹا اور میز پر رکھو۔"

مسافر بولا: "ٹھیرو۔ کیا میں نے تم سے جو کچھ کہا وہ تم نے نہیں سنا۔ میں ایک مجرم ہوں مجرم۔ تمام دنیا نے مجھے ٹھکرا دیا لیکن تم مجھے رکھنے پر تیار ہو کیا یہ سرائے ہے۔ کیا تم مجھے بستر اور کھانا دو گے؟"

"مسز ماگلوار۔ ایک صاف بستر بچھا دو۔"

پھر بشپ مسافر کی طرف مڑا اور کہا "بیٹھ جاؤ ذرا جسم میں گرمی آنے دو۔ پھر

ہم کھانا کھا چکے"۔ آدمی فوراً سمجھ گیا اسکے چہرے پر جو سختی اور مایوسی تھی وہ خوشی میں تبدیل ہوگئی اور وہ پاگلوں کی طرح کہنے لگا: "کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ تم مجھے ایک مجرم کو اپنے گھر میں ٹھیرنے دوگے، تم مجھے جناب کہہ کر خطاب کر رہے ہو کیا تمہارے دل میں میرے خلاف نفرت نہیں پیدا ہوئی"۔

میز پر کھانا چن دیا گیا اور سب لوگ بیٹھ گئے مسافر نے سوائے کھانے کے اور کسی طرف دھیان نہ دیا وہ بہت گر گر کھا رہا تھا۔ کھانے کے بعد بشپ اسے کمرے میں لے گیا۔ مسافر اتنا تھکا ہوا تھا کہ فوراً بستر پر جا پڑا اور سو گیا۔

آدھی رات کے قریب ژان والژان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ایک غریب کسان کا بیٹا تھا۔ بچپن ہی میں اسکے والدین کا انتقال ہو گیا تھا، صرف ایک بیوہ بہن رہ گئی تھی جسکے سات بچے تھے۔ وہ اپنی بہن کی مدد کی حتی الامکان کوشش کرتا اسکی بہن بھی محنت کرتی تھی لیکن پھر بھی کیا ہوتا سات بچوں کا ساتھ تھا۔ یہ لوگ بہت مصیبت میں تھے۔ جاڑے میں جب کام نہیں ملتا تھا تو ان لوگوں کو روٹی تک نصیب نہ ہوتی تھی۔

روٹی تک نہیں اور سات بچے ایک دن ژان والژان روٹی چراتا ہوا پکڑا گیا اسے پانچ سال کی سزا ہوئی۔ تھوڑے دن بعد وہ قید خانہ سے بھاگ نکلا لیکن پکڑا گیا۔ اور عدالت نے تین سال کی سزا اور بڑھا دی۔ اس نے پھر بھاگنے کی کوشش کی لیکن گرفتار ہو گیا۔ اس طرح ہر دفعہ اسکی سزا میں اضافہ ہوتا گیا۔ صرف ایک روٹی چرانے پر وہ ۱۷۹۶ء میں پکڑا گیا تھا اور ۱۸۱۵ء میں رہا ہوا۔ ژان والژان انہی خیالات میں محو تھا کہ اسے چاندی کے کانٹوں اور بڑی سی قاب کا خیال آیا جو اس نے میز پر دیکھی تھی۔ یہ چیزیں اسکے دماغ پر بری طرح چھا گئی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ چاندی کی چیزیں بشپ کے کمرے میں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ اٹھا اور بشپ کے کمرے سے یہ چیزیں نکالیں اور بھاگ گیا۔

دوسرے دن صبح بشپ باغ میں ٹہل رہا تھا کہ منیر ماگلوار دوڑی دوڑی آئی اور چیخ کر کہا۔

"میرے آقا، میرے آقا بشپ۔ چاندی کی قاب اور مسافر دونوں غائب ہیں"۔ بشپ خاموش رہا اور آہستہ سے کہا۔

"یہ چاندی کی چیزیں جو دراصل غریبوں کا حق تھیں ہم نے غلطی سے اپنے استعمال کے لئے رکھ چھوڑی تھیں۔ جس کا حق تھا اسکو مل گیا"۔

اسی دن ناشتہ کے بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بشپ نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ تین آدمی ایک چوتھے کو گردن سے پکڑے کھڑے ہیں۔ یہ تینوں جاسوس تھے اور چوتھا ژان والژان تھا۔

بشپ ژان کی طرف بڑھا اور کہا۔

"اخاہ، تم ہو۔ اچھا ہوا تم آگئے۔ میں نے تو تمہیں شمعدان بھی دیا تھا۔ تم اور چیزوں کے ساتھ اسے کیوں نہ لے گئے"۔ ژان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اس نے بشپ کو ان نظروں سے دیکھا جو انسانی زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔

"لارڈ بشپ"، جاسوس نے کہا "جو کچھ اس شخص نے کہا کیا وہ سچ تھا۔ اس کے پاس چاندی کی چیزیں دیکھ کر ہمیں شبہ ہوا کہ یہ چوری کر کے تو نہیں بھاگا"۔

بشپ نے کہا:۔ "میں سمجھ گیا۔ اسی لئے تم اسے واپس یہاں لے آئے۔ لیکن یہ تمہاری غلطی ہے"۔

"اگر یہ بات تو ہم اسے چھوڑے دیتے ہیں"۔

یہ کہکر انھوں نے ژان والژان کو چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ میں آزاد ہوں"۔ ژان والژان نے ایسی آواز میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔

"ہاں" ایک سپاہی نے کہا۔

"میرے دوست" بشپ بولا "جانے سے پہلے اپنے شمعدان تو لے جاؤ"۔

ژان والژان کانپنے لگا۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ اسی بے خبری کے عالم میں اس نے شمعدان لے لئے۔

بشپ بولا: "جاؤ لیکن یہ کبھی نہ بھولنا کہ اس روپے کو تم ایماندار آدمی بننے میں استعمال کروگے"۔

ژان والژان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا اور وہ جلدی سے وہاں سے نکل گیا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ (باقی آئندہ)

پارہ

(از اوما راجیندر ناتھ)

پارہ ایک دھات ہے۔ تمہیں کتنی دھاتوں کے نام معلوم ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگوں کا خیال تھا کہ صرف چھ دھاتیں ہیں۔ لوہا، تانبا، ٹین، سیسہ، چاندی اور سونا۔ لیکن اب تک ساٹھ کے قریب دھاتوں کا پتہ لگ چکا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام پارہ ہے۔ تھرما میٹر میں تم نے پارہ دیکھا ہوگا۔ پچھلی مرتبہ اس کے بارے میں تمہیں بتایا جا چکا ہے۔ اسے سیماب بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں چاندی کی سی چمک ہوتی ہے۔ یونان اور روم کی پرانی روایتوں کے مطابق مرکیوری نام کا ایک دیوتا تھا جس کا کام اور دیوتاؤں کے پیغام ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا تھا۔ کیونکہ مرکیوری کبھی ایک جگہ قرار سے نہیں بیٹھتا تھا۔ اسی نسبت سے انگریزی میں پارے کا نام مرکیوری پڑ گیا۔

اگر کبھی تھرما میٹر ٹوٹ جائے تو پارہ بال جیسی باریک نلکی میں سے فوراً باہر نکل کر چھوٹی چھوٹی بوندوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اگر اسے اٹھانا چاہو تو ہاتھوں میں سے نکل جاتا ہے۔

اس دھات میں یہ عجیب بات ہے کہ یہ رقیق ہے۔ چاندی سونے اور لوہے کو زیادہ گرمی پہنچا کر پگھلایا جا سکتا ہے لیکن پارہ معمولی حرارت میں بھی رقیق ہی رہتا ہے۔ موافق حالات میں پارہ پانی کی طرح بہہ بھی سکتا ہے لیکن یہ پانی سے زیادہ کثیف (گاڑھا) ہوتا ہے یعنی ایک خاص مقررہ جگہ میں پانی کی نسبت زیادہ پارہ سما سکتا ہے۔ اسلئے یہ بھاری بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دراصل یہ سب سے زیادہ بھاری دھات ہے۔

جب تھرما میٹر ٹوٹتا ہے تو پارہ تمہارے ہاتھوں سے نکل کر قطروں کی شکل کیوں اختیار کر لیتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ رقیق ہونیکے باوجود پارہ بہت بھاری دھات ہے اسلئے اسکے اجزا میں بہت باہمی کشش ہوتی ہے اور اسکے ایٹم ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ کر چھوٹی چھوٹی گولیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

یہ آسان تجربہ کر کے دیکھو۔ بلاٹنگ پیپر یا کپڑے پر پانی کی بوندیں ٹپکاؤ۔ پانی جذب ہو کر کپڑے یا بلاٹنگ پیپر کو گیلا کر دیگا لیکن اگر پارہ بلاٹنگ پر

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

کراس ورڈ معمے کی مقبولیت دیکھکر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ تقریباً ۶۰۰ بچوں نے اسمیں حصہ لیا لیکن تم میں سے کئی نے بہت لاپرواہی برتی اور لفافہ پر نوٹ کراس ورڈ لکھنا بھول گئے ہمنے انھیں مقابلہ میں شریک نہیں کیا۔ کیونکہ یہ بات صاف طور پر پہلے ہی واضح کر دی گئی تھی کہ لفافے پر نوٹ کراس ورڈ معمہ لکھنا ضروری ہے۔ امید ہے آئندہ تم احتیاط سے کام لوگے۔

بڑے کا پہلا انعام کلکتے کے عتیق الحسن کو دیا گیا ہے اور دوسرا بہار کے ایس۔ ایم رحم گل کو۔ نونہال کا پہلا انعام سیالکوٹ کے محمد ایوب نے حاصل کیا اور دوسرا گوجرانوالہ کے رابندر ناتھ چاولہ نے۔

امتحان تو ختم ہو چکے ہیں آجکل تم مزے میں چھٹیاں گزار رہے ہوگے۔ خالی وقت میں کچھ ترکاریاں وغیرہ اگانے کا کام کرنا اور مجھے اسکے بارے میں ضرور اطلاع دینا۔ فقط

تمہاری خالہ مہتر

خفیہ پیغام

جو ثیہم نیم تھیئے قبر ٹبنڈ نصفگو بچی بذ فذہ۔

رکھو تو وہ جذب نہیں ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پارے کے ایٹم ایک دوسرے کیلئے اتنی زیادہ کشش رکھتے ہیں کہ بلاٹنگ کے ایٹم انھیں اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے۔ اسکے برخلاف وہ پانی کے ایٹموں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور وہ ٹوٹ کر ان میں جذب ہو جاتے ہیں۔

پارہ چونکہ تمہارے ہاتھوں سے نکل بھاگتا ہے اسلئے اسے سبق سے بھاگنے والے بچوں کی طرح نہ سمجھو یہ بہت کارآمد چیز ہے۔ تھرما میٹر اور بیرومیٹر اسی کے دم سے چلتے ہیں اور ہمیں حرارت کا درجہ بتاتے ہیں۔ پارے کو گرمی پہنچے تو وہ پھیل کر تھرما میٹر میں اوپر چڑھتا ہے جہاں یہ پتلی سی چاندی کی لکیر آ کر ختم ہو جائے وہی درجہ حرارت ہے۔ پارے میں سے بجلی نہایت آسانی سے گزر جاتی ہے۔ اور اگر پارہ نہ ہوتا تو تم اپنی شکل نہ دیکھ سکتے۔ کیونکہ شیشے پر پارہ پھیلا کر ہی آئینے بنائے جاتے ہیں۔ پارہ کئی دواؤں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کئی بیماریاں ایسی ہیں جو صرف پارے سے ہی جاتی ہیں۔ تم نے دیکھا کہ یہ دھات کتنی کارآمد چیز ہے۔

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرجدار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے۔

(۸)

کدو میاں اور حساب

جب استانی حساب کا سبق دیتی ہے، تو کدو میاں نہایت غور وخوض سے سنتے رہتے ہیں۔ استانی سبق دلچسپ پیرائے میں سمجھا رہی ہے۔ انھوں نے بورڈ پر لکھنا شروع کیا :- ایک گاجر لو پھر ایک اور اُنکو جمع کیا تو دو گاجریں بنیں = ۲=۱+۱

کدو میاں بھی یہ سوال حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن حساب ٹھیک نہیں بیٹھتا۔

ایک گاجر لو۔ ٹھیک

دوسری لو۔ ٹھیک
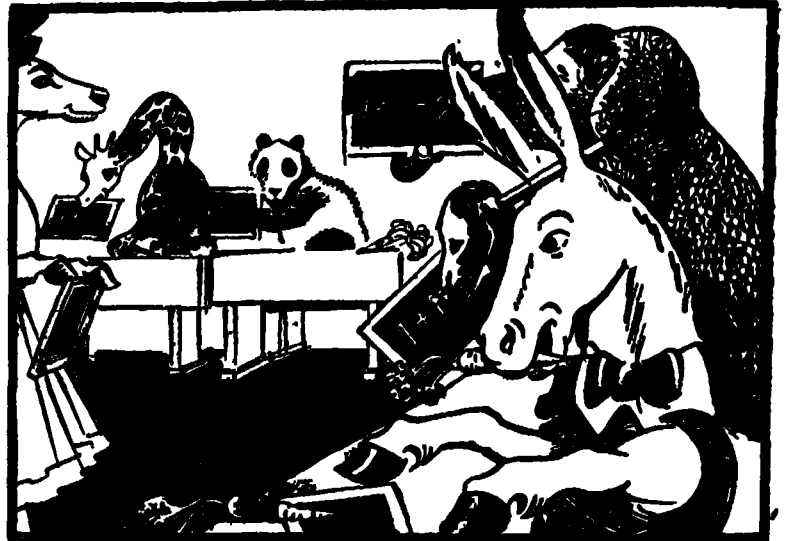
لیکن جواب دو نہیں بلکہ صفر آتا ہے۔ کدو میاں حیران ہیں۔

کل کی باتیں

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

جون کی تپتی ہوئی گرمی میں تم اسکول سے گھر واپس آتے ہی فوراً پنکھے کے نیچے بیٹھ جاتے ہو گے۔ تمہاری اماں خوب برف ڈالکر شربت کا گلاس لاکر دیتی ہونگی۔ اسکے بعد جب تم نہانے دھونے کے بعد ململ کا باریک کرتا پہن کر بیٹھتے ہوگے تو تمہیں کتنی فرحت ہوتی ہوگی۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ کتابیں بجلی کے پنکھے۔ تمہاری سائیکل۔ برف اور کپڑے جو تم پہنتے ہو کہاں سے آتے ہیں۔ تم کہوگے کہ واہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ یہ سب چیزیں بازار سے آتی ہیں۔ لیکن دراصل فیکٹریاں اور کارخانے یہ سب چیزیں بناتے ہیں اور دکانداروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور دکاندار انھیں ہمارے ہاتھ بیچتے ہیں۔ اسلئے ہمیں مزدوروں کا شکرگزار رہنا چاہئیے جو کارخانوں اور کانوں میں گرمی جاڑے سخت سے سخت کام کرکے ہمارے لئے آرام و آسائش کی چیزیں مہیا کرتے ہیں۔ کارخانوں میں گرمی ہی نہیں بلکہ شور بھی ہوتا ہے اگر تمہیں کبھی کسی کپڑے کے کارخانے میں جانے کا اتفاق ہو تو تمہیں اس بات کا تجربہ ہو جائیگا۔ مشینیں اتنا شور کرتی ہیں کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی اور اتنے شور و شغب میں خطرناک مشینوں پر کام کرنا کچھ دلچسپ کام نہیں اس کیلئے بڑی ہمت اور سخت جانی کی ضرورت ہے۔

اسکے علاوہ کانوں میں کام کرنیوالے مزدوروں کو تو وہ اسکی تہ میں کوئلہ اور دوسری دھاتیں نکالتے ہیں۔ یہ کام بہت خطرناک مشکل اور تھکا دینے والا ہے لیکن اس تمام مشقت کے بدلے میں مزدوروں کو ان کا پورا حق تک نہیں ملتا۔ انھیں تنگ و تاریک علاقوں کے اندر چھوٹے چھوٹے غلیظ گھروں میں رہنا پڑتا ہے۔ بمبئی میں بہت سے کارخانے ہیں۔ وہاں تمہیں ہزاروں مزدور سڑک پر سوتے ہوئے ملیں گے ان کے پاس رہنے کو مکان تک نہیں یہ تمام مزدور ہماری قوم کا ایک بڑا حصہ ہیں وہ ہمیں آرام پہنچانے کے لئے خود تکلیف اٹھاتے ہیں اسلئے یہ دیکھنا ہمارا فرض ہے کہ انکے ساتھ حق اور انصاف کا برتاؤ ہو اور انھیں بھی اپنی زندگی آرام اور چین سے گزارنے کا موقع ملے۔

مزدوروں کی حالت سدھارنے کے لئے کئی اسکیمیں پیش کی گئی ہیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ کانوں میں کام کرنیوالے مزدوروں کے لئے حمام بنانے چاہئیں تاکہ گھر جانے سے پہلے وہ نہا دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔ کیونکہ جب یہ لوگ اوپر آتے ہیں تو بہت خستہ حال اور خاک دھول میں اٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ انکے لئے اسکول کھولے جائیں گے تاکہ وہ اپنے لئے ترقی کی راہیں نکال کر زندگی کی دلچسپیوں کا لطف اٹھا سکیں۔ بعض مقامات پر اتنے مچھر ہوتے ہیں کہ چائے کے کھیتوں اور کانوں میں کام کرنیوالے اکثر ملیریا کا شکار رہتے ہیں۔ ملیریا کو دور کرنیکے لئے خاص طور پر انتظام کیا جائیگا۔ پہلے مزدوروں کی عورتیں بھی کانوں میں کام کرتی تھیں۔ لیکن اب یہ منع

کارخانہ میں مزدوروں کو سستا کھانا دیا جاتا ہے۔

مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے افسر مقرر کئے جائیں گے جو ان کے حقوق، انکی مزدوری اور کام کی شرائط وغیرہ کی نگرانی کرینگے۔

ٹریڈ یونین یا مزدوروں کی جماعتیں بنائی جائیں گی جو مزدوروں کو ایک آواز کرکے ان کے جائز مطالبات پورے کرائیں گی۔

امید ہے یہ تمام اصلاحیں جلد ہی عمل میں لائی جائیں کیونکہ ہندوستان بڑا صنعتی مرکز بننے والا ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے مزدوروں پر سختیاں یا ظلم ہوں بلکہ ہماری یہ

عورتوں کے لئے کینٹین

ہو گیا ہے انھیں سبز ترکاریاں بونے کے کام پر لگا دیا جائیگا۔ سبزیاں ترکاریاں جیسا کہ تمہیں معلوم ہو صحت قائم رکھنے کے لئے بہت ضروری ہیں اس وقت تک بیمار مزدوروں کے لئے کافی ہسپتال موجود نہیں اسلئے یہ تجویز کی گئی ہو کہ غریب مزدوروں کے لئے نئے ہسپتال کھولے جائیں اور ان کی مدد کے لئے اور زیادہ ڈاکٹر اور نرسیں رکھی جائیں۔
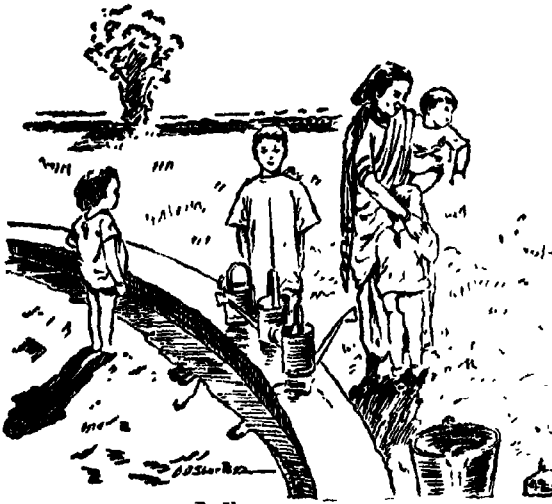
مزدوروں کو گندے تنگ محلوں اور چھوٹے چھوٹے مکانوں میں گزر کرنا پڑتا ہے جلد ہی انکے لئے الگ علاقوں میں عمدہ مکانات بنائے جائینگے جہاں باغ اور بچوں کے کھیلنے کے لئے پارک اور میدان وغیرہ ہونگے۔ یہ مکانات شہر کے باہر بنائے جائینگے تاکہ صاف ہوا مزدوروں کو مل سکے یہاں سے کارخانوں تک انھیں ریلوں اور بسوں میں لے جایا جائے گا۔

مزدوروں کے گھروں میں اکثر کھانے کا انتظام ٹھیک نہیں ہوتا اگر کافی کھانا مل بھی جائے تو وہ غلط طریقے پر پکا ہوا ہوتا ہے۔ اس خیال سے ریلوے ورک شاپوں اور کارخانوں میں کینٹین کھولے جائینگے۔ مزدوروں کی عورتوں کو کھانا پکانے کے ایسے طریقے سکھائے جائیں گے جن سے کھانے کی قوت ضائع نہ ہو اور ہمارے مزدور تندرست و توانا ہو کر اور زیادہ اچھا کام کرنیکے قابل ہو جائیں۔

مزدور عورتوں کے بچوں کی دیکھ بھال کی جگہ

خواہش ہے کہ صنعتی ترقی سے جو خوشحال ہندوستان میں بڑھے اس میں مزدور بھی برابر کے حصہ دار ہوں ٭ خالدہ مسرت
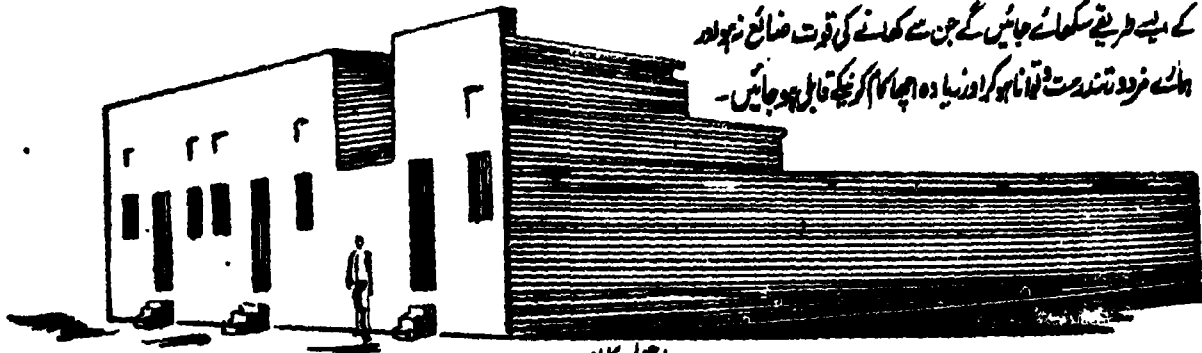
اچھا مکان

سندھ

سندھ کا صوبہ ہندوستان کے مغربی ساحل کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۴۸۱۳۶ مربع میل اور آبادی ۴۵ لاکھ سے زیادہ ہے۔ پہلے سندھ بمبئی کے صوبے کا ایک حصہ تھا لیکن ۱۹۳۶ء میں اسے علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا۔

چونکہ سندھ کی مشرقی سرحد پر ریت کے پہاڑ ہیں اس لئے لوگ اسے ریگستانی علاقہ سمجھتے ہیں یہ حصہ ریگستان یا تھار کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن درمیان میں سبز مٹی کا ایک میدان ہے جس میں دریائے سندھ سے آبپاشی ہوتی ہے۔ یہ دریا پہاڑ سے زرخیز مٹی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اگر اس مٹی کی آبپاشی کی جائے تو یہ بہت زیادہ زرخیز ہو جاتی ہے اور اس میں اعلیٰ درجہ کی فصل پیدا ہوتی ہے۔ پانی کے بغیر یہی مٹی ریت ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حکومت نے سکھر میں آبپاشی کے لئے زبردست انتظامات کئے ہیں۔ اس جگہ لائڈ بند بنایا گیا ہے جو ہندوستان کا سب سے بڑا بند ہے۔ یہاں پر دریائے سندھ کا پانی روک لیا جاتا ہے اور پھر اسے ضرورت کے مطابق ان حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جہاں دریا نہیں ہیں۔ آبپاشی کے اس زبردست انتظام کی بدولت سندھ میں گیہوں کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے جو جگہیں پہلے ریگستان تھیں وہاں اور فصلیں بھی ہوتی ہیں مثلاً کپاس اور چاول وغیرہ۔
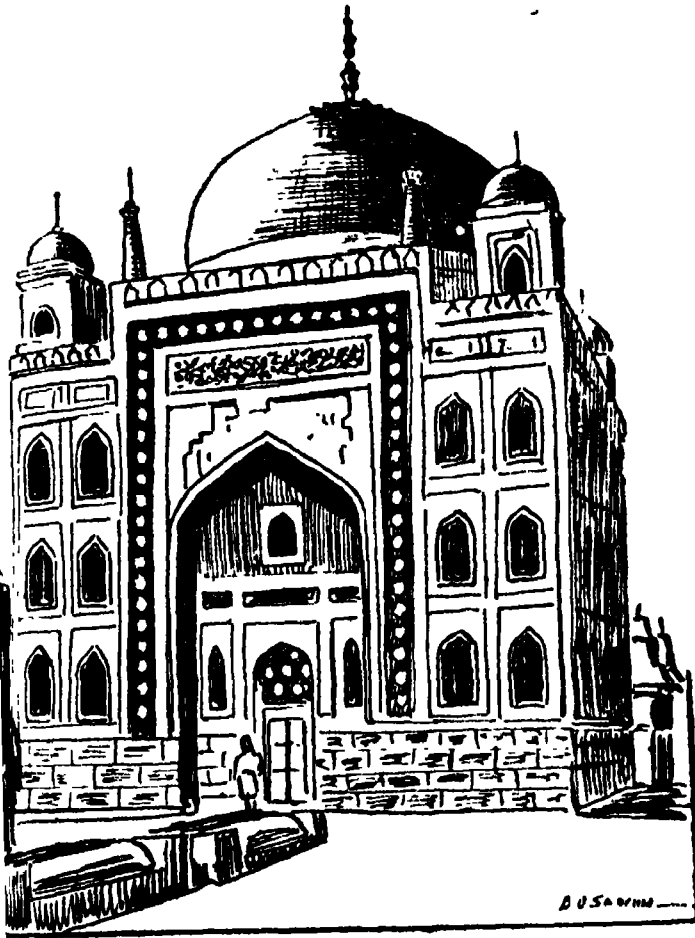
(سندھ کا دارالسلطنت کراچی ہے۔ یہ بہت اہم
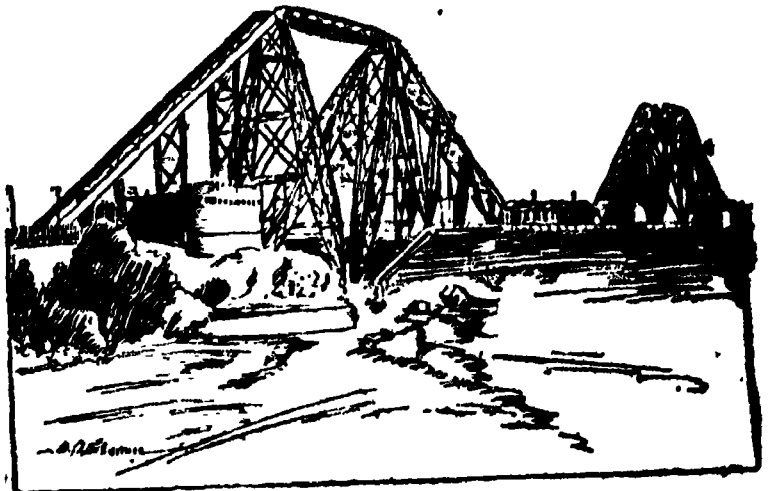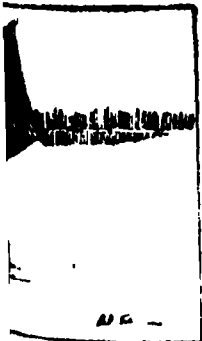
بندرگاہ ہے۔ سامان کے جہاز دوسرے ملکوں سے مال یہاں لاتے ہیں اور سندھ، پنجاب اور شمالی ہندوستان کے دوسرے حصوں کا مال یہاں سے باہر کی منڈیوں میں لے جاتے ہیں لیکن پچھلے چند سالوں سے کراچی ہندوستان کی سب سے بڑی بندرگاہ کی حیثیت سے مشہور ہو گیا ہے۔ ہر وقت بڑے بڑے ہوائی جہاز کراچی کے بڑے بڑے بحری اور بری ہوائی اڈوں پر اترتے اور اڑتے رہتے ہیں۔ اب کراچی کا شہر بھی بہت بڑھ گیا ہے۔
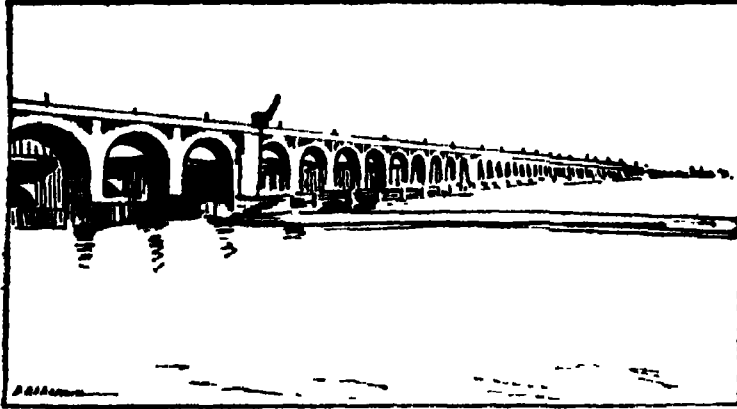
سندھ کا ایک اور دلچسپ شہر حیدرآباد ہے جو اٹھارویں صدی میں تالپو میروں کے دور حکومت میں اس ملک کا دارالسلطنت تھا۔ یہ شہر دیکھنے میں ہی پرانے انداز کا ہے کیونکہ یہاں بہت سی پرانی عمارتیں ہیں اور ہر گھر کی چھت پر ہوا کھینچنے کے لئے عجیب و غریب دو دو کش لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھنے میں چمنیوں کی طرح ہیں اور اس لئے بنائے گئے تھے کہ سمندر کی ٹھنڈی ہوا کھینچ کر گھر کو ٹھنڈا رکھیں۔
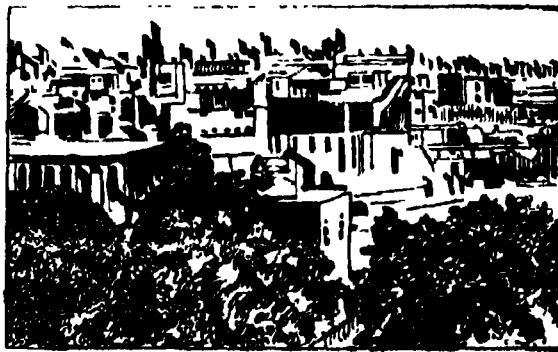
حیدرآباد کے قریب ہی امرکوٹ کا قلعہ ہے جہاں اکبر اعظم پیدا ہوا تھا۔

ہم سکھر کا ذکر کر چکے ہیں جو لائڈ بند کی وجہ سے مشہور ہے۔ لیکن میرا خیال ہے تم اس شہر کو بسکٹوں کی وجہ سے بھی جانتے ہو گے جب سے اس ضلع میں گیہوں کی پیداوار بڑھ گئی ہے تب سے یہاں بسکٹ بھی بہت بننے لگے ہیں۔ کراچی کے شمال

میں منگھو پیر کا مقبرہ ہے۔ یہ ایک ریگستان میں واقع ہے جس میں دو تالاب اور بہت سے کھجور کے درخت ہیں۔ ہر سال لوگ ان تالابوں میں نہانے جاتے ہیں اور وہاں کے مقدس گھڑیالوں کیلئے بکروں کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ ایک تالاب میں تقریباً دو سو گھڑیال ہیں۔

حال ہی میں سندھ میں ایک حیرت انگیز بات معلوم کی گئی ہے۔ آثار قدیمہ کے ماہر ایک بدھ مندر کھود رہے تھے تو انھیں ایک ایسی تہذیب کا پتہ چلا جس کے متعلق لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا۔ یہ تمدن بہت اعلیٰ تھا اور مصری تمدن کی طرح تقریباً چھ ہزار سال پرانا تھا۔ یہ وادی سندھ کا تمدن کہلاتا ہے اور اگر تمہیں کبھی موہنجو داڑو یا ہڑپہ جانے کا موقع ملے تو تم اس تمدن [illegible]
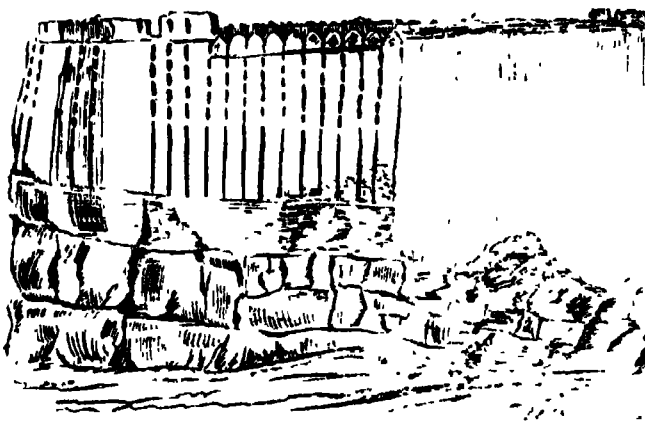
ہماری خدمت کرنیوالے

آل انڈیا ریڈیو

ریڈیو اب بہت عام چیز ہو گئی ہے اور میرا خیال ہے تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ آجکل یہ صرف تفریح کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ ضروری چیز ہے۔ یہ ہمیں دنیا کی تازہ خبریں، بازار کے بھاؤ اور موسم کا حال بتاتا ہے۔ اور ہلکے پھلکے اور پکے گانے، فیچر، ڈرامے، ادبی اور سیاسی تقریریں اور نہ جانے کیا کیا سناتا ہے۔ ریڈیو کا صرف ایک بٹن گھمانے سے کوئی نہ کوئی پروگرام اس طرح سنائی دینے لگتا ہے جیسے جادو کے زور سے ہو۔

تم میں سے جن بچوں کے پاس ریڈیو ہے وہ اس آواز کو پہچانتے ہوں گے جو کہتی ہے "یہ آل انڈیا ریڈیو ہے ..." ریڈیو پر آنیوالے سارے پروگرام آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے ہوتے ہیں۔ تم شاید یہ جاننا چاہو گے کہ یہ عجیب و غریب محکمہ کس طرح کام کرتا ہے۔

تقریباً ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں آل انڈیا ریڈیو کے سٹیشن ہیں۔ صرف دہلی اسٹیشن کے عملے میں نو سو آدمی ہیں۔ ان میں مرد بھی ہیں، عورتیں بھی، ہندوستانی بھی اور بدیشی بھی۔ اس اسٹیشن پر رات دن کام ہوتا رہتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے پسند کی چیزیں نشر کی جائیں۔ چنانچہ عورتوں، بچوں، اسکولوں، کالجوں،
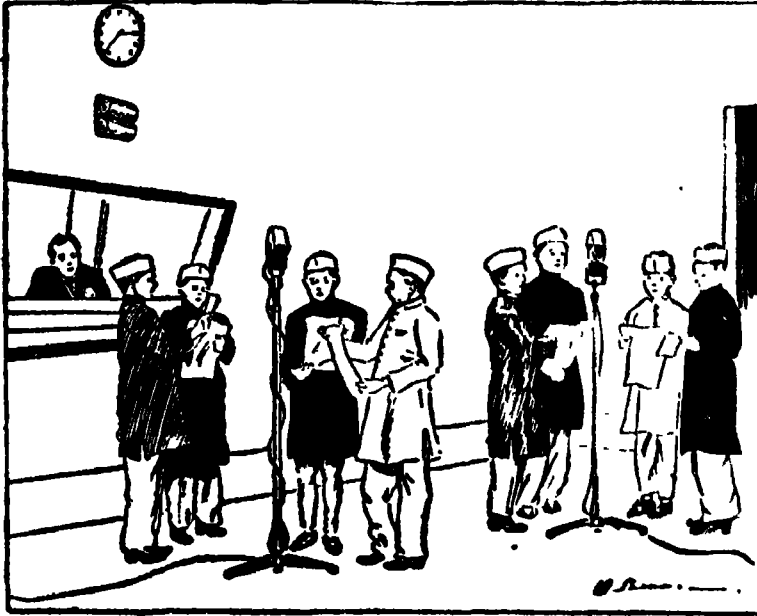
صنعتی مزدوروں، گاؤں والوں، غیر ملکی ہندوستانیوں، جنگی قیدیوں اور فوجیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ پروگرام ہوتے ہیں۔ اس لئے سٹیشن میں سات بجے صبح سے دوسرے دن پانچ بجے صبح تک لگاتار کام ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایک وقت میں آٹھ مختلف پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان تمام پروگراموں کو جوڑ دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روزانہ ۷۶ گھنٹے کی نشریات ہوتی ہیں۔

تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ایک چھوٹے سے پروگرام کو مرتب کرنے میں کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر بچوں کے پروگرام کا ایک دس منٹ کا ڈرامہ نویس مصنف

ڈرامہ لکھکر **عزیز احمد** منظوری کے لئے

پروگرام اسسٹنٹ کو بھیجتا ہے جو اسے پروگرام ایگزیکیٹو کو دیتا ہے۔ اگر وہ منظور کرتا ہے تو پروگرام اسسٹنٹ ایک شرائط نامہ تیار کرتا ہے جس میں مصنف اور آل انڈیا ریڈیو کے درمیان روپے کی ادائیگی وغیرہ کی شرطیں ہوتی ہیں۔ اسکی منظوری بھی پروگرام

ایگزیکیوٹو سے لی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ ٹائپسٹ کو بھیجا جاتا ہے۔ ٹائپ ہونے کے بعد اس پر پروگرام اسسٹنٹ، پروگرام ایگزیکیوٹو اور اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر کے دستخط ہوتے ہیں۔ پھر خطوں کو باہر بھیجنے والا کلرک اسے مصنف کے پاس بھیج دیتا ہے۔ اسی طرح مختلف ایکٹروں سے شرائط طے کر کے شرائط نامے تیار ہوتے ہیں۔ آخر میں پروگرام اسسٹنٹ کنٹرول ردم سے اسٹوڈیو (وہ کمرہ جہاں سے نشریات ہوتی ہیں) مانگتا ہے۔ ایک چھوٹے سے پروگرام کی صرف کاغذی کارروائی کو تیس مختلف منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

نشریات کا اصل عمل اور بھی مشکل ہے۔ ڈرامے کا پروڈیوسر ایک چھوٹے سے اسٹوڈیو میں "ڈرامائک کنٹرول پینل" کے سامنے بیٹھتا ہے۔ یہ ایک قسم کا بورڈ ہوتا ہے جسکی مدد سے وہ ایکٹروں کو اشارے کرتا ہے۔ ایکٹر دوسرے اسٹوڈیو میں مائکروفون کے گرد کھڑے ہوتے ہیں اور پروڈیوسر انھیں شیشے کی ایک کھڑکی سے دیکھتا رہتا ہے۔ پروڈیوسر کے پاس ڈرامے کی ایک نقل ہوتی ہے جس پر موسیقی، دوسری آوازوں، گونج، وقفے وغیرہ کے متعلق تمام ہدایتیں لکھی رہتی ہیں۔ پروڈیوسر ہری لال روشنیاں جلا بجھا کر ایکٹروں کو اشارے سے ہدایتیں دیتا رہتا ہے۔

آوازیں پیدا کرنیوالا آدمی ایک تیسرے اسٹوڈیو میں بیٹھتا ہے۔ وہ ایک آلے (ہیڈفون) کے ذریعے ایکٹروں کی آوازیں سنتا ہے اور ڈرامائک کنٹرول پینل کے ذریعے پروڈیوسر کی ہدایتیں لیتا ہے۔ اناؤنسر ایک چوتھے اسٹوڈیو میں بیٹھتا ہے۔ یہ سب لوگ بہت مل جل کر کام کرتے ہیں اور پروگرام میں لمحے برابر کا فرق نہیں آنے دیتے۔

پروگرام نشر کرنے سے پہلے کئی بار مشق ہوتی ہے اور جب اصل نشریات شروع ہوتی ہیں تو انجینئر آواز کی گونج وغیرہ کا خیال رکھتے ہیں اور نشریات کی نگرانی کرتے ہیں۔ ریڈیو سٹیشن سے نشریات کے اسٹیشن تک پروگرام تار کے ذریعہ جاتے ہیں۔ اسکے بعد وہ بے تار برقی کی مدد سے ہوا میں چھوڑے جاتے ہیں۔

اب تمہیں اندازہ ہوا ہوگا کہ ایک پروگرام جو چند منٹ کے اندر اندر ہوا میں غائب ہو جاتا ہے اس کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔

آل انڈیا ریڈیو میں خبروں کا شعبہ حیرت انگیز تیزی سے کام کرتا ہے۔ ٹیلی پرنٹر برابر خبروں کے صفحے کے صفحے چھپتے رہتے ہیں اور لوگ ہیڈفون

لگائے رہتا اپ اُنہر سامنے رکھے غیر ملکی نشریات سنتے رہتے ہیں جہاں کوئی دلچسپ خبر سنائی دیتی ہے وہ فوراً ٹائپ کر لیتے ہیں۔ یہ خبر نیوز ایڈیٹر کو بھیج دی جاتی ہے۔ وہ اسے ٹھیک سے ترتیب دیکر انائونسر کو دے دیتا ہے جو فوراً خبر نشر کر دیتا ہے۔

خبروں کا شعبہ آل انڈیا ریڈیو کا سب سے زیادہ مصروف شعبہ ہے یہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں ۲۲ گھنٹے کام کرتا ہے۔ یہاں سے روزانہ ۹ ہندوستانی زبانوں میں ستائیس خبروں کے پروگرام ہندوستانیوں کے لئے اور ۶ باہری زبانوں میں ۱۴ خبروں کے پروگرام غیر ملکیوں کے لئے نشر ہوتے ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو کے کام کرنیوالوں میں مرد عورت سب عموماً نوجوان، خوش مزاج، جوشیلے اور رسم و رواج کے جھگڑوں سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ وہ گھڑیوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ ان کے کام میں ایک سیکنڈ کا فرق بھی نہیں پڑتا۔ وہ کوئی پروگرام نہ وقت سے پہلے شروع کرتے ہیں نہ اسے زیادہ دیر تک رہنے دیتے ہیں۔ وہ پروگرام کے بیچ میں نہ کبھی رکتے ہیں نہ کوئی چیز دہراتے ہیں۔ نہ کھانستے ہیں نہ کاغذ کھڑکھڑاتے ہیں۔ ان پر تیج بیچ گھڑیاں حکومت کرتی ہیں جو ریڈیو سٹیشن پر جگہ جگہ ——— دفتروں میں، گیلریوں میں، اسٹوڈیو میں ——— نظر آتی ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو والے اپنے کام میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ رات دن وہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ تمہارے ذوق کے مطابق کوئی نئی اور دلچسپ چیز پیش کریں۔ وہ تمہیں خوش کرنیکی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن پھر بھی اگر اتفاق سے تمہیں کوئی پروگرام ناپسند ہو تو تمہیں یہ نہیں چاہئے کہ ریڈیو بند کر دو اور کہو کہ "بیکار تھا"۔ تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ آل انڈیا ریڈیو کو ہزاروں سننے والوں کی پسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے ممکن ہے اگلی دفعہ کا پروگرام عین تمہاری پسند کے مطابق ہو۔

اپریل کے کراس ورڈ معمہ کا حل

ن	ا	ت	ص	و	د	ن	ہ
		ا	ف	ا	ی	ا	د
م		ل	ا	ہ	ن	د	ن
ے	ج		ک	د	ا		ہ
ر	و	ڈ		ا	ر	س	ا
ب	ا	ر	ش			ت	ر
ا	ن		ا	ن	ک	ر	
ن	ی	ب		ی	ل	ہ	د

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

بہت سے ممبر ہماری ٹکٹ جمع کرنے والوں کی کلب میں شریک ہوگئے ہیں۔ ہم ان کا آپس میں تعارف کرا رہے ہیں۔ اب وہ ایک دوسرے سے ٹکٹوں کے متعلق براہِ راست خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ کئی ممبروں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ سکے جمع کرنیوالوں کا بھی ایک کلب قائم کیا جائے۔ اگر بہت سے ممبروں نے اس رائے سے اتفاق کیا تو ہمیں کوئی عذر نہیں ہوگا۔

ایک ضروری بات میں تم سے اور کہنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب لیگ کے بارے میں خط لکھو تو اپنا ممبری کا نمبر لکھنا مت بھولو۔

چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:-

(۱۴۱) فوزیہ بھوپال جموں توی (۱۴۲) اے۔ ایس۔ سگری حیدرآباد دکن (۱۴۳) بلبیر کما رسود۔ ناگپور (۱۴۴) عنایت اللہ خوشباش لاہور (۱۴۵) ایم اسلم خاں۔ رائے سین (۱۴۶) خیر النسا کلکتہ (۱۴۷) پربودھ چندر موز مدار چاندپور بنگال (۱۴۸) شیخ محمد رفیق اطہر امرتسر (۱۴۹) راجندر کمار جین سہارنپور (۱۵۰) احسان اللہ نیا یک گجرات (۱۵۱) محمود فرحت جاوید لائلپور (۱۵۲) رشید غنی خاں دہلی (۱۵۳) محمد سعید اللہ صدیقی۔ رام پور (۱۵۴) بنت شیخ ایم یونس صاحب دہلی (۱۵۵) منیر احمد لاہور (۱۵۶) شیخ محمد اسمٰعیل ذبیح کلکتہ (۱۵۷) عباس شبراتی ڈربن۔ جنوبی افریقہ (۱۵۸) رشید طاہرہ نئی دہلی (۱۵۹) عارف الٰہی ہاپوڑ (۱۶۰) اوم پرکاش بادیجہ کوئٹہ (۱۶۱) عبدالرحمٰن کریم بھائی ڈیسائی ندیاد گجرات (۱۶۲) محمد امین حزیں سمستی پور۔ بہار (۱۶۳) ممتاز بیگم عرف تاج سمستی پور (۱۶۴) فرجام علی مرادآباد (۱۶۵) سردار ظفر وحید خاں درانی کالکا (۱۶۶) مرزا محمد زاہد لکھنؤ (۱۶۷) بی بی ثریا اقبال خیرپور میرس (۱۶۸) محمد خورشید الرحمٰن کیمبل پور (۱۶۹) سردار اکرام بہاولپور (۱۷۰) رشید احمد پونہ۔

تمہاری خالہ

مسرت

فارم ممبری برائے "نونہال لیگ"

خریداری نمبر ____________

چندہ بھیجنے کی تاریخ ____________ چندہ ختم ہونیکی تاریخ ____________

نام ____________

تاریخ مہینہ اور سال پیدائش ____________

سرپرست کا نام ____________

پورا پتہ ____________

____

دستخط ____________

تاریخ ____________

نوٹ:- اس فارم کے ساتھ فیس ممبری کے طور پر آٹھ آنے کے ٹکٹ بھیجنا ضروری ہیں۔

اور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
وہ اِس وقت بہت کچھ سیکھ رہا ہے لیکن زندگی بھر لائف بوائے صابن کے روزانہ استعمال کی عادت سے زیادہ کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔ اُس کی ماں خوش ہے اور اُسے فخر ہے کہ اس نے گرد و غبار کے اس خطرہ کے متعلق سبق دیا ہے جو ہر جگہ غیر محتاط آدمیوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہے۔
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ ایک اچھی عادت ہے۔
LIFEBUOY
L. 77 10 UD
LEVER BROTHERS
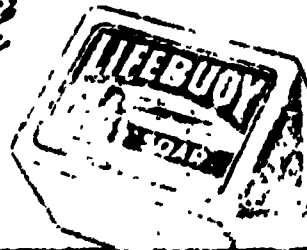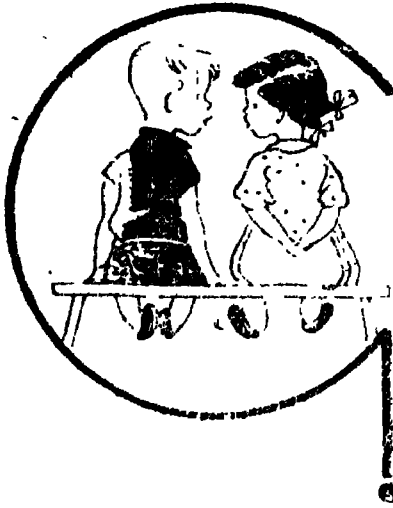
کیا آپ جانتے ہیں

کچھ پرندے دعوت کا بدلہ چکا دیتے ہیں؟

انگلستان میں اسٹارلنگ نامی ایک پرندہ ہوتا ہے۔ یہ امریکہ کے بعض حصّوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ پورا ڈاکو ہے اور پھلوں کے باغوں کو بہت نقصان پہونچاتا ہے۔ لیکن یہ جتنا نقصان کرتا ہے اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے۔ پھلوں کے پکنے سے پہلے یہ باغ کے کیڑوں مکوڑوں کا صفایا کر دیتا ہے۔ ورنہ اگر یہ کیڑے زندہ رہ جائیں تو باغ کو اسٹارلنگ سے کئی گنا زیادہ نقصان پہونچائیں۔

زمین اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟

دن کے وقت فضا میں سورج کی روشنی کا نیلا حصّہ جو ہمیں نظر آتا ہے وہی آسمان ہے۔ جب ہم آسمان کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری مراد اس ہوا سے ہوتی ہے جس میں ہم نیلی روشنی دیکھتے ہیں۔ فضا کے جن ذرّوں سے نیلی روشنی کا عکس ہماری آنکھوں پر پڑتا ہے ان کا فاصلہ پچاس ساٹھ میل سے زیادہ نہیں ہے۔ اور دنیا کی زبردست لمبائی چوڑائی کو دیکھتے ہوئے یہ فاصلہ کچھ بھی نہیں۔

قدرت سمندر کی گہرائیوں میں روشنی کا انتظام کرتی ہے؟

سمندر کی گہرائیوں میں عام طور پر رات دن مکمل اندھیرا رہتا ہے۔ لیکن قدرت نے بعض سمندری جانوروں کو روشنی عطا کی ہے۔ وہ اپنی خوبصورت رنگ برنگی روشنیوں سے پانی میں روشنی کرتے ہیں۔ ایک مچھلی کی آنکھیں موٹر کار کی سامنے کی بتیوں کی طرح روشن ہوتی ہیں۔ جب وہ تیرتی ہے تو اسکے سامنے کا پانی روشن ہو جاتا ہے۔ ایک اور کالے رنگ کی مچھلی ہوتی ہے جس کے سارے بدن پر چمکدار دھبّے ہوتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے رات کے وقت کوئی روشن جہاز۔ ان مچھلیوں کی قدرتی لالٹینوں کی وجہ سے ان مچھلیوں کو بہت مدد ملتی ہے۔ جن کے پاس خود روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔

کچھ کیڑے پھولوں سے ملتے جلتے ہیں؟

ایک کیڑا رنگ اور شکل میں بالکل ایک پھول کی طرح ہوتا ہے۔ وہ پھول پر بیٹھ کر دم سادھ لیتا ہے جب کوئی تتلی شہد کی تلاش میں اگر پھول پر بیٹھتی ہے تو کیڑا اٹھتا ہے اور تتلی کو پکڑ کر کھا جاتا ہے۔

زمین کے آر پار سفر کیا جائے تو کیا ہو؟

اگر زمین کے آر پار راستہ بنانا ممکن ہو تو ریل تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل کر گیارہ دن میں ایک طرف سے دوسری طرف پہونچتی۔ اور اگر کسی طرح زمین کی کشش کا مرکز بیچ سے کھسکا کر ایک طرف کر دیا جائے اور دوسری طرف سے کوئی چیز گرائی جائے تو وہ صرف بیالیس منٹ، بائیس سیکنڈ میں اتنا سفر طے کرے۔ لیکن یہ سب حساب کی باتیں ہیں۔ کیونکہ زمین کے اندر اتنی گرمی ہوتی ہے کہ نہ تو ریل صحیح سلامت بچ کر گزر سکتی ہے نہ کوئی اور چیز۔

کچھ پرندوں کے بارے میں

(از ای کے مترا)

اسے انتظامی معاملات میں ملکہ حاصل ہے اور اس کے
چہرے سے رعب داب ٹپکتا ہے۔ اس کا ایک کام پرندوں کی دنیا
میں امن قائم رکھنا ہے۔ تم اسے اکثر کسی پیڑ کی پھننگ یا تار کے
کھمبے پر سے یہ کام کرتے ہوئے دیکھ سکتے ہو۔ اس کا دوسرا کام
گلّے بانی کرنا ہے۔ کم از کم معلوم تو یہی ہوتا ہے کیونکہ یہ ہمیشہ چرتی ہوئی
گایوں کے آس پاس نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کیڑے
کوڑے گایوں کے پیر سے بچنے کی کوشش میں بھاگتے ہیں تو یہ انھیں
نوالہ بنا لیتا ہے۔ پھر کبھی وہ بڑے فخر سے گائے کی پیٹھ پر سوار
ہو کر رعب جماتا ہے۔ اپنے افسرانہ
انداز کے باوجود وہ کسانوں کا
اور ہم سب کا دوست ہے
کیونکہ وہ کھیتوں
کو کیڑوں کوڑوں
سے صاف
کر دیتا ہے۔

یہ چمک دار سیاہ پرندہ یوں تو بلبل کے
برابر ہوتا ہے لیکن اس کی دم بہت لمبی
ہوتی ہے۔ اسے کوتوال یا
کلا چیت کہتے ہیں۔

کوتوال

اچھا یہ ننھا سا
پھرتیلا پرندہ کون
ہے جو ہمیشہ
مشغول
اور
خوش و خرم رہتا ہے۔ امریکن اسے
"ملنسار" کے نام سے پکارتے ہیں کیونکہ یہ
ہر جگہ بلا تکلف چلا جاتا ہے۔ تم اسے جنگل میں
بھی دیکھ سکتے ہو اور شہروں میں بھی۔ یہاں تک کہ
یہ تمہارے اپنے باغ یا برآمدے میں نظر آ سکتا ہے۔ یہ
تمہاری تلے دانی سے دھاگے کا ایک ٹکڑا لینے آ جاتا ہے۔
لیکن اگر کوئی اور چیز نہ مل سکے تو وہ خوشی خوشی
چٹائی یا چق کی گوٹ سے دھاگا نکال کر لے جائیگا۔
بات یہ ہے کہ اس کا کام سینا پرونا ہے اور وہ اپنی
بیوی کے ساتھ جس گھر میں رہتا ہے اسے خود انھوں
نے بڑی ہوشیاری سے سیا ہے۔ یہ کوئی چوڑی پتی لیتے ہیں۔
تمہارے برآمدے کے گملے سے کروٹن کی پتی یا انجیر
کی پتی یا پھر کسی چوڑی بیل کی پتی —— اور اسے موڑ کر پیالی
کی طرح بنا لیتے ہیں اور کناروں کو بڑی صفائی سے دھاگے یا مکڑی
کے جالے کی مدد سے سی لیتے ہیں۔ کروٹن کی سلائی بڑی مضبوط ہوتی ہے تاکہ

درزی چڑیا

ان کے مکانوں کی دیوار گر نہ جائے۔ وہ چونچ سے سوراخ کر کے دھاگا اس میں پرو دیتے ہیں اور اس طرح پتے کے اس پیالے میں وہ نرم اون رکھکر اپنے بچوں کے لئے آرامدہ مکان تیار کر لیتے ہیں۔

انھیں پانگڑہ اور سیمل کے خوب صورت سرخ پھولوں کا مزے دار کھانا بہت پسند ہے اسلئے وہ اکثر ان پیڑوں پر جاتے ہیں۔ درزی چڑیا اور درزن چڑیا کی تلاش ہو تو ان پیڑوں پر دیکھ سکتے ہو۔ ان کا قد غوغائی کا آدھا اور رنگ ہرا اور سفید ہوتا ہے اور ان کے ننھے ننھے سروں پر لالی سی ہوتی ہے۔ یہ پرندے بڑے بشاش ہوتے ہیں اور اپنی دم زور زور سے پھدکاتے پھرتے ہیں۔

تم کبھی دیہات میں سیر کرنے جاؤ تو تمہیں ایک اور آواز سنائی دیگی۔ "چٹ چٹ چٹ - چی چی - ای" اور اگر تم غور سے دیکھو تو جھاڑیوں میں تمہیں ایک ہوشیار پرندہ اپنے کام میں مشغول نظر آئے گا۔ اس پرندے کا کام بنائی ہے جیسے یہ کسی تالاب کے قریب یا کنوئیں کے اوپر کرنا پسند کرتا ہے۔ اسے مل جل کر رہنا پسند ہے اسلئے سو یا زیادہ دوستوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے۔ کبھی اسے اپنا گھونسلا بُنتے ہوئے دیکھو۔ وہ عام طور پر جولائی میں کام شروع کرتا ہے۔ اپنے مکان کی جگہ کا اسے بڑا خیال رہتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ یہ مکان کسی جھکی ہوئی شاخ میں لٹکا ہو اور اس کے نیچے کچھ بھی نہ ہو تاکہ آزادی سے ہوا میں لہرا سکے۔ لیکن اسے یہ پسند ہے کہ اسکا مکان کسی تالاب یا کنوئیں پر ہو۔ اسے سب سے زیادہ کھجور کا درخت پسند ہے۔ لیکن کانٹے دار ببول یا بور کے درخت سے بھی کام چلا لیتا ہے۔ اپنی پسند کی جگہ تلاش کر کے وہ سامان تیار کرتا ہے۔ ناریل کی پتیوں کے باریک ریشے سب سے اچھے ہوتے ہیں۔

اپنی مضبوط چھوٹی چونچ سے وہ پتی کے ایک سرے پر نشان ڈالتا ہے اور ایک لانبا باریک ریشہ ادھیڑ لیتا ہے۔ یہ ریشہ اتنا باریک ہوتا ہے جیسے سوت کا دھاگا۔ پہلے وہ اپنی پسندیدہ شاخ کے سرے پر ٹہنیوں اور پتیوں کے گرد بڑی مضبوطی سے ریشے باندھتا ہے۔ پھر وہ انھیں کس کر ڈنٹھل کی شکل دے دیتا ہے جو کئی کئی انچ لمبا ہوتا ہے۔ اسکے بعد وہ اپنے گھر کو گھنٹی کی شکل میں چوڑا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی چوڑائی اتنی ہو جاتی ہے کہ اس کا کنبہ اس میں گزر کر سکے۔ اب وہ آر پار ایک پل سا باندھ کر گھر کو دو حصوں میں بانٹتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس کا وزن دیکھتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہوا کا ایک جھونکا آئے اور اس کے بچے گر جائیں۔

جب مکان تیار ہو جاتا ہے تو اسکی مادہ دیکھ کر اپنی رائے دیتی ہے۔ اگر اس کا توازن ٹھیک نہیں ہوتا تو یہ اس میں ادھر ادھر مٹی لگا کر توازن ٹھیک کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انھیں ایک گھر چھوڑ کر دوسرا بنانا پڑتا ہے چنانچہ اکثر ان کی آبادی میں کئی نامکمل گھر نظر آتے ہیں۔ اگر گھر کا توازن بالکل ٹھیک ہوتا ہے تو مادہ پل پر بیٹھ جاتی ہے اور نر ریشے لاتا ہے۔ اندر سے مادہ اور باہر سے نر مل کر ان ریشوں کو بُنتے ہیں۔ وہ اسی طرح بنتے رہتے ہیں یہاں تک کہ پل کے ایک طرف کا حصہ بالکل ڈھک جاتا ہے اور بچوں کے سونے کا آرام دہ کمرہ تیار ہو جاتا ہے۔ پل کے دوسری طرف کا حصہ بوتل کی گردن کی شکل میں لمبا بُنا جاتا ہے۔ بچے اپنے آرام دہ کمرے میں ہوا، بارش اور تمام خطروں سے محفوظ رہتے ہیں۔ بڑی سے بڑی ہمت والی گلہری بوتل کی گردن جیسے لمبے گھونسلے پر چڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔ خاص طور پر جب نیچے کنواں ہو۔

انگریزی میں اس پرندے کو "معمولی بُننے والی چڑیا" کہتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ تم میری رائے سے اتفاق کروگے کہ یہ چڑیا بہت "غیر معمولی بُننے والی" ہے۔ ہندوستانی زبان میں اسے بیا کہتے ہیں۔ دیکھنے میں یہ غوغائی سے بہت ملتی جلتی ہے۔ صرف اس کے خوبصورت لباس میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ اس کے سر پر سنہری ٹوپی ہوتی ہے اور اس کی قمیص کے سامنے کا حصہ پیلا ہوتا ہے۔

بیا

بچّوں کی کتابیں

(۱) ٹلو میاں (۲) میاں مٹھو (۳) چنن منن

بچّوں کے ادیب محمد شفیع الدین نیّر صاحب نے بچّوں کے لئے آسان زبان میں بہت سی دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں لکھی ہیں۔ ان میں سے تین کتابیں ہمارے پاس رائے کے لئے آئی ہیں۔ کہانیاں اچھی ہیں اور چکنے کاغذ پر بہت خوب صورتی سے جلی حرفوں میں چھاپی گئی ہیں۔ نمونے کے طور پر ٹلو میاں کا کچھ حصہ ہم یہاں چھاپتے ہیں:-

ٹلو میاں

کسی شہر میں ایک آدمی رہتا تھا۔ وہ مزدور تھا۔ دن بھر کام کرتا شام کو گھر آتا۔ مزدوری سے جو پیسے ملتے ان سے آٹا، دال، گھی، لکڑی، نمک، مرچ خریدتا۔ بیوی اناج پیستی، چولہا جلاتی، کھانا پکاتی، کھانا پک چکتا تو سب کھانے کو بیٹھتے اور کھا پی کر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے۔

یہ میاں بیوی بہت غریب تھے۔ میاں جو کچھ کما کر لاتا اس میں انھیں کا خرچ مشکل سے چلتا۔ اس پر ان کے تین بچے بھی تھے۔ پھر بھی جیسے بن پڑتا یہ کام چلاتے۔ میاں بیوی اور بچے خوش رہتے۔ جو کچھ روکھا سوکھا مل جاتا ہنسی خوشی کھا پی لیتے۔

ان کے تین بچّوں میں چھوٹا بچہ عجیب طرح کا تھا۔ آٹھ دس برس کا ہوگیا مگر اس کا قد ایک فٹ سے زیادہ نہ بڑھا۔ نام تو نہ جانے کیا تھا مگر سب لوگ اسے ٹلو میاں کہہ کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ لڑکا بہت تیز، باہمت اور سمجھدار تھا۔ اس عمر میں ایسی ایسی باتیں کرتا کہ سب سن سن کر حیران ہوتے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ اس مزدور کو کئی دن تک کچھ کام نہ ملا۔ اب تو گھر کا کام چلنا بند ہوگیا۔ ایک دو دن آدھے آدھے پیٹ کھا کر گزارہ کیا۔ جب آٹا بھی نہ ملا تو یہ سب بہت گھبرائے۔ ایک دن تنگ آکر باپ نے کہا: "چلو جنگل چلیں۔ جنگلی جھاڑیوں میں بیر ویر مل جائیں تو وہی کھا پی کر پیٹ بھر لیں۔" بچے بولے: "اچھا" اور اچھلتے کودتے چل دئے۔ چلتے چلتے وہ گھر سے بہت دور نکل گئے۔ اور ایک بہت ہی گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ وہاں بہت سی جھاڑیوں میں بیر اور کچھ پھل بھی ملے۔ یہ بھوکے تو تھے ہی بس ٹوٹ پڑے۔ باپ نے سوچا بچے یہاں کھالیں میں ذرا آگے بڑھ جاؤں۔ نئی جھاڑیاں تلاش کر کے ان کے پھل کھاؤں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ مگر کھاتے کھاتے ذرا زیادہ دور نکل گیا۔ اتنے میں شام ہوگئی۔ وہ بچّوں کے پاس واپس آنے کے لئے چلا۔ مگر غریب راستہ بھول گیا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ بچے مل جائیں۔ مگر نہ ملے۔ آخر تھکا ہارا اداس گھر پہنچا۔ اپنی بیوی سے سب حال کہا۔ دونوں بہت روئے پیٹے مگر فقط رونے پیٹنے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان دونوں نے مل کر ان کو تلاش کرنا شروع کیا۔

اب بچّوں کا حال سُنئے۔ وہ مزے سے کھیلتے اور کھاتے رہے۔ کھانے اور کھیلنے سے ان کا پیٹ خوب بھر گیا تو شام کا اندھیرا دیکھ کر ان کو بھی ہوش آیا۔ خوب زور سے ابا! ابا!! کہہ کر چیخے چلائے مگر کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگے: "اب کیا کریں؟" ایک نے کہا: "جس رستے آئے ہیں اسی رستے گھر لوٹ چلیں۔" سب نے کہا: "بات تو ٹھیک ہے۔" اب چلے تو یہ بھی راستہ بھول گئے رات بھی ہو رہی تھی۔ جنگل کے جانوروں کی آوازیں سنائی دیں تو یہ بہت ڈرے۔ بڑے بھائی نے کہا: "خدا خیر کرے آج بچتے نظر نہیں آتے۔" ٹلو میاں بولے: "ہمت کیوں ہارتے ہو؟ جو ہونا ہوگا ہو جائے گا مگر یوں جنگل میں مارا مارا پھرنا ٹھیک نہیں۔ چلو کسی ٹیلے پر چڑھ کر دیکھیں شاید کہیں روشنی نظر آئے۔ بس اسی طرف چل پڑیں گے۔ آبادی میں رات گزاریں گے۔ صبح اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

بتلو میاں ۔۔ ۴۰ صفحے۔ قیمت ۸ر۔ چنن منن۔ ۱۶ صفحے۔ قیمت ۳ر۔ میاں مٹھو۔ ۲۰ صفحے قیمت ۵ر

ملنے کا پتہ۔ حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی

تصویر بنانے کا انعامی مقابلہ

اوپر تم نے ٹلو میاں کی کہانی کا ایک حصہ پڑھا۔ تم اس میں سے کسی منظر کی رنگین تصویر بناؤ اور ۱۵ر جولائی ۱۹۴۶ء تک ہمارے پاس بھیج دو۔ سب سے اچھی دو تصویریں بنانے والوں کو انعام میں کتابیں دی جائیں گی۔ تصویر کے ساتھ یہ کوپن بھر کر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ______________

عمر ______________

پورا پتہ ______________

____

گھوڑ دوڑ

ایک ہی سائز کے تین ریل لے کر ایک ایک چھوٹی
کیل ان کے اوپر ٹھونک دو۔ پھر ان کو لمبی کیلوں میں
پرو کر جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے ایک تختے پر ٹھونک
دو۔ کیلیں زیادہ موٹی نہ ہوں ورنہ
ریل پھرانے میں دقت ہوگی۔
اب کارک کے تین گھوڑے
بناؤ اور ہر گھوڑے میں
ایک لمبا سا ڈورا باندھ کر ا
ریل سے لپیٹ دو۔ جب تم ریل
پھراؤ گے تو گھوڑے بھاگنے لگیں گے ؛

بچوں کے قلم سے

ننھا اصغر

یہ دیکھو ہے ننھا اصغر — رونے میں اسکا کون ہے ہمسر
امی اور آپا بہلائیں — گود میں لے لیکر ٹہلائیں
رجی بھائی پھول دکھائیں — اکی بھائی تتلی لائیں
ابا جی لائے ہیں کھلونے — پیارے پیارے ننھے منے
لکڑی کے ہیں ہاتھی گھوڑے — موٹر دیکھ کے اکی دوڑے
بولے اسکو تو میں لوں گا — اصغر کو گھوڑا دیدوں گا
یہ سنتے ہی رویا اصغر — گھر کو اٹھایا اس نے سر پر
مت رو مت رو پیارے بھائی — چیخ رہے ہیں رجی بھائی
پر وہ نہیں سنتا ہے کسی کی
کرتا ہے اپنے ہی جی کی

محمد احمد حسین خاں۔ شملہ

پہیلیاں

(۱) ایک مسافر ڈوب گیا — اس کو رونے والا کوئی نہیں
(۲) کانچ کا پیالہ ٹوٹ گیا — اس کو اٹھانے والا کوئی نہیں
(۳) ہاتھ لگاؤ میلا ہووے — منہ لگاؤ تو منہ چڑائے

مس عائشہ۔ کراچی

بھول بھلیاں

ایک شخص بھول بھلیاں میں پھنس گیا ۔ رات اندھیری تھی ۔ لیکن بجائے ادھر ادھر بھٹکتے پھرنے کے وہ جلد باہر نکل آیا ۔ بتاؤ کیسے ! ۔

پچھلے مہینے کے معمے

"ایک دفعہ کا ذکر ہے"

کا حل

صرف پانچواں سکہ الگ کیا گیا تھا ۔ پہلے دن پانچواں سکہ سرائے والے کو ادا کیا گیا ۔ دوسرے دن چھٹا اور ساتواں دے کر پانچواں واپس لے لیا ۔ تیسرے دن پھر پانچواں سکہ دیا ۔ چوتھے دن پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا دیکر پانچواں، چھٹا اور ساتواں واپس لے لیا ۔ پانچویں دن پھر پانچواں سکہ ادا کیا ۔ چھٹے دن چھٹا اور ساتواں دے کر پانچواں واپس لے لیا اور ساتویں دن پانچواں سکہ دے دیا ۔

ہندسوں کا مربع

11	9	18	12
5	12	8	16
20	11	14	5
14	9	10	17

یہ ایک بڑا مربع ہے جس میں ۱۶ چھوٹے چھوٹے مربع دئے ہوئے ہیں ۔ ہر ایک میں ایک ہندسہ لکھا ہوا ہے ۔ اکثر قطاروں کے نمبروں کو جوڑا جائے تو ایک ہی حاصل جمع نکلتا ہے لیکن ایک ہندسہ غلط لکھا گیا ہے اسلئے سب قطاروں کا حاصل جمع صحیح نہیں نکلتا بتاؤ کون سا ہندسہ غلط ہے ۔

پچھلے مہینے کے معمے

"کسان کے گھوڑے"

کا حل

کسان نے اپنے گھوڑے سے اتر کر اسے اور باقی کے اُنیس ۱۹ گھوڑوں کے پاس کھڑا کر دیا ۔ پھر آدھے گھوڑے یعنی دس ۱۰ بڑے بھائی کو دے دئے ۔ ایک چوتھائی یعنی (۵) دوسرے کو اور پانچواں حصہ سب سے چھوٹے کو ۔ ۱۰، ۵، ۴ گھوڑے ملکر ۱۹ ہوئے ۔ بیسواں گھوڑا کسان کا ہی رہا ۔ اور تقسیم بھی وصیت نامے کے مطابق ہوگئی ۔

نونہال

جولائی سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۹

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

قطب مینار، دہلی

…ہال

جولائی سنہ ۱۹۴۶ء

جلد ۳ ——— نمبر ۹

اس پرچے میں

ادارہ

مسز جہاں بیگم تیموری   اوشا راجیندر ناتھ
جے کے سیٹھ   عزیز احمد

اے۔ ایم۔ شاستری

آرٹ اڈیٹرز

ڈی۔ جی۔ گوڑسے   ڈی بورس

بی۔ سڈی۔ شرما

پبلشرز

ادارۂ مطبوعات متحدہ

پی۔ بی ۱۶۶ دہلی

پرنٹرز

سرورق: سروے آف انڈیا۔ دہرہ دون

…دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

ہندوستان کی غذائی حالت اب پہلے سے بہتر ہے۔ برطانیہ کے دارالعوام میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ واشنگٹن کے ملے جلے فوڈ بورڈ نے ۱۶۵،۰۰۰ ٹن گیہوں اور دوسرے اناج ہندوستان کو دینے منظور کئے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اناج کا کافی حصہ اسی سال ہندوستان پہنچ جائیگا۔ اقوام متحدہ کی غذائی اور کاشتکاری انجمن کے ڈائرکٹر جنرل نے ایک بیان میں کہا کہ اگر ۱۹۴۷ء کی فصل اچھی نہ ہوئی تو کھانے کی کمی کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو جائیگا۔

مختلف پارٹیوں کے لیڈروں سے ملاقات کرنے کے بعد کیبنٹ مشن نے مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندوں کو آخری فیصلے پر پہنچنے اور بات چیت کرنے کے لئے بلایا۔ یہ کانفرنس شملہ میں ہوئی۔ لیکن کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکی۔ اس کے بعد کیبنٹ مشن نے ایک بیان میں ہندوستان کا نیا آئین تیار کرنے کے لئے عارضی حکومت بنانے کے متعلق اپنی تجویزیں پیش کیں۔ مسلم لیگ اور کانگریس نے مشن سے تجویزوں کے بعض اہم نکات پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا۔ جون کے پہلے ہفتے میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ ہوئی اور انہوں نے کیبنٹ مشن کی تجویزوں کو مان لیا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کا انتظار ہے۔

ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ کانگریس بھی تجویزیں مان جائے گی اور آزاد ہندوستان کے لئے آئین تیار کرنے کا کام شروع ہو جائے گا۔

دنیا امید پر قائم ہے۔ امید ہی کے سہارے ہم مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر ہم یہ سوچ کر ہمت ہار بیٹھیں کہ ہمارا اور ہمارے ملک کا انجام خراب ہے تو نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ ایسے لوگ نہ صرف اپنے لئے مصیبت ہوتے ہیں بلکہ وہ اوروں کی بھی ہمت توڑ دیتے ہیں۔ ہر کام کے اچھے پہلوؤں پر نظر رکھ کر اچھے انجام کی امید قائم رکھنی چاہئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خوش آیند خیالات کی رَو میں بہہ کر ہم کاہل اور لاپرواہ ہو جائیں۔ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنی طرف سے ہر امکانی کوشش کرنی چاہئے۔

چند سال ہوئے کوئٹے میں ایک زبردست زلزلہ آیا تھا۔ جس میں سینکڑوں گھر تباہ ہو گئے تھے۔ بعض لوگ تو ناامیدی سے سر ہلا کر بیٹھ گئے کہ اس ملبے میں سے انسان کا زندہ نکالنا ناممکن ہے، لیکن بعض نے ہمت باندھے رکھی اور اپنے ہاتھوں یا پتھر کے ٹکڑوں سے زمین کھود کھود کر کئی آدمیوں کو زندہ نکال لیا۔ جب کبھی لوگ تم سے کہیں کہ تم فلاں کام نہیں کر سکتے تو کہو کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے ؟

مدتوں سے شہر ایم کے باشندوں کا پیشہ انگریزی سنگ موسیٰ کے دانوں اور جرمنی کے کانچ کے منکوں جیسے مصنوعی موتی بنانا تھا۔ لیکن مال مہنگا ہونے کی وجہ سے یہ تجارت کچھ زیادہ سود مند نہ تھی۔ ۱۸۱۵ء کے آخر میں ایک اجنبی اس شہر میں آ کر بسا۔ اسکے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مصنوعی موتی بنانے میں مال کے بجائے لاکھ کا استعمال کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موتی پہلے سے زیادہ خوبصورت بننے لگے۔ نفع زیادہ ہوا تو کاریگروں کی مزدوری بھی بڑھ گئی۔ تین سال کے اندر اندر مالک امیر ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ شہر کے لوگوں کی خوشحالی بھی بڑھ گئی۔ وہ اس شہر میں بالکل اجنبی تھا کسی کو نہ معلوم تھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔

جب وہ یہاں آیا تو اسکے پاس بہت ہی تھوڑی رقم تھی۔ لیکن اس نے بہت جلد دولت کمائی۔ جب وہ شہر ایم میں آیا تو اس کی زبان اور طور طریقے مزدوروں کے سے تھے۔ جس رات وہ کر یر تھیلا لادے اور ہاتھ میں گرہ دار ڈنڈا لئے شہر میں داخل ہوا اسی روز ٹاؤن ہال میں آگ لگ گئی۔ یہ شخص بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھس گیا۔ اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر پولس کپتان کے دو بچوں کو بچایا۔ اسلئے کسی کو اسکا پاس پورٹ دیکھنے کا خیال تک نہ آیا۔ اس نے اپنا نام فادر میڈلین بتایا۔ اس شخص کی عمر تقریباً پچاس برس کی تھی اور وہ بہت نیک طبیعت کا آدمی تھا۔ اسکے متعلق بس صرف اتنا ہی بتایا جا سکتا ہے۔

فادر میڈلین کو تجارت میں اتنا نفع ہوا کہ دو سال بعد اس نے ایک بڑا کارخانہ کھول لیا جس کے ایک حصے میں مرد کام کرتے تھے اور ایک میں عورتیں۔ ہر بھوکے کے لئے کارخانے کے دروازے کھلے تھے۔ شہر کی اس نئی گرم بازاری میں فادر میڈلین نے بہت دولت کمائی۔ لیکن روپیہ کمانا ہی اس کا واحد مقصد نہ تھا۔ اسے اپنے سے

زیادہ دوسروں کا خیال تھا۔

بینک میں اپنے لئے روپیہ جمع کرنے سے پہلے دس لاکھ فرانک غریبوں اور شہر کے لئے وقف کر چکا تھا اس نے سہپتال میں دس پلنگ اور بڑھوائے۔ دو سکول بنوائے ایک لڑکوں کے لئے اور ایک لڑکیوں کے لئے۔ کمزوروں اور بوڑھوں کے لئے ایک فنڈ جاری کیا اور اپنی فیکٹری کے قریب ایک دواخانہ کھولا جہاں مفت دوا ملتی تھی۔ ۱۸۱۹ء میں یہ خبر پھیلی کہ شہر کے حاکم کی سفارش پر فادر میڈلین کو ان کی خدمات کے صلے میں بادشاہ نے میئر بنانا چاہا لیکن میڈلین نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

پانچ سال کے عرصے میں فادر میڈلین نے شہر کی اتنی خدمت کی کہ لوگوں کی مرضی کے مطابق بادشاہ نے پھر اس کو میئر مقرر کرنا چاہا۔ میڈلین نے دوبارہ انکار کر دیا۔ لیکن حاکم شہر نے ایک نہ سنی۔ شہر کے تمام مشہور لوگ آ کر گڑگڑائے تاکہ وہ یہ عہدہ قبول کر لے۔ آخرکار وہ راضی ہو گیا۔ لیکن یہ نیا اعزاز ملنے کے باوجود وہ ویسا ہی سیدھا سادہ رہا۔ وہ عموماً سر پر چوڑے کنارے کی ٹوپی پہنتا تھا اور موٹے کپڑے کا لمبا کوٹ جس میں ٹھوڑی تک بٹن لگے ہوئے ہوتے تھے۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کے بعد وہ خاموشی کی زندگی گزارتا تھا۔ اسے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ جب کبھی وہ باہر نکلتا تو اسکی جیبیں پیسوں سے بھری ہوتی تھیں۔ لیکن جب وہ واپس آتا تو جیب میں ایک پیسہ بھی نہ ہوتا تھا۔ یہ سب پیسے وہ گاؤں کے غریب بچوں میں بانٹ دیتا تھا جو اسے دیکھتے ہی اسکے پیچھے ہو لیتے تھے۔ وہ بہت سے نیک کام کرتا تھا۔ لیکن انہیں اس طرح چھپاتا تھا جیسے لوگ عیب چھپاتے ہیں۔ اکثر غریب لوگ اپنے گھر کا دروازہ کھلا پاتے لیکن جب وہ چور چور چیختے ہوئے جاگتے تو انہیں میز پر اشرفی چمکتی ہوئی نظر آ جاتی۔ چور نہیں بلکہ میڈلین وہاں گیا تھا۔

۱۸۲۱ء میں اخبار میں شہر ڈی کے بشپ کے مرنے کی اطلاع چھپی۔ موسیو میڈلین دوسرے دن سیاہ ماتمی لباس میں باہر نکلا۔ لوگوں نے سوچا کہ شاید اسکا بشپ سے کچھ رشتہ ہو۔ اسوجہ سے لوگ اسکی اور بھی عزت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں میں اسکی عزت بڑھتی گئی۔ لیکن ایک شخص تھا جو موسیو میڈلین کی عزت نہ کرتا تھا۔ اکثر جب میڈلین سڑک پر سے خاموشی سے لوگوں کے سلام کے جواب دیتا گزرتا تو ایک لمبا تڑنگا آدمی سلیٹی کوٹ پہنے مڑ کر اسکی طرف دیکھتا اور جب تک وہ نگاہ سے اوجھل ہو جاتا نظروں سے اسکا پیچھا کرتا رہتا۔ پھر وہ اپنے ہاتھ باندھ کر سر ہلاتا اور ایسا منہ بناتا گویا کہہ رہا ہو "میں نے اسکو کہیں دیکھا ہے"۔ اس شخص کا نام ژادا تھا۔ وہ پولیس میں انسپکٹر تھا۔ جب میڈلین شہر میں آیا تو وہ یہاں نہیں تھا۔ جس زمانے میں ژادا اس شہر میں داخل ہوا فادر میڈلین موسیو میڈلین بن چکا تھا۔ ژادا ہمیشہ میڈلین کو شک اور شبہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ موسیو میڈلین نے بھی اس بات کو محسوس کیا، لیکن اس نے کچھ زیادہ اہمیت نہ دی۔ اس نے ژادا سے پوچھا تک نہیں۔ نہ تو وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتا نہ اس میں گھسنے کی۔ ژادا سے اسکا برتاؤ ویسا ہی تھا جیسا

اولادوں کے ساتھ۔ لیکن ایک دن اس کی حرکات وسکنات دیکھ
کر اس پر بہت اثر ہوا۔ قصہ یہ ہوا کہ موسیو میڈلین گاؤں کی ایک کچی
سڑک پر سے گزر رہا تھا کہ اس نے چند لوگوں کو کھڑے دیکھا۔ وہ
قریب گیا تو معلوم ہوا کہ فادر فوشلے وون چھکڑے کے نیچے آگیا ہے۔
اور اس کا گھوڑا زمین پر پڑا ہے۔ یہ شخص میڈلین کے دشمنوں سے تھا۔
وہ ایک بڑھا لکھا کسان تھا۔ جب میڈلین اس شہر میں آیا تو فوشلے
وون کا کاروبار تنزل پر تھا۔ میڈلین
جیسے معمولی سے آدمی کو ترقی کرتے
دیکھ کر اسکے دل میں حسد کی آگ
بھڑک اٹھی۔ اور اس نے میڈلین
کو ہر ممکن نقصان پہنچانے کی کوشش
کی۔ فوشلے وون کا سب کچھ تباہ
ہو چکا تھا اور اب بڑھاپے میں
اسکے پاس صرف ایک گھوڑا
اور گاڑی رہ گئی تھی۔ اسی کے
ذریعے وہ اپنا پیٹ پالتا تھا۔ گرنے سے
گھوڑے کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ
گئی تھیں۔ وہ ہل بھی نہ سکتا تھا۔
بوڑھا پہیوں کے درمیان پھنسا
پڑا تھا۔ سامان سے لدے ہوئے
چھکڑے کا سارا بوجھ اسکے سینے پر
تھا اور وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ اسکو باہر نکالنے کی کئی دفعہ ناکام کوششیں
ہو چکی تھیں۔ لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ چھکڑے کو نیچے سے
اٹھایا جائے۔ ژاوا نے جو اتفاقاً ادھر آنکلا تھا کسی کو گاڑیاں اونچا کرنے کا
اوزار منگانے بھیج رکھا تھا۔ موسیو میڈلین کو دیکھ کر لوگوں نے راستہ
چھوڑ دیا۔

"مدد۔" فوشلے وون چیخا۔ "کیا کوئی بھی اللہ کا بندہ ایسا نہیں جو
میری مدد کر سکے۔"

موسیو میڈلین تماشائیوں کی طرف مڑا اور اس نے کہا۔ "کیا
تمہارے پاس گاڑی اونچی کرنے کا اوزار ہے۔"

ایک کسان نے کہا کہ اوزار لانے کے لئے آدمی بھیج رکھا ہے۔

"وہ کب تک واپس آجائیگا؟"

پاؤ گھنٹے سے پہلے نہیں۔

پاؤ گھنٹہ! میڈلین نے تعجب سے کہا۔
پچھلی رات بارش ہوئی تھی۔
زمین نرم تھی۔ چھکڑا زمین میں دھنستا
جا رہا تھا اور فوشلے وون اور بھی
بوجھ میں دب رہا تھا۔ یہ صاف
ظاہر تھا کہ اسکی پسلیاں پانچ منٹ
میں ٹوٹ کر رہ جائینگی۔

پاؤ گھنٹہ ٹھیرنا ناممکن ہے۔
میڈلین نے کہا۔ اگر کوئی نیچے گھس کر
اپنی پیٹھ سے چھکڑا اونچا کرے تو
ایک منٹ میں بیچارے بوڑھے کو
کھینچ کر باہر نکالا جا سکتا ہے۔ سب
لوگوں نے نظریں نیچی کرلیں۔ ایک
آہستہ سے بولا۔ چھکڑے کو اونچا
کرنے کے لئے بہت قوت کی ضرورت
ہے اور اسکے علاوہ کچلے جانے کا بھی اندیشہ ہے۔

میڈلین بولا۔ میں بیس اشرفیاں انعام دونگا۔

مجمع پر خاموشی طاری رہی۔

ژاوا بولا۔ ان میں ہمت کی کمی نہیں بلکہ طاقت کی کمی ہے۔
اس چھکڑے کو کوئی بہت ہی طاقتور انسان اٹھا سکتا ہے۔ پھر میڈلین
پر نظر گاڑ کر اس نے کہا میں نے آج تک صرف ایک آدمی ایسا دیکھا ہے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ٹکٹ جمع کرنا

تم نے جو بہت سے ٹکٹ جمع کر رکھے ہیں انھیں باقاعدہ ترتیب دینے کے لئے برسات کی لمبی بھیگی شامیں بہت موزوں ہیں۔ اب تو تمہارے پاس کافی ٹکٹ ہوں گے۔ کچھ تو تمہاری اسکول کی کاپی میں بکھرے پڑے ہوں گے اور کچھ ادھر ادھر کئی لفافوں میں بکھر ہوں گے۔ ان سب کو آج ہی نکال لو۔ یہ مضمون پڑھو اور کام شروع کر دو۔

ٹکٹوں کو باقاعدہ رکھنے کے لئے تمہارے پاس ٹکٹوں کا البم ہونا بہت ضروری ہے۔ تم میں سے کچھ لوگ تو خوب صورت چھپے ہوئے بنے بنائے البم خرید سکتے ہیں۔ لیکن ان کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ موٹے کاغذ کے بہت سے ورقوں میں جلد باندھ کر کوئی بھی البم بنا سکتا ہے۔ ان ورقوں پر ایک ایک انچ مربع کے دھندلے نشان کھینچ دو لیکن چاروں طرف حاشیہ چھوڑنا مت بھولنا۔ ورقوں کے اوپر حروف تہجی کی ترتیب سے دنیا کے سب ملکوں کے نام صاف صاف لکھ دو۔ اس کام میں تمہیں جغرافیہ کی کتاب یا اٹلس سے مدد ملے گی۔

البم تیار ہے۔ اب تم ٹکٹوں کو ملکوں کے حساب سے چھانٹ لو۔ ہمارے اپنے ملک اور آسٹریلیا اور کینیڈا وغیرہ کے ٹکٹ تو آسانی سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ بعض ٹکٹوں کے پہچاننے میں دقت ہوگی۔ کیونکہ ان پر جس زبان میں لکھا ہوگا وہ تم نہ پڑھ سکو گے۔

ایسی صورت میں کسی ایسے دوست سے مدد لو جو ٹکٹ جمع کرتا ہو۔ اگر کچھ ٹکٹوں کو پہچاننا بہت مشکل ہو تو انھیں کسی اور دن کے لئے رکھ چھوڑو۔ پھر کسی لائبریری میں لے جا کر ان نمونوں سے ملا لو جو "ٹکٹوں کی کتاب" میں چھپے ہوتے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ ٹکٹوں کے متعلق ایسی کتابیں چھپی ہیں جن میں ان تمام ٹکٹوں کی تصویریں ہیں جو اب تک دنیا میں جاری ہوئے ہیں۔

البم میں لگانے سے پہلے ٹکٹوں پر سے وہ کاغذ ضرور چھڑا دینا چاہئے جو ان کے پیچھے لگا ہوتا ہے۔ لیکن اسے بلیڈ یا چاقو سے نکالنے کی کوشش مت کرنا۔ بلاٹنگ کا ایک صاف ٹکڑا لو اور اسے نم کر کے ٹکٹوں کو ان پر اوندھا دو۔ تھوڑی دیر بعد کاغذ آپ ہی آپ نکل جائے گا۔ اچھا اب ٹکٹ بھیگ جائے گا۔ اسے بلاٹنگ کے دو سوکھے ٹکڑوں کے درمیان رکھ کر زور سے دباؤ اور پھر سائے میں سکھا لو۔ چھپے ہوئے رخ پر پانی ہرگز نہ پڑنے پائے۔ کیونکہ بہت سے پرانے قیمتی ٹکٹ کچے رنگ میں چھپتے ہیں اور پانی پڑنے سے خراب ہو جاتے ہیں۔

ٹکٹوں کو چھانٹنے اور صاف کرنے کے بعد انھیں البم میں لگانے کا کام آتا ہے۔ البم میں ٹکٹ کبھی اس طرح مت چپکاؤ جس طرح ڈاک کے ٹکٹ لفافے پر چپکائے جاتے ہیں۔ اس کام کے لئے ٹکٹ کے "ہنجز" یا "ماؤنٹ" خرید لینے چاہئیں۔ اب ٹکٹ لگانے میں وہ ٹکٹ پہلے آنا چاہئے جو کسی ملک میں سب سے پہلے جاری ہوا تھا۔ اس بات میں تمہاری تاریخ کی معلومات کام آئینگی۔ بہت سے ٹکٹوں کا زمانہ تو تمہیں بادشاہ، ملکہ یا پریذیڈنٹ کی تصویر ہی دیکھ کر معلوم ہو جائے گا۔

جو ٹکٹ تمہارے پاس ایک سے زیادہ تعداد میں ہوں، ان میں سے فالتو ٹکٹ البم سے الگ بڑی احتیاط سے رکھ لو۔ انھیں بکھیر کر رکھنے سے بہتر ہوگا کہ انھیں جیبی سائز کے البم میں لگا لو اور کسی دن تمہیں فرصت ہو تو اس البم کو جیب میں رکھ کر اپنے ان دوستوں کے یہاں جاؤ جو ٹکٹ جمع کرتے ہوں۔ وہاں تم فالتو ٹکٹوں کو دوسرے ٹکٹوں سے بدل سکتے ہو۔

اگر تمہیں برسات میں ایک دو فالتو شامیں اور مل جائیں تو تم البم رکھنے کے لئے ایک ڈبّہ بنا سکتے ہو۔ دفتی کا کوئی اچھا ڈبّہ ہو، مثلاً وہ ڈبّہ جس میں تمہاری بہن کی ساری آئی تھی۔ ڈبّے پر پیسے، دو پیسے اور تین پیسے کے بہت سے پرانے ٹکٹ چپکا دو تا کہ دیکھتے ہی میں معلوم ہو کہ یہ ٹکٹوں کا ڈبّہ ہے۔ یہ ٹکٹ تو بہت افراط سے ملتے ہیں اور اسی طرح ان کو کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو ان ٹکٹوں کو بڑے خوبصورت انداز میں چپکا سکتے ہو۔

آسمان کے سیّاح

(از "الیسٹریسک")

چند دن ہوئے کسی اخبار میں ایک نیا دمدار ستارہ معلوم ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ آٹھ ڈچ ماہرین اجرام فلکی روم کے قریب کیسٹل گنڈ ولفو کی رصدگاہ میں آٹھ سال سے آسمان پر اسکی نقل و حرکت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اس کا نام انھوں نے "شمرز کامٹ" رکھا ہے۔ کیونکہ برادر شمرز نے پہلے پہل اسکو دیکھا تھا۔

تقریباً ہر سال کسی نہ کسی دمدار ستارہ کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ بعض ان میں سے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ بغیر کسی آلے کے نظر آنے مشکل ہیں لیکن بعض کی دمیں بڑی لمبی ہوتی ہیں ۱۹۱۰ء میں ہیلی ستارہ دوبارہ نمودار ہوا۔ اسکی دم آسمان پر ۰۰۰،۰۰۰،۰۰ میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سے بھی زیادہ لمبی دم کے دمدار ستارے آسمان پر نمودار ہو چکے ہیں۔

پرانے زمانے میں لوگ دمدار تارے کو نحس سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کسی وبا مثلاً طاعون، بادشاہ کی موت، طوفان یا لڑائی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ ان توہمات کے باوجود سائنسدان ان ستاروں کا مشاہدہ کرتے رہے اور ان کے متعلق بہت سی دلچسپ باتیں معلوم کرلیں۔ مثلاً یہ کہ اکثر دمدار تارے چاہے وہ کتنی دور کیوں نہ چلے جائیں سورج کے پاس واپس آجاتے ہیں۔ انھیں "فصلی دمدار تارے" کہتے ہیں۔ اگر ایک مرتبہ سائنسدان یہ پتہ چلالیں کہ کسی خاص دمدار تارے کے سفر کی مدت کتنی ہے تو وہ آسانی سے حساب لگا کر بتا سکتے ہیں کہ وہ دوبارہ کب سورج کے پاس سے ہو کر گزرے گا۔

سترھویں صدی کے ایک مشہور سائنسدان ہیلی نے کئی دمدار تاروں کے متعلق یہ پتہ لگایا کہ وہ کس کس راستے سے ہو کر گزرے تھے۔ ایک ستارہ تو ۲۰۰ برس کے اندر اندر تین مرتبہ دکھائی دیا۔ ہیلی کو یقین تھا کہ ہر ۷۶ برس کے وقفے کے بعد یہ ستارہ نظر آتا رہیگا اس نے پیشینگوئی کی کہ ۱۷۵۹ء میں پھر اس ستارے کے دکھائی دینے کی امید ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جس تاریخ کا ہیلی نے حساب لگایا تھا اس کے ایک مہینے کے اندر اندر اسنے سورج کے گرد چکر کاٹ لیا اس کے بعد یہ ستارہ ۱۸۳۵ء میں نظر آیا پھر ۱۹۱۰ء میں۔ امید ہے تم اسے ۱۹۸۶ء میں دیکھوگے۔

ایک دمدار ستارہ اور ہے جس کا نام ہے "اینکے کامٹ" (کامٹ انگریزی میں دمدار تارے کو کہتے ہیں) اسے سورج کے گرد چکر کاٹنے میں ساڑھے تین سال لگتے ہیں۔ یہ سورج کے گرد کھلونے کی ریل گاڑی کی طرح چکر کاٹتا رہتا ہے۔

ڈونیٹی نامی ایک اور دمدار ستارہ ہے یہ بہت خوبصورت ہے۔ اسے اپنا سفر پورا کرنے میں ۲۰۰۰ برس لگتے ہیں۔ اب یہ ۳۹۰۰ عیسوی میں نظر آئے گا۔

لیکن یہ دمدار ستارہ ہے کیا چیز؟ اگر ہم کبھی اسے نزدیک سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اسکا سر اصل میں کئی چھوٹے بڑے ستاروں سے ملکر بنتا ہے۔ جب دمدار ستارہ سورج سے دور چلا جاتا ہے تو اسکا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے لیکن جب یہ سورج کے قریب آتا ہے تو چمکدار ہو جاتا ہے اور اس میں سے چمکدار ذرے جھڑتے ہیں۔ اور یہیں ایک چمکدار سی دم نظر آتی ہے۔ رفتہ رفتہ اسکی یہ چمک غائب ہوتی جاتی ہے اور ستارے اس میں سے الگ ہو کر فضا میں بکھرتے جاتے ہیں اور جب ہماری زمین ان میں سے کسی کے قریب ہو کر گذرتی ہے تو کشش کی وجہ سے وہ زمین کی طرف تیزی سے آتے ہیں۔ لیکن زمین پر پہنچنے سے پہلے فضا میں سے آتے آتے وہ جل جاتے ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وہ ستارہ ٹوٹا۔ جب کبھی تم ستارہ ٹوٹتا دیکھو تو یاد رکھو کہ یہ کسی زمانے میں دمدار تارے کا حصہ تھا۔

کدّو میاں

کدّو میاں ایک دلچسپ ننھّے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرجدار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں صرف ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے۔

ایک کان سے سنو اور دوسرے سے اڑادو

(۹)

کدّو میاں کو اسکول جانے کا بہت شوق تھا۔ انھیں اپنی استانی بھی پسند تھیں۔ کدّو میاں بہت کوشش کرتے تھے کہ کچھ آ جائے لیکن مجبوری یہ تھی کہ انکا حافظہ بہت کمزور تھا۔ ایک دن انکی استانی نے جغرافیہ کے کچھ سوال پوچھے۔ کدّو میاں کورے نکلے۔ استانی نے غصّے سے کہا۔ کدّو میاں جو کچھ میں تمہیں بتاتی ہوں وہ ایک کان سے سنتے ہو اور دوسرے سے اڑا دیتے ہو۔
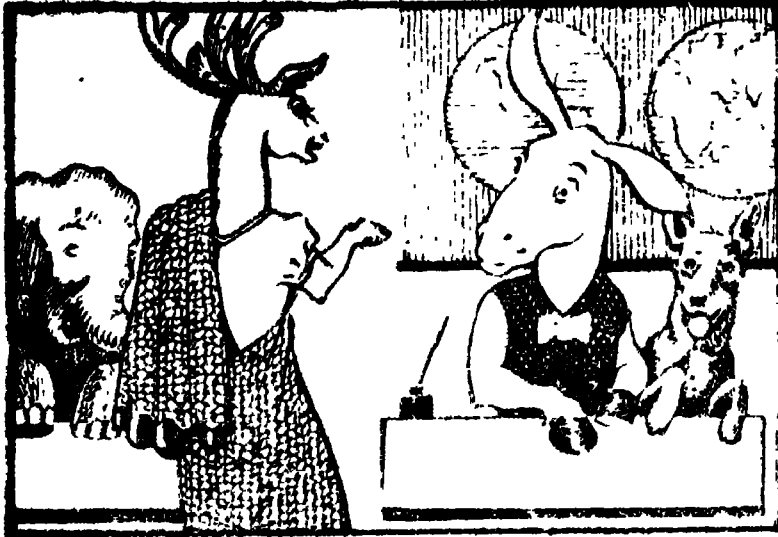
اس دن کدّو میاں کو کونے میں بیٹھنا پڑا۔ ان سے یہ بےعزّتی برداشت نہ ہوسکی اور انھوں نے پکّا ارادہ کرلیا کہ اسکا کچھ علاج کریں گے۔ استانی نے کہا تھا کہ جو کچھ تم ایک کان سے سنتے ہو دوسرے سے اڑا دیتے ہو۔ "خوب۔ اب میری سمجھ میں آیا۔ کل سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔"
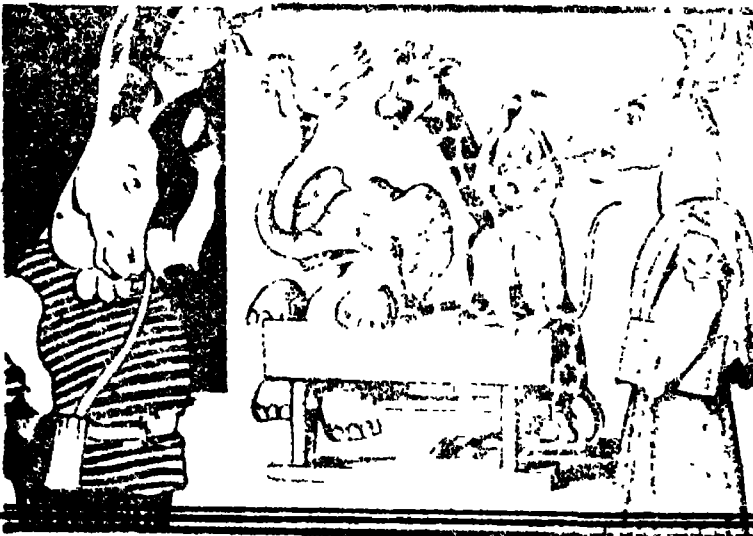
دوسرے دن کدّو میاں اسکول آئے تو ان کے بڑے سے کان میں روئی ٹھنسی ہوئی تھی اور اوپر سے پٹّی بندھی تھی۔ انھوں نے آکر استانی سے کہا: "اب آپ جو کچھ کہیں گی دوسرے کان سے باہر نکل کر نہیں جا سکتا۔"

"... چیزوں کی افسوسناک ترتیب کو ٹھیک کرنے کے لئے کیوں نہ ہم اسے مسمار کرکے دوبارہ اپنی مرضی کے مطابق ڈھالیں؟"

"چیزوں کی افسوسناک ترتیب" سے ہمارے دیہاتوں کا صحیح نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ تم بچوں کو شاید تعجب ہو کہ آجکل لوگ دیہاتوں کے بارے میں اتنی بات چیت کیوں کرتے ہیں۔ اصل میں ہندوستان دیہاتوں کا ملک ہے۔ یعنی یہ کہ یہاں کی آبادی کا بیشتر حصّہ دیہاتوں میں ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ ہندوستان کی ترقّی کا دارومدار دیہاتوں کے سدھار پر ہے جو بدقسمتی سے آجکل بہت خراب حالت میں ہیں۔

ہمیں تمہیں دیہاتوں کی حالت کتابوں اور رسالوں میں تو پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہندوستان کے بے شمار دیہات ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے اس کی بھی ضرورت نہیں کہ تم دیہات دیکھنے کے لئے اپنا شہر چھوڑ کر جاؤ۔ یقین ہے کہ تم نے دیہاتوں کی گرد، بیماری، بھوک اور غریبی کا نظارہ ضرور کیا ہوگا۔

اگر تم ذرا غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ اس کی وجہ جہالت ہے۔ ہمارے کسان اپنی خراب حالت سے اتنے مانوس ہو گئے ہیں کہ وہ اسکی پرواہی نہیں کرتے۔ اب یہ تم جوشیلے نونہالوں کا کام ہے کہ ان دیہاتوں کو "مرضی کے مطابق نئے سرے سے ڈھالو" اور کسانوں میں بہتر بننے کی تمنا پیدا کرو۔

یہ کام کرنے کی بہترین ترکیب ہے کہ کسی دن ایک گاؤں چلے جاؤ اور ایک فہرست تیار کرو کہ تم وہاں کیا تبدیلیاں کرنا چاہتے ہو اور کس طرح! لیکن تمہارا کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ ابھی تک تمہاری اصلاحات صرف خیالی ہیں اور خیالی باتیں خطرناک ہوتی ہیں۔

سہاگ کر اپنے صحن میں جا ؤ اور کونے میں موجودہ دیہات کا ایک نمونہ بناؤ۔ مکانوں کے سامنے ڈھول کے ڈھیر، کمزور اور بے یارو مدد گار مویشی، آوارہ کتے گندے اور ٹوٹے پھوٹے کنوئیں، سڑکوں کے بجائے گلیارے اور جو بھی تمہیں نظر آئیں بناڈالو۔ اب بالکل اسکے سامنے تم ایک ایسے دیہات کا نمونہ بناؤ جیسے دیہات تم اپنے ملک میں چاہتے ہو۔ اگر تم میری مدد چاہو تو میں یہ دائے دونگی کہ پہلے تم وہ جگہ ناپ لو جس پر تم اپنا نمونہ بنانا چاہتے ہو۔ اسکے بعد یہ طے کرو کہ مکانوں کا اوسط رقبہ کیا ہوگا۔ دیہات کے اسکول، ہسپتال، چراگاہ، پارک، سڑکوں اور نالیوں کیلئے جگہ چھوڑ دو اور اسکے بعد مکانوں کا نقشہ تیار کرو۔ یہ خیال رہے کہ ان میں دھوپ اور روشنی آسکے اور مکان ایسی چیز سے بنائے جائیں جو اچھی ہو اور ضلع میں آسانی سے مل سکے۔ ہر مکان میں مویشیوں کے لئے ایک اصطبل اور اناج کے لئے ایک کھتی بناؤ۔ اسکول کے گرد چہار دیواری اور سامنے ایک بڑا گھاس کا میدان ضرور ہو۔ گاؤں کے پارک میں بھی گھاس ضرور ہونی چاہئے کیونکہ گرد دیہات کی سب سے خطرناک چیزوں میں سے ہے۔ اسکول کے کمرے بڑے اور ہوا دار ہوں اور ان میں کافی ڈیسکیں، سیاہ تختے اور ضروری چیزیں ہوں۔ ہسپتال کو گاؤں سے ذرا دور بناؤ لیکن اسکے قریب مریضوں اور زخمیوں کو لانے کے لئے ایمبولنس گاڑی کھڑی کرنا یاد رکھنا۔ سکو فنڈ کے لئے ایک

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

بقیہ صفحہ ۵

جو یہ کام کرسکتا تھا اور وہ ایک قیدی تھا۔ میڈلین کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ چھکڑا زمین میں دھنستا جا رہا تھا۔ اور فادر فوشلے وون چیخ رہا تھا۔ میڈلین نے چاروں طرف دیکھ کر کہا کہ کیا یہاں کوئی بھی ایسا نہیں جو بیس اشرفیاں لے کر بڈھے کی جان بچا سکے۔ کوئی بھی نہ بولا اور پھر بولا کہ میں نے صرف ایک آدمی ایسا دیکھا ہے جو یہ کام کرسکتا تھا۔ اور وہ ایک مجرم تھا۔

ہائے میں مرا۔ فوشلے وون چیخا۔

میڈلین نے سر اٹھایا۔ ژاور اب بھی اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر بغیر کچھ کہے سنے میڈلین گھٹنے ٹیک کر چھکڑے کے نیچے گھس گیا۔ کسان بولے۔ موسیو میڈلین، آپ باہر آجائیے یہاں تک فوشلے وون نے بھی یہی کہا۔ لیکن اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تماشائی حیرت سے منہ بہاڑے کھڑے تھے۔ دفعتاً چھکڑا ہٹا اور پہئے گڑھے سے باہر آگئے۔ ایک گھٹی ہوئی آواز سنائی دی "جلدی مدد کرو" یہ میڈلین کی آواز تھی۔ لوگ آگے بڑھے میڈلین کی قربانی دیکھ کر ان میں ہمت آگئی تھی۔ سب نے ملکر چھکڑا اونچا کر لیا۔ فوشلے وون بچ گیا تھا۔ میڈلین بھی اٹھا۔ اسکا چہرہ زرد پڑا تھا۔ اور پسینہ قطرے بن کر ٹپک رہا تھا۔ اسکے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ کر کیچڑ میں بھر گئے تھے۔

بوڑھے فوشلے وون نے میڈلین کے گھٹنے چومے۔ میڈلین کے چہرے پر ایک عجیب روحانی چمک تھی اس نے مڑ کر ژاور کی طرف دیکھا جو اب بھی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔

فوشلے وون کا علاج میڈلین کے ہسپتال میں ہوا اور دوسرے دن اسے میڈلین نے ایک ہزار فرانک کا نوٹ بھیجا۔ اسکے علاوہ اسکا مردہ گھوڑا اور ٹوٹی پھوٹی گاڑی خریدلی۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد میڈلین میئر بن گیا۔ ژاور نے جب اسے وہ رومال پہنے دیکھا جس کی وجہ سے اسے شہر میں اختیار حاصل تھا تو اسکے دل میں وہی کھلبلی مچ گئی جو کہ کتے کو اپنے مالک کے کپڑوں میں بھیڑئے کی بو سونگھنے پر آتی ہے۔

(باقی آئندہ)

نیپال

نیپال کے وزیر اعظم

نیپال ایشیا کے گمنام لیکن خوبصورت ملکوں میں ہے۔ یہ ہندوستان کے شمال میں ہمالیہ کے موڑ پر واقع ہے اور پانچ سو میل لمبی اور ۹۰ سے لیکر ۱۴۰ میل تک چوڑی پہاڑی پٹی ہے۔ شمال میں تبت مشرق میں سکم، جنوب میں یوپی اور بنگال کی سرحدوں اور مغرب میں دریائے ساردا یا کالی سے گھرا ہوا ہے۔

نیپال کا کل رقبہ ۵۵۰۰۰ مربع میل اور آبادی ۵۶۰۰۰۰۰ ہے جو ملی جلی منگول نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ شمال کی پہاڑی وادی میں بھوٹیا مغرب کی طرف مگار اور گرنگ بیچ کے حصے میں مُرمی، گورکھالی اور نوارٹ اور مشرقی نیپال میں کراتی، لمبا اور لیپچا قومیں آباد ہیں۔ بھوٹیا، نوارٹ، لمبا، کراتی اور لیپچا قوم کے لوگ بدھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اب ان کا مذہب ہندو مت میں مل جل گیا ہے۔ گورکھالی، مگار، اور گرنگ ہندو ہیں۔
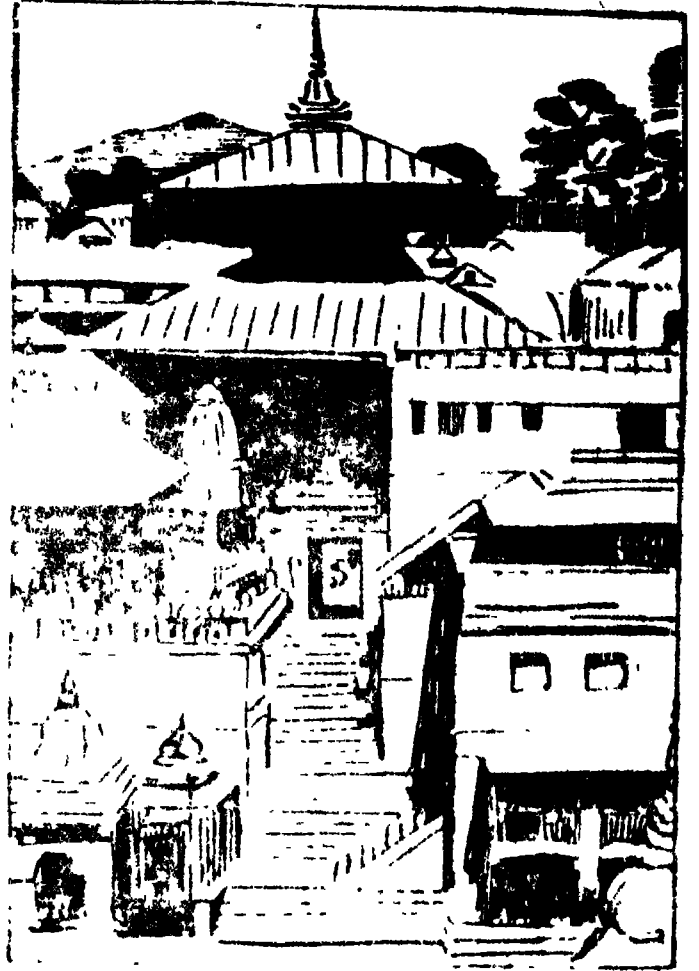
ایک نیپالی مندر

نیپال میں ۲۷۳۳ سادھیاں ہیں اور یہاں مذہبی تہواروں اور جلسوں کی بہتات ہے۔ ملک کا بڑا پجاری انتظامی کونسل کا ممبر ہوتا ہے اور کافی بااثر آدمی ہے۔ نیپال کی ہر قوم کی بولی مختلف ہے۔ گورکھالیوں کی زبان پہاڑی ہے جو سنسکرت سے نکلی ہے۔ نواریوں کی زبان تبتی سے ملتی جلتی ہے لیکن اس میں سنسکرت کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔
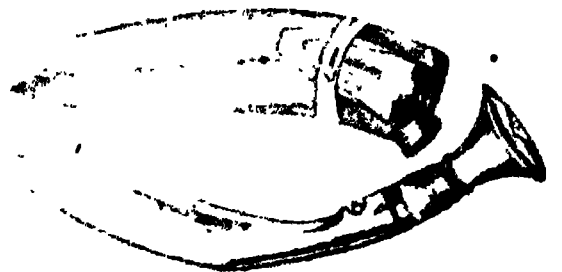
دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ

سنگاڑی اور اسکی نیام

ایک گورکھا سپاہی

دو نیپالی عورتیں

نیپال کا دارالسلطنت کھٹمنڈو ہے جسکی آبادی نوّے ہزار ہے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں کئی کئی منزلہ عمارتیں ہیں جن میں لکڑی کی نقشین کھڑکیاں اور چھجے ہیں۔ پگوڈا کی شکل کے مندر سارے شہر میں نظر آتے ہیں۔ یہ اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر کھپریل کی چھت ہے۔ سڑکیں پتھر کی ہیں اور عموماً تنگ ہیں۔ اسکے علاوہ دو بڑے شہر پٹن اور بھگاؤں ہیں جنکی آبادی تیس تیس ہزار ہے۔

نیپال میں تعلیم کا بہت زیادہ رواج نہیں ہے لیکن اب ملک بھر میں اسکول کھولے جا رہے ہیں کھٹمنڈو میں ایک کالج بھی ہے جو پٹنہ یونیورسٹی کے ماتحت ہے۔ یہیں انگریزی سنسکرت اور اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔

نیپال میں جتنی قومیں آباد ہیں ان میں گورکھے اپنی فوجی طبیعت کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ یہ ان برہمنوں اور راجپوتوں کی اولاد ہیں جنہیں مسلمان فاتحوں نے ہندوستان سے نکال دیا تھا اور جنہوں نے منگولوں میں شادیاں کرلی تھیں۔ ان کا خاص پیشہ نیپالی اور ہندوستانی فوجوں میں نوکری کرنا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک خاص قسم کے ٹیڑھے چاقو سے مسلح رہتے ہیں۔ اس کا نام کگڑی ہے اور یہ اتنا ہی مشہور ہے جتنی کہ گورکھوں کی جنگی دلاوری۔

جہاں کہیں زمین اس قابل ہے وہاں زراعت ہوتی ہے اور دھان، گیہوں، جوار اور دالیں وغیرہ یہاں کی خاص پیداوار ہیں بعض جگہ چائے، کپاس اور تمباکو کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ نیپال کی الائچیاں بہت بڑی ہونے کی وجہ سے بے انتہا مشہور ہیں اور ہندوستان اور کئی جگہ بھیجی جاتی ہیں۔

نیپال کا ملک بالکل آزاد ہے اور مہاراج دھیراج یا بادشاہ یہاں سب سے بڑا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اصل طاقت مہاراجہ یا وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہے جو ایک انتظامی کونسل کی مدد سے حکومت کرتا ہے۔ اس کونسل میں شاہی خاندان کے کچھ لوگ، بڑا پجاری یا راج گرو اور کچھ اونچے اونچے جنرل اور افسر ہوتے ہیں۔

پہلے نیپال کے قانون سخت تھے اور یہاں غلامی کا رواج تھا لیکن سنہ ۱۸۵۱ء میں جب یہاں کے وزیر اعظم نے انگلستان کا سفر کیا تو بڑی تبدیلیاں ہوئیں اور رفتہ رفتہ نئے قانون رائج کئے گئے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں غلامی کا رواج اٹھا دیا گیا اور سزائے موت صرف بڑے بڑے جرموں مثلاً دغا بازی یا بغاوت کے لئے محدود کردی گئی۔

گورکھوں کے رسم و رواج عموماً وہی ہیں جو ہندوؤں کے لیکن نواڑیوں میں شادی کے قانون عجیب ہیں۔ ہر لڑکی بہت چھوٹی عمر میں ایک بیل (پھل) سے بیاہ دی جاتی ہے جو ایک مقدس دھارے میں بہا دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس پھل کا کیا حشر ہوا اس لئے یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ لڑکی کبھی بیوہ نہیں ہوگی۔ اس کے بعد جب لڑکی بالغ ہوتی ہے تو اس کے لئے بر چُنا جاتا ہے۔ لیکن جب کبھی وہ چاہے اپنے شوہر کے تکئے کے نیچے ڈلی رکھ کر اس سے طلاق لے سکتی ہے۔ نیپال کا وزیر اعظم نیپالی فوج کا سپہ سالار بھی ہوتا ہے۔ یہاں پینتالیس ہزار آدمی باقاعدہ فوج میں اور پینتیس ہزار سکھلائے ہوئے سپاہی ریزرو فوج میں ہیں۔ فوجیں جدید انداز پر رکھی جاتی ہیں اور بڑی اچھی ہیں۔ لڑائی کا زیادہ تر سامان ہندوستان سے لیا جاتا ہے۔ نیپال نے ہندوستانی اور برطانوی فوجوں کو بہت سے بہادر گورکھا سپاہی دئے ہیں جنہوں نے اپنی ہمت اور دلیری کے لئے اس صدی کی دونوں بڑی لڑائیوں میں شہرت حاصل کی ہے۔

نیپال کی وادی میں ایشیا کے کئی دلفریب منظر ہیں جن میں سے کچھ ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹیاں ہیں۔ ان میں ایورسٹ بھی ہے جو دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ ہے۔ ایورسٹ (۲۹۰۰۲ فٹ) اور کنچن چنگا (۲۸۱۴۶ فٹ) کی چوٹیاں نیپال میں ہیں۔

ابھی تک نیپال بقیہ دنیا سے الگ تھلگ تھا لیکن اب ایک ریلوے لائن بنائی گئی ہے جو ملک کو شمالی بہار سے ملاتی ہے۔ ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ملکوں سے سیاسی اور تجارتی تعلقات بڑھ رہے ہیں اور بڑی تیزی سے نیپال ایک روشن مستقبل والا جدید ملک بنتا جا رہا ہے۔

ششی آٹھ سال کی ننھی بچی ہے۔ اس سال اس نے الٰہ آباد کے ایک اسکول میں پانچویں درجے کا امتحان دیا ہے۔ امتحان کے بعد وہ چھٹیاں گزارنے کے لئے اپنے بھائی کے پاس بمبئی چلی گئی۔ نتیجہ ۱۴ مئی کو معلوم ہونا تھا۔ یہ دن آیا تو اس کا جی گھبرانے لگا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کی جو لڑکیاں الٰہ آباد میں تھیں انھیں نتیجہ فوراً معلوم ہو جائے گا۔ اور خود اسے کم از کم تین دن پرنسپل کے خط کا انتظار کرنا پڑے گا۔

دس بجے کے قریب ایک آدمی آیا جو ڈاکیوں کی طرح خاکی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آتے ہی اس نے کہا: "ششی بالا کا تار"۔ ششی کا دل دھک دھک کرنے لگا اور اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تار کھولا۔ اندر ایک خوبصورت رنگین کاغذ تھا جس کے اوپر انگریزی میں لکھا ہوا تھا "مبارکباد کا تار"۔ نیچے یہ عبارت لکھی تھی۔ "امتحان میں کامیابی پر دلی مبارکباد ـــــ ڈیڈی"۔ تو یہ تار اس کے والد کا تھا۔ ششی کو کتنی خوشی ہوئی کہ نتیجہ معلوم ہونے کے دو گھنٹے کے اندر اندر اسے پتہ چل گیا۔ اس اطلاع نے ذرا سی دیر میں آٹھ سو میل سے زیادہ سفر طے کیا۔ بات عجیب و غریب ہے کہ نہیں؟

عزیز احمد

اب تم یہ جاننا چاہو گے کہ یہ خبر کیسے بھیجی گئی اور اتنی جلدی کیسے پہونچ گئی۔ آؤ تمھیں اس کی بابت بتائیں۔

جب ششی کے والد نے تار دینے کا فیصلہ کیا تو تار گھر گئے۔ وہاں انھوں نے تار کا فارم مانگا جو مفت ملتا ہے۔ فارم میں انھوں نے ششی کے پتے کے بعد وہ خبر لکھی جسے پڑھ کر ششی پھولی نہ سمائی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے یہ فارم تار بابو کو دے دیا جس نے لفظ گن کر انھیں تار کا محصول بتایا۔ محصول ادا کر کے انھوں نے اس کی رسید لی اور فارم تار بابو کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہ تار والوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ تار کو آٹھ سو میل کے فاصلے پر ششی کے پاس پہونچائیں۔

تم سب نے سڑکوں کے کنارے یا پہاڑوں اور وادیوں کے اوپر لمبے لمبے تار لگے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ یہ تار "تار گھر" سے شروع ہوتے ہیں۔ وہاں یہ ایک چھوٹے سے آلے میں لگے ہوتے ہیں۔ اس آلے میں لوہے کے ایک ٹکڑے کے گرد تار لپٹا ہوتا ہے۔ جب اس تار میں بجلی دوڑائی جاتی ہے تو وہ برقی مقناطیس بن جاتا ہے اور بجلی کی رو بڑی تیزی سے تار میں دوڑنے لگتی ہے اسوقت کہا جاتا

ہے کہ بجلی کا دوران پورا ہے۔ جب تار میں بجلی نہیں ہوتی تو بجلی کا دوران بند ہو جاتا ہے۔

تار بابو کے پاس ایک چھوٹا سا آلہ ہوتا جس میں ایک چھوٹا سا بٹن ہوتا ہے۔ جب یہ بٹن اپنی معمولی حالت میں رہتا ہے تو بجلی کا دوران بند رہتا ہے۔ جونہی یہ بٹن دبایا جاتا ہے بجلی کا دوران شروع ہو جاتا ہے اور برقی رو تار میں دوڑنے لگتی ہے۔

جو خبر تار کے ذریعہ بھیجنی ہوتی ہے اسے بٹن کی کھٹ کھٹ کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ کھٹکھٹاہٹ تار کے ذریعہ بمبئی تک جاتی ہے۔ مختلف حروف اور ہندسوں کے لئے کھٹ کھٹ کے مختلف نشانات ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ مورس نامی ایک شخص نے رائج کیا تھا۔ اس کے نام پر یہ "مورس کوڈ" کہلاتا ہے۔ اس طریقے میں ہر حرف نقطوں اور لکیروں کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ نقطے کے لئے بٹن ۱/۴ سیکنڈ تک دبایا جاتا ہے اور لکیروں کے لئے ۳/۴ سیکنڈ تک۔ فرض کیجئے کہ تار پر لفظ "ہے ڈے" بھیجنا ہے تو مورس کوڈ کے مطابق مندرجہ ذیل نشانات کھٹکھٹائے جائیں گے:

H . . . .

E . .

Y — . — —

D — . .

A . —

Y — . — —

اب ہم یہ بتائیں گے کہ وہ سرے سرے پر یہ نشانات کیسے سنے جاتے ہیں۔ بمبئی کے تار گھر میں بھی ایک برقی مقناطیس ہوگا۔ جب الہ آباد سے برقی رو تار کے ذریعے آئے گی تو وہ بمبئی کے تار گھر کے لوہے میں مقناطیس کی لہر دوڑائے گی۔ اب یہ مقناطیس لوہے کے ایک ٹکڑے کو اپنی طرف کھینچے گا۔ یہ لوہے کا ٹکڑا اچھلے گا تو ایک چھوٹے سے بٹن سے ٹکرائے گا۔ ٹکرانے سے جو آواز ہو گی وہ ویسی ہی ہو گی جیسی الہ آباد کے تار گھر میں کھٹ کھٹ سے پیدا کی گئی ہے۔ بمبئی کا تار بابو جن حروف کی آواز سنے گا انھیں ایک کاغذ پر لکھ لے گا۔

جب ششی کے والد نے الہ آباد کے تار بابو کو تار کا مضمون دیا تو اس نے تار کے ذریعے اسے بمبئی بھیج دیا۔ بمبئی کے تار بابو نے یہ مضمون ایک خاص قسم کے فارم پر لکھ لیا۔ چونکہ یہ مبارکباد کا تار تھا اسلئے اس نے رنگین اور خوبصورت فارم استعمال کیا۔ معمولی تاروں کے لئے معمولی بادامی فارم استعمال ہوتے ہیں۔

اسکے بعد یہ تار تار والے چپراسی کو دیا گیا۔ وہ سائیکل پر لیکر ششی کے بھائی گھر گیا اور ششی کو دیدیا۔ اس طرح ایک خبر جو خط کے ذریعے کم از کم تین دن میں پہونچتی۔ تار سے چند گھنٹوں میں آٹھ سو میل دور پہونچ گئی۔

آجکل کی دنیا میں تار بہت فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ سائنس کی تحقیقات سے ہمیں جو حیرت انگیز باتیں معلوم ہوئی ہیں ان میں ایک تار ہے۔ جب بھی ہمیں کوئی ضروری خبر بھیجنی ہوتی ہے —— چاہے وہ مبارکباد ہو، خبر ہو، بازار کے بھاؤ ہوں، کوئی بات پوچھنی ہو کاروبار کا معاملہ ہو یا کوئی اور اطلاع ہو —— تار ہمیشہ ہمارے کام آتا ہے۔ تار دن رات میں ہر وقت بھیجے جا سکتے ہیں اسلئے تار بابو اور تار کے چپراسی کو دن کی طرح رات میں بھی ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ اگر آپ کبھی کسی کو

مبارکباد کا کوئی تار دے تو تم تار کے محکمے کے لوگوں کو ضرور یاد کرنا جو تمہاری آسانی کیلئے اتنی محنت کرتے ہیں۔ اور ان سائنسدانوں کو بھی یاد کرنا جنکی کوششوں اور تجربوں کی وجہ سے یہ مفید چیز ایجاد ہو سکی
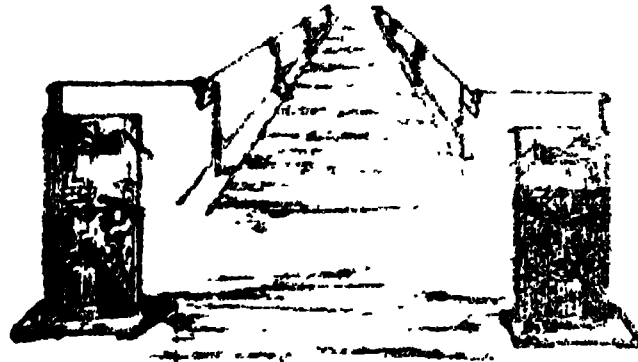
چالاک ناگ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ناگ تھا۔ جو دن بدن بوڑھا ہوتا جارہا تھا۔ اب وہ اپنے کھانے کے لئے مینڈک بھی مشکل سے پکڑ سکتا تھا۔

کسی زمانے میں مینڈک پکڑنا کتنا آسان کام تھا؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ لیکن جب وہ جوان تھا اور طاقتور۔ تیز سے تیز مینڈک بھی اس سے بچ کر نہ بھاگ سکتا تھا۔ اس کی ساری عمر اسی تالاب کے کنارے گزری تھی۔ اسلئے اب سب مینڈک اس سے ہوشیار ہو گئے تھے۔

ایک دن ناگ کو بہت زور کی بھوک لگی۔ اس نے کئی دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ اسلئے اس نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ تالاب کے کنارے پر جا کر چپکا لیٹ گیا جیسے کہ بہت اداس اور تھکا ہوا ہو۔ پانی میں جو مینڈک کھیل رہے تھے۔ ناگ کے رویہ میں یہ تبدیلی دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ پھر بھی وہ اسکے قریب نہیں گئے۔ لیکن ناگ یونہی چپکا پڑا رہا۔ اسکی یہ بے تعلقی دیکھ کر چند مینڈکوں کی ہمت بڑھی اور وہ اسکے پاس جاکر پوچھنے لگے۔ چچا ناگ۔ کیا بات ہے۔ تم اتنے اداس کیوں ہو۔ تم کچھ کھاتے پیتے بھی نہیں۔

میرے عزیزو! ناگ نے کہا۔ مجھے بدقسمتی نے آگھیرا ہے۔ اور مجھے اس دو ٹنگے جانور نے جسے انسان کہتے ہیں۔ اور جو ہم سب کا دشمن ہے۔ بددعا دی ہے۔ سب مینڈک ایک زبان ہوکر چلائے۔ ہمیں سارا حال بتاؤ۔ مینڈک بھی انسان کے ستائے ہوئے تھے کیونکہ لڑکے روز تالاب پر آتے اور پتھر پھینکتے تھے۔

چالاک ناگ کو یہ بات معلوم تھی۔ اسنے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ میں ایک مینڈک کے پیچھے بھاگ رہا تھا کہ میری کسی آدمی کے پاؤں سے ٹکر ہو گئی۔ وہ چیخ مار کر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ اور آدمی میرے پیچھے بھاگے لیکن میں بچ نکلا۔ لیکن مجھے انکی بددعا لگ گئی۔ انہوں نے کہا کہ تجھے تمام عمر اپنی پیٹھ پر مینڈکوں کو لادکر پھرنا پڑے گا۔ اور جو کچھ مینڈکوں کا بادشاہ تجھے کھانے کو دے اسی پر گذارہ کرنا پڑے گا۔ یہ کہکر مکار ناگ جھوٹ موٹ آنسو پوچھنے لگا۔

مینڈک یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور اوروں کو وہ یہ مژدہ سنانے بھاگے۔ ننھے مینڈک اپنی ماؤں کے پاس گئے اور کہا کہ ہم اب ناگ کی سواری کیا کرینگے۔ بوڑھے مینڈک بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ اپنے درباریاں سمیت ناگ کو دیکھنے گیا اور حکم دیا کہ وہ فوراً اپنا کام شروع کردے۔

جب کبھی بادشاہ کو سفر کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت ناگ کے سر پر بیٹھتا باقی مینڈک ناگ کی پیٹھ پر سوار ہوتے تھے۔ اور جب وہ رینگتا ہوا روانہ ہوتا انکی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہتا۔

بادشاہ نے حکم دیدیا تھا کہ ملک میں جو مینڈک کسی جرم کا مرتکب ہوگا اسے سزا دینے کی بجائے ناگ کے حوالے کر دیا جائیگا۔ ناگ بھی یہی چاہتا تھا۔ چند دن تک تو اس نے بڑی شرافت سے گزارہ کیا اور جو مینڈک اسے دئے جاتے صرف انہیں پر اکتفا کی لیکن جب مینڈک اس پر پورا بھروسہ کرنے لگے اور اکیلے اسکے ساتھ سیر کو جانے لگے تو اسنے انہیں چپکے چپکے ہضم کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ تالاب بالکل صاف ہوگیا۔ آخر میں اس نے مینڈکوں کے بادشاہ کو بھی چٹ کر لیا۔

کیا آپ جانتے ہیں

پھول اتنے خوب صورت کیوں ہوتے ہیں؟

پھول کا کام بیج بنانا ہے جن سے نئے پودے پیدا ہوتے ہیں۔ بیجوں کی پیداوار میں کیڑوں کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ وہ پھول پر سے ایک پیلا زیرہ اسی قسم کے دوسرے پھول پر لے جاتے ہیں۔ اس کے بغیر بیج نہیں پیدا ہو سکتے۔ چنانچہ پھول کے اس اہم کام کے لئے ضروری ہے کہ پھول جیسے ہی کھلے کیڑوں کو معلوم ہو جائے۔ کیڑوں کو یہ اطلاع پھول کی رنگین خوب صورتی اور خوشبو کے ذریعے ملتی ہے۔ پھول کے خوبصورت ہونے کی ایک وجہ یہ ہے اور دوسری یہ کہ دیکھنے والوں کو خوشی حاصل ہو۔

کیڑا وہ کام کر سکتا ہے جو آدمی سے نہ ہو سکا؟

انسان نے سائنس میں اتنی ترقی کر لی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اب تک ایسی کشتی نہیں ایجاد کر سکا ہے جو اڑ بھی سکے اور پانی میں غوطہ بھی لگا سکے۔ لیکن "بن کھٹمل" نامی کیڑا یہ دونوں کام کر سکتا ہے۔ یہ پانی کی سطح پر کشتی کی طرح تیر سکتا ہے۔ پیٹھ کے بل الٹا ہو کر یہ خاص قسم کی دو ٹانگوں سے اپنے بدن کو پانی میں کھیتا ہے۔

جب یہ اڑنا چاہتا ہے تو یہ پانی میں غوطہ لگاتا ہے اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ باہر آتا ہے۔ پانی کی سطح کے اوپر آ کر اس کے بازو آزاد ہو جاتے ہیں اور یہ اڑنے لگتا ہے۔

کچھ مچھلیوں میں بجلی ہوتی ہے؟

جنوبی امریکہ کے سمندروں میں ایک قسم کی مچھلی ہوتی ہے جسے "بجلی کی بام مچھلی" کہتے ہیں۔ عام طور پر اس کی لمبائی آٹھ فٹ ہوتی ہے۔ اس میں صرف ۱/۵ بدن اور سر ہوتا ہے، بقیہ حصے میں بجلی کے خانے اور تیرنے کے پٹھے ہوتے ہیں۔ ان خانوں میں جو بجلی ہوتی ہے وہ مچھلی اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتی ہے۔ ایک مچھلی ایک وقت میں دو سو بلب روشن کر سکتی ہے۔

نیویارک میں سچ مچ کے تجربوں میں زندہ مچھلیوں کی بجلی سے لاؤڈ اسپیکر چلانے اور بلب جلانے کا کام لیا گیا ہے۔

پودے آکسیجن صرف دن میں کیوں خارج کرتے ہیں؟

تم جانتے ہو کہ ہمیں سانس لینے کے لئے جس ہوا یعنی آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے وہ پودوں سے خارج ہوتی ہے۔ پودے یہ آکسیجن کاربن ڈائکسائڈ سے حاصل کرتے ہیں جو کاربن یعنی کوئلہ اور آکسیجن کا مرکب ہوتی ہے۔ لیکن آکسیجن حاصل اور خارج کرنے کا یہ عمل صرف دن میں جاری رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوا کے دس ہزار حصوں میں صرف ساڑھے تین حصے کاربن ڈائکسائڈ ہوتی ہے اور پودے اسے تیز دھوپ کی مدد کے بغیر ہوا کے نہیں حاصل کر سکتے۔ چنانچہ صرف دن کے وقت وہ کاربن ڈائکسائڈ حاصل کر کے آکسیجن خارج کرتے ہیں۔

برطانوی یا ہندوستان کی قومی حکومت میں بینکوں کی حالت

عوام کی خوش باشی کا زیادہ انحصار صرف روپیے پر ہے لیکن روپیہ اسوقت تک جاری نہیں رہ سکتا جب تک آدمی کو مالی تجربہ نہ ہو۔ اور ہندوستان میں اس تجربہ ہی کی تھوڑی کمی ہے۔ عالم میں پنشن یافتہ بوڑھے اور بیوائیں جنہیں اس قسم کا ذاتی تجربہ بالکل نہیں ہوتا۔ اس بات کی متوقع رہتی ہیں کہ چاہے دنیا میں کیسا ہی انقلاب آ جائے انکا روپیہ جو بینک میں محفوظ ہے کسی طرح کھو یا نہ جائے۔

بینک کے محفوظ رہنے کا دارو مدار بینک کے قائم کرنے والوں کے ذاتی سرمایہ بلا معاد ضہ کام کرنے، بے لوث دلچسپی، وسیع تجربہ، دنہ کہ بڑے نام، زیادہ سرمایہ، ملازمین پر اعتماد اور اپنے آدمیوں کے ساتھ ناواجب رعایت) کڑی محنت، سخت نگرانی، شعبے تعلیف کے خاص مادہ، ہوا کے بدلتے ہوئے رخ کے ساتھ بہ جانے کی اہلیت، بہت زیادہ روپیہ نہ لگانے لیکن زیادہ سے زیادہ روپیہ جو مطالبہ پر ادا ہو سکے قرض لینے یا لینے کی امید، اپنے ذاتی نقد کا تناسب کم رکھنے، ظاہری ٹیپ ٹاپ اور سجاوٹ پر زیادہ خرچ نہ کرنے، سرکاری ضابطہ داری، فوری کامیابی کیلئے مناسب نمود و نمائش، غیر محفوظ پیشگی میں اپنے سرمایہ اور محفوظ رقم کو مدغم کر دینے اور جاو سرمایہ پر دو سے تین فی صدی تک منافع لینے لیکن حصہ داروں کو آٹھ سے بارہ فی صدی تک سود دینے پر منحصر ہے۔ بینک چلانے کے واسطے سکون، دلجمعی اور کاروبار کو محفوظ رکھنے کی خاص دماغی صلاحیت کی بھی ضرورت ہے۔ یہ کام رفتہ رفتہ لیکن آگے چل کر مستقل طور پر انہی صورتوں میں پروان چڑھ سکتا ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیتوں یا سرمایہ کی کمی کی وجہ سے پچھلے زمانہ میں اکثر بینک ٹھپ ہو گئے یا جب کسانوں کی فلاح اور مرہونہ جائداد کے اصلاحی قوانین نافذ ہوئے، پھر جب عمارتوں کا کام بہت پھیل گیا، پھر ۱۹۱۲ء اور ۱۹۳۱ء میں سرکاری کاغذات پر، پھر اشیائے خوردنی وغیرہ پر، پھر لڑائی کے زمانہ میں ملایا، پینانگ، برما اور سنگاپور میں ان کو سخت نقصانات ہوئے اور عوام کو شدید خسارہ رہا۔

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

اس مہینے رسالہ پہلے سے ذرا مختلف ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جس پریس میں ہے ڈے اور نونہال چھپتا تھا اس کا بہت سا عملہ کم ہو گیا ہے۔ اس لئے فی الحال ہمارا رسالہ وہاں نہیں چھپ سکتا۔ پھر بھی مجھے امید ہے کہ رسالہ تمہیں پہلے ہی جتنا پسند آئے گا۔ کل کی باتوں میں مسز راجیندر ناتھ نے صاف ستھرے گاؤں بنانے کی اچھی اچھی ترکیبیں بتائی ہیں۔ تصویروں سے بھی تمہیں ماڈل گاؤں بنانے میں مدد ملے گی۔

اس موضوع پر تمہارے خیالات معلوم کر کے ہمیں بہت خوشی ہو گی۔

کراس ورڈ معمہ بہت مقبول ہوا۔ کئی بچوں نے فرمائش کی ہے کہ رسالے میں ہر مہینے کراس ورڈ معمہ ہونا چاہیئے۔ یہ بات تو ذرا مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ہاں کبھی کبھار ہم ضرور تمہاری خواہش پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

تمہاری خالہ مسرت

خفیہ پیغام

ہتمی ظلکبڈ ہم تذکبین ذدہ

بقیہ صفحہ ۱۰

انگریز خاتون نے ایسی ایک موٹر ہندوستان کو دی ہے جو سفری ہسپتال کی طرح استعمال ہو گی پھر کسی مہینے میں ہم اسکے متعلق تفصیل سے بتائیں گے۔

میں زیادہ رائے نہ دوں گی۔ اب تم لوگ خود سوچو۔ جب تم نمونے کے دیہات کا خاکہ تیار کر چکو اور اسے اسکول یا گھر میں بنا لو تو ہمیں اسکا حال لکھو۔ اگر خوش قسمتی سے تمہارے پاس کیمرہ اور فلم ہو تو ہمیں اسکی تصویریں بھیجو۔ ممکن ہو کہ ہم اپنے پڑھنے والوں کے بنائے ہوئے نمونے کے دیہاتوں میں سب سے اچھے دیہات کا حال چھاپ دیں۔ (آل انڈیا ریڈیو)

عزیز ممبران!

امید ہے چھٹیاں تم نے مزے میں گزاری ہونگی۔ چھٹیوں میں تم نے جو کام کئے اور جن جگہوں کی تم نے سیر کی ان کا حال مجھے لکھ کر بھیجو۔ ہمارے ایک ممبر نے جنکے گھر میں باغ نہیں لکڑی کے بکسوں میں ترکاریاں اگائیں۔

اب برسات شروع ہوگئی ہے۔ سیر سپاٹے کا موسم ہے۔ لیکن چونکہ تم میں سے اکثر کے اسکول کھل گئے ہونگے۔ اسلئے اپنے پڑھائی میں دل لگاؤ اگر تم نے ابھی سے کام شروع کر دیا تو یقینی طور پر تم امتحان نہایت کامیابی سے پاس کرو گے۔

نوڈے لیگ کے بلّے جلد تیار ہو جائیں گے۔ چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:۔

(۱۷۱) عبدالماجد شاد۔ سرگودھا (۱۷۲) محمد عبدالواسع بھاگلپور (۱۷۳) محمد حمید الحسین انصاری۔ رانچی (۱۷۴) مس سعیدہ اصغر۔ سلطانپور۔ (۱۷۵) ایم۔ اے۔ جوہر۔ پٹھانکوٹ (۱۷۶) ممتاز حسین۔ رامپور (۱۷۷) اسلیم اختر۔ انبالہ (۱۷۸) الیس سلطان اختر۔ پٹنہ (۱۷۹) نزہت سعید منیرہ داؤد (۱۸۰) [illegible] کلکتہ (۱۸۱) الیس۔ ذکی احمد۔ مونگھیر (۱۸۲) شیخ عبدالرحمٰن۔ دہلی (۱۸۳) سید انصار حسین۔ مارواڑ (۱۸۴) تنویر جہاں رحمٰن۔ دہلی (۱۸۵) سیف الدین۔ لدھیانہ (۱۸۶) پرملا دیوی۔ ڈیرہ دون (۱۸۷) ماسٹر پرپال سنگھ۔ ڈیرہ دون (۱۸۸) ماسٹر دیپک چٹرجی۔ آگرہ (۱۸۹) سریندر کمار گلائی۔ لدھیانہ (۱۹۰) محمد اسمٰعیل شیر خاں۔ بمبئی (۱۹۱) امرجیت سنگھ برار۔ مونگا (۱۹۲) شاہد حسین۔ حیدرآباد (۱۹۳) سبھاش بھارگو۔ حصار (۱۹۴) ایم خالد احمد۔ چانسہ پٹنہ (۱۹۵) سید مشتاق احمد نقوی۔ بلہرا اسٹیٹ (۱۹۶) چندر موہن سنگھ اہلووالیہ سیالکوٹ (۱۹۷) محمد سرفراز حسین خاں۔ چھپرا (۱۹۸) جی بھاسکر۔ رنگون (۱۹۹) محمد نواز۔ منٹگمری (۲۰۰) علی جمشید۔ پٹنہ (۲۰۱) ست اندر کوہلی۔ پشاور (۲۰۲) الیس۔ ایم رضا۔ لکھنؤ (۲۰۳) حامد سہیل۔ حیدرآباد (۲۰۴) نور جہاں قادر۔ حیدرآباد (۲۰۵) سید احسان رضا۔ علیگڑھ (۲۰۶) گوکل چند دھاون۔ چمن۔

تمہاری خالہ

مسرت

فارم ممبری برائے نوڈے لیگ

خریداری نمبر

چندہ بھیجنے کی تاریخ ——— چندہ ختم ہونے کی تاریخ

نوٹ:۔ اس فارم کے ساتھ فیس ممبری کے طور پر آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجنا ضروری ہے۔

وہ اسکول جارہا ہے، وہاں سے وہ کیا لے کر آئے گا؟ نئی معلومات، نئے اطوار اور شاید کسی بیماری کے جراثیم. ماں اپنے چھوٹے سے بچے کو ان سب چیزوں کی حفاظت میں بھیجتی ہے جو اس نے اسے سکھائی ہیں. سب سے زیادہ اہم لائف بوائے صابن کا روزانہ استعمال ہے، جو میل کے اس خطرہ سے حفاظت کرتا ہے جو تندرست سے تندرست بچوں کو بھی جراثیم اور بیماری کے متعلق لاحق رہتا ہے۔

لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ ایک اچھی عادت ہے۔

L. 70-81 UD — LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

اہرام کی ملکہ

کسی زمانے میں مصر میں ایک خوبصورت لڑکی رہتی تھی جس کی جوتیوں میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ جوتیوں کی ایڑیوں میں لعل لگے تھے اور ملائم چمڑے کے تلے کے کناروں پر نیلم جڑے تھے۔ سامنے کا نوکدار حصہ دھنک کی طرح رنگین تھا اور جوتیاں باندھنے کے نازک تسموں پر ہیرے جگمگاتے تھے۔ مصر بھر میں کسی کے پاس اتنی عمدہ جڑاؤ جوتیاں نہیں تھیں۔ وہ لڑکی ایک محل میں رہتی تھی۔ کبھی کبھی جب وہ محل کے باغ کی سیر کو جاتی تو جڑاؤ جوتیاں پہن لیتی تھی۔

اس لڑکی کا نام رُوڈوفس تھا اور بہت سے لوگوں نے اس کا حال سن رکھا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ نہ صرف وہ جڑاؤ جوتیاں پہنتی ہے بلکہ وہ مصر بھر میں سب سے خوبصورت لڑکی ہے۔ لیکن اسے دیکھا بہت کم لوگوں نے تھا کیونکہ وہ جس محل میں رہتی تھی اس کے گرد بھاری پتھروں کی اونچی دیواریں تھیں۔

روڈوفس حسین اور دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ بہت شرمیلی بھی تھی اور یہ نہیں چاہتی تھی کہ راہ چلنے والے اسے گھوریں۔ وہ محل کے باہر بہت کم نکلتی تھی۔ صرف صبح شام تفریح کے لئے پائین باغ میں جایا کرتی تھی کیونکہ اس وقت لوگ محل کے پھاٹک پر کھڑے ہوکر باغ کے اندر جھانک سکتے نہیں تھے۔

محل کے باہر کے لوگ صرف لونڈیوں کی زبانی سنی سنائی باتوں پر بھروسہ کرتے تھے۔ کیونکہ نہ تو وہ پھاٹک سے جھانک کر کچھ دیکھ سکتے تھے اور نہ محل کی اونچی دیواروں کے اندر کا حال انھیں نظر آسکتا تھا

محل کی باندیاں انھیں بتاتی تھیں کہ یوں تو روڈوفس ہر وقت ہی خوب صورت نظر آتی ہے۔ لیکن صبح سویرے نور کے تڑکے اس کا حسن اور بھی نکھر آتا ہے۔ ہر روز صبح پو پھٹتے ہی روڈوفس باغ میں جاکر شفاف پانی کے حوض میں غسل کیا کرتی تھی۔ اس وقت وہ اپنی جڑاؤ جوتیاں پہنے ہوتی تھی اور پھول چنتی جاتی تھی تاکہ ان کی پنکھڑیاں پانی پر بکھیر دے۔

ایک دن صبح کو حسب معمول روڈوفس پائین باغ کے حوض میں غسل کے لئے گئی۔ اس وقت سورج کی روشنی آسمان پر پھیل رہی تھی اور باغ کے کونے کونے میں چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ جب روڈوفس حوض کے کنارے پہنچی تو اسے پانی اتنا ٹھنڈا معلوم ہوا کہ وہ اپنی خوب صورت جوتیاں اتار کر حوض میں اتر گئی۔

جب وہ نہا رہی تھی تو اچانک چڑیوں کا خوشی بھرا گانا سہمی ہوئی چیخ بن گیا۔ پھر وہ خاموش ہوگئیں۔ اتنے میں ایک سایہ باغ پر لہرایا۔ اوپر ہوا میں ایک بڑا عقاب اڑ رہا تھا۔ اس کے لانبے بھاری بازوؤں کی آواز صبح کی خاموش فضا میں صاف سنائی دے رہی تھی۔ اور جب وہ ہوا میں منڈلایا تو باغ میں ایک عجیب سناٹا چھا گیا۔

عقاب شکار کی تلاش میں تھا۔ چڑیوں کے ڈر کے مارے جان نکل گئی۔ وہ ڈریں کہ کہیں ان کے رنگ برنگے پروں پر عقاب کی نظر نہ پڑ جائے اور وہ جھپٹا مار کر انھیں اچک نہ لے۔

عقاب نے اپنے مضبوط پنکھ ہوا میں پھیلائے اور غور سے زمین کی طرف دیکھا۔ اتنے میں اس کی نگاہ چمکتی ہوئی جڑاؤ جوتیوں پر پڑی۔ اس نے باغ میں غوطہ لگایا، جڑاؤ جوتیوں پر جھپٹا مارا اور ایک جوتی اپنے بڑے پنجوں میں دبا کر اڑ گیا۔

عقاب اونچا اڑتا چلا گیا، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا اور روڈوفس کی ایک خوب صورت جوتی غائب ہو گئی۔ عقاب بہت تیز اڑ رہا تھا اور بہت جلد کافی فاصلہ طے کر کے وہ روڈوفس کے باغ سے دور پہنچ گیا۔ لیکن چمکتی ہوئی جوتی اس کے پنجوں میں دبی رہی۔ صحرا کے ریت اور نیل کے نیلے پانی کو پار کر کے وہ ایک بڑے شہر کے قریب پہونچا۔ اس شہر کا نام ممفس تھا۔ یہاں مصر کا بادشاہ فرعون اپنا دربار کرتا تھا۔ جب وہ مقدموں کے فیصلے کرتا تھا تو وہ کھلے میدان میں ایک تخت پر بیٹھا کرتا تھا تاکہ لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو کر اسکے حکم سن سکیں۔

اتنی دیر میں عقاب کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز چمکتی ہے وہ کھانے میں بھی اچھی ہوگی۔ چنانچہ اس نے جوتی چھوڑ دی۔ عقاب کو نہ اس کا پتہ تھا اور نہ پروا کہ جوتی کہاں گرتی ہے۔

اس دن فرعون اپنے دربار میں تقریر کر رہا تھا۔ وہ ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور لوگ اس کے گرد کھڑے اسکی تقریر سن رہے تھے۔ کسی نے نہ دیکھا کہ ایک بڑا پرندہ ان کے سروں پر ہو کر اڑ گیا۔ اچانک کوئی چیز ہوا میں ہوتی ہوئی فرعون کی گود میں گری۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی گود میں ایک جڑاؤ جوتی پڑی ہے تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے جوتی کو اٹھایا اور غور سے دیکھا۔

جوتی کی ایڑی میں لعل ٹکے ہوئے تھے اور چمڑے کے تلے کے کناروں میں نیلم جگمگا رہے تھے۔ سامنے کا حصہ دھنک کی طرح رنگ برنگا تھا اور نازک کھلے ہوئے تسمے میں ہیرے دمک رہے تھے۔ فرعون نے جوتی کو اپنے ہاتھ میں الٹ پلٹ کر اس کے چمکتے ہوئے جواہرات دیکھے۔ اس نے سوچا جب یہ جوتی اتنی خوبصورت ہے تو وہ عورت کتنی خوبصورت ہوگی جو اسے پہنتی ہوگی۔ وہ جوتی کی مالکہ کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔

فرعون جوتی کو ہاتھ میں لے کر اپنے تخت کے آگے کھڑا ہو گیا اور بولا:۔ "یہ جوتی جن خاتون کی ہے ان کا پتہ چلایا جائے گا اور جو شخص پتہ چلائے گا اسے بہت انعام ملے گا۔ مصر کا کونہ کونہ چھان مارو اور ان خاتون کا پتہ چلاؤ جن کے پاس اس کے جوڑ کی دوسری جوتی ہو اور جن کا پیر اتنا چھوٹا ہو کہ اس میں سما سکے۔ اور وہ ممفس آئیں تو ان کی قدر کی جائے گی۔"

(باقی آئندہ)

تھیکرز کا

بچوں کا بک کلب

آؤ تصویر بنائیں، مقابلہ نمبر ا کے نتیجے

تھیکرز نے بچوں کے بک کلب کے ممبروں کے لئے "آؤ تصویر بنائیں" کا جو مقابلہ کیا تھا اسکے نتیجے کا اعلان مسرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل بچوں کو انعامات ملے۔

پہلا گروپ ۔ ۱۰ - ۱۴ سال

پہلا انعام ۔ پچیس روپے ۔ دیوندر رائے بوری ۔ معرفت جناب چرنداس بوری ۔ سیالکوٹ

دوسرا انعام ۔ پندرہ روپے ۔ زیڈ ۔ جے کپاڈیا ۔ ۵ پریڈ ۔ کولابا ۔ بمبئی ۔

تسلی کے انعامات دس دس روپے کے: (۱) اسمٰعیل محمد ۔ معرفت محمد جان محمد ۔ بانو والے ۹۵ پائدھونی بمبئی ۳ (۲) مس ایم یونس ۔ ۵۲۳ ۔ بلی ماران ۔ دہلی ۔ (۳) مس شکیلہ خاتون ۔ معرفت امین برادرس ۔ بینگ کی منڈی ۔ آگرہ۔

دوسرا گروپ ۔ دس سال سے کم

پہلا انعام ۔ پچیس روپے ۔ علی گوہر یوسف ، واحد مینشن ۔ نیو ملسوارڈ ۔ کرلا ۔ بمبئی ۔

دوسرا انعام ۔ پندرہ روپے ۔ مس بلقیس جہاں بیگم ۔ بچو موٹرس ۔ کوئنس روڈ ۔ بمبئی

تھیکرز انعام جیتنے والوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ان بچوں کو چاہئے کہ وہ لکھیں کہ انعام نقد چاہئے یا کتابوں کی صورت میں۔ کچھ داخلے بہت اچھے تھے۔ جن لوگوں کو انعام نہیں ملا انھیں تھیکرز کا مشورہ یہ ہے کہ "پھر کوشش کرو"۔

تھیکرز کا بچوں کا بک کلب بڑی تیزی سے ہندوستان بھر میں ہر دل عزیز ہوتا جا رہا ہے اور ہر قوم کے بچے روز بروز اس کے ممبر ہوتے جا رہے ہیں۔

بچوں کے بک کلب کے ممبروں کے لئے دوسرے مقابلے کا انتظار کیجئے۔ زیادہ اور بڑے انعامات آپ کے منتظر ہیں

آپ ممبر ہیں یا نہیں؟ آج ہی ممبر ہو جائیے۔ سولہ سال سے کم عمر کا ہر بچہ ممبر ہو سکتا ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے:۔

بچوں کا بک کلب، تھیکرز ۔ پبلشرز ۔ بمبئی

جوکر بنائیے

ایک پوسٹ کارڈ پر یہ دو تصویریں بنا کر کاٹ لیجئے۔

دوسرے کھڑے کالم میں ۱۲ کی جگہ ۲۱ ہونا چاہئے تھا۔

پھر کاغذ کی ایک پٹی تصویر B کی پشت پر چپکا دیجئے۔ پھر تصویر B کو A کے پیچھے رکھ کر زبان منہ میں سے نکال لیجئے اور ٹوپی کے اوپر کا حصہ ٹوپی کے کناروں میں سے نکال لیجئے۔

پھر پیچھے لگی ہوئی کاغذ کی پٹی کو اوپر نیچے کھینچئے۔ دیکھئے کیسی عجیب شکلیں بنتا ہے۔

پچھلے مہینے کے معمے

"جادو کا مربع"

کا حل

11	9	18	12
5	21	8	16
20	11	14	5
14	9	10	17

پچھلے مہینے کے معمے

"بھول بھلیاں"

کا حل
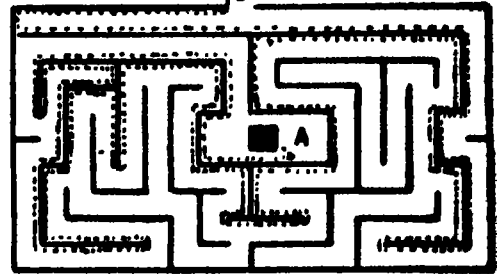
وہ شخص اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا دیوار تک پہنچا پھر دیوار پر ہاتھ رکھ کر اس کے سہارے دروازے تک پہنچ گیا۔

اجنبی کون

ان چیزوں کی آپس میں کوئی نہ کوئی بات ملتی جلتی ہے لیکن ایک چیز مختلف ہے جسے ہم اجنبی کہہ سکتے ہیں۔ بتاؤ وہ کونسی ہے۔

بھائی اور بہنیں

ایک گھر میں ہر لڑکے کی بہنوں کی تعداد بھائیوں سے دگنی تھی اور ہر لڑکی کے اتنے ہی بھائی تھے جتنی بہنیں۔ بتاؤ اس گھر میں کل کتنے لڑکے تھے اور کتنی لڑکیاں۔

Regd. No. L. 5062

Printed by the United Press, Delhi, for United Pub...

نونہال

اگست ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۱۰

چندہ سالانہ
قیمت فی پرچہ چار آنے

نونہال

اگست ١٩٤٦ء

جلد۳ ——— نمبر۱

اس پرچے میں

ادارہ

مسز جہاں بیگم تیموری — اوشا راجنید رنا

جے کے سیٹھ — عزیز احمد

اے. ایم شاستری

آرٹ ایڈیٹر

وی. بورلن — بی ڈی شرما

پبلشرز

ادارۂ مطبوعات متحدہ

پی. بی ۱۶۶ دہلی

پرنٹرز

سرورق. سروے آف انڈیا. دہرہ دون

مضامین. دی آرٹ پرنٹنگ ورکس. دہلی

کولھا، ریاست جام نگر
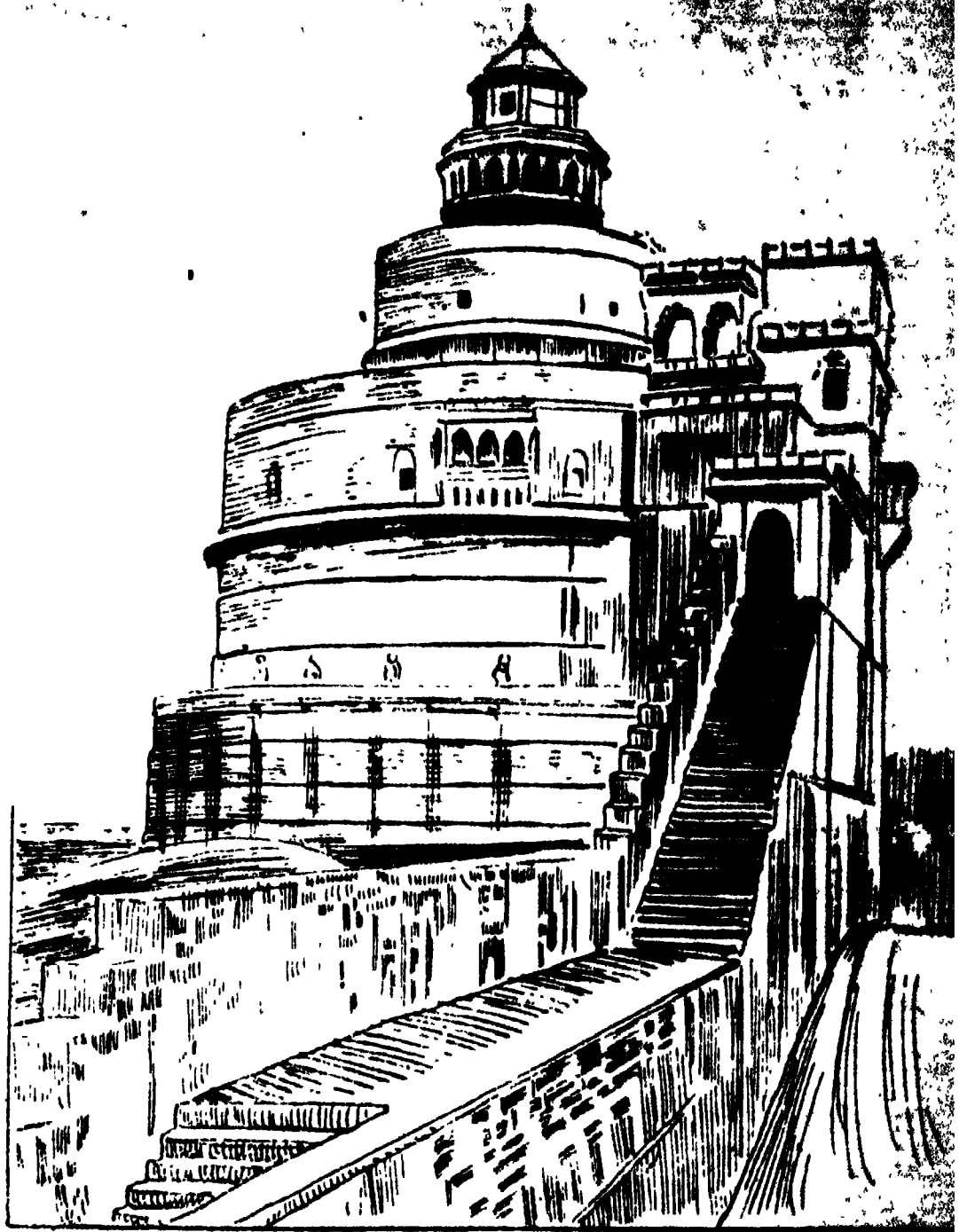
NAUNIHAL No. 10. VOL. II. AUGUST, 1946.

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ۲۷ رجون کو ہندوستان کی ریلوں میں کام کرنیوالے ہڑتال کر دیں گے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بڑی دقت اٹھانی پڑتی۔ کیونکہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں اور خصوصاً جنوبی ہند میں قحط کا خطرہ ہے۔ شمالی علاقوں سے ریلوں کے ذریعے ہی وہاں اناج بھیجا جارہا ہے۔ آسٹریلیا سے بھی کھانے کی چیزیں آرہی ہیں جو کلکتہ میں اتاری جاتی ہیں وہاں سے پھر ریلیں ہی ان علاقوں میں یہ چیزیں پہنچاتی ہیں جہاں انکی کمی ہے۔ برطانیہ سے کھانے کی چیزیں بمبئی اور کراچی کی بندرگاہوں پر آتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں قحط زدہ لوگوں تک نہ پہنچ سکیں تو سینکڑوں جانیں ضائع ہو جائیں۔ اسلئے آل انڈیا ریلوے مینز فیڈریشن کی جنرل کونسل نے فیصلہ کیا کہ ہڑتال نہ کی جائے۔ اس فیصلہ سے سب کو بہت اطمینان ہوا۔ ریلوے والوں نے ہڑتال کرنے کی دھمکی اس وجہ سے دی تھی کہ وہ اپنی مزدوری اور مہنگائی کا الاؤنس بڑھوانا چاہتے تھے۔

ریلوے میں اسوقت جتنے آدمی کام کر رہے ہیں انکی تعداد بھی وہ کم نہیں کروانا چاہتے۔ ریلوے بورڈ نے جو تمام ریلوں کے انتظامی معاملات طے کرتا ہے کہا کہ ریلوے کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ وہ کام کرنے والوں کی تمام مانگیں جوں کی توں پوری کر سکے۔ یہ جھگڑا ایک تیسری پارٹی کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے جو فیصلہ کرادیگی۔ ریلوے میں کام کرنیوالے اس بات پر رضامند ہو گئے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگر ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ پھر ہڑتال کر دیں گے۔

تمہیں یہ سنکر رنج ہوگا کہ ٹیلی وژن کے موجد جان بیرڈ کا ۱۴ رجون کو ۵۸ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ پچھلے سال انھوں نے ٹیلی فلم ایجاد کی تھی جسکے ذریعے میلوں پرے سے فلمیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس نے "نوکٹو وائزر" بھی ایجاد کیا۔ اسکی مدد سے اندھیرے اور کہر میں بھی نظر آجاتا ہے۔ اور طوفانی راتوں میں جہازوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے بیرڈ کی کامیابیوں کو سمجھنے کے لئے اسکی زندگی کا حال جاننا ضروری ہے۔ وہ برسوں ایک چھوٹے سے کمرے میں انتہائی مفلسی کی حالت میں سختیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اپنی غربت اور خرابی صحت کے باوجود اس نے تجربے جاری رکھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اسکے پاس روٹی کھانے تک کے لئے پیسے نہ ہوتے تھے۔ وہاں وہ لندن کے بازاروں میں روپئے کی تلاش میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ لوگ ٹیلی وژن کا نام سنکر ہنستے تھے۔ انکا خیال تھا کہ بڑے فاصلے پر سے چیزوں کا نظر آنا ناممکن ہے۔ لیکن بیرڈ نے دل نہ چھوڑا اور برابر تجربے کرتا رہا یہاں تک کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے کام کا نمونہ دکھانے کے قابل ہو گیا۔ اسکے بعد یکلخت اسکی زندگی کا دور پلٹا۔ روپیہ آنے لگا اور وہ اپنے کام میں ترقی کرتا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں تصویریں اصلی رنگوں میں دور سے نظر آنے لگیں۔

پچھلے پانچ سالوں میں اسنے یہ معلوم کیا کہ الیکٹرانی ٹیلی گرافی میں کس حد تک ٹیلی وژن کے اصول کام دے سکتے ہیں۔ اسنے پیشگوئی کی کہ ایک دن وہ آئیگا کہ ٹیلی وژن نہ صرف تفریح کا ذریعہ ہوگا بلکہ کتابیں اور نقشے وغیرہ بھی ٹیلی وژن کے ذریعے نشر ہوں گے۔ بیرڈ اور اور بڑے لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقل مزاجی ہی کامیابی کا راز ہے۔ جس بات کا تم دل میں ارادہ کرلو اسے پورا کرو خواہ تمہیں کتنی ہی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے۔

لے میزے رابل (۳)

اس دن کے بعد سے ژاوا ہمیشہ اس کوشش میں رہتا کہ کسی طرح موسیو میڈلین کو مصیبت میں پھنسائے۔ آخرکار وہ میڈلین کو ڈاکو ثابت کرکے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ میڈلین کو موت کی سزا کا حکم سنا دیا گیا لیکن بادشاہ نے یہ سزا عمر قید میں بدل دی۔ چنانچہ میڈلین کو فوراً قیدیوں کے جہاز پر کام کرنے کے لئے ٹولون بھیج دیا گیا۔ یہاں وہ پہلے بھی مجرم کی حیثیت سے کام کرچکا تھا۔ ایک دن وہ ایک جہازی کی جان بچاتے بچاتے خود سمندر میں جاگرا۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا لیکن لاش تک نہ مل سکی۔ دراصل ژان والژان بچ گیا تھا۔ سنہ ۱۸۲۳ء میں اس نے پیرس کے ایک خاموش علاقے میں ایک یتیم لڑکی کے ساتھ رہنا شروع کردیا۔ لڑکی کی ماں بہت غریب تھی اور مرنے سے پہلے وہ اسے ژان والژان کے سپرد کرگئی تھی۔ لڑکی کا نام تھا کوسٹ۔ اسکو پڑھانا اور اس کے ساتھ کھیلنا ہی ژان والژان کی زندگی کا مقصد رہ گیا تھا۔ کوسٹ میڈلین کو "ابّا" کہہ کر پکارتی تھی۔

اس چھوٹے سے مکان میں ہنسی خوشی رہتے ہوئے انھیں کافی عرصہ گزر گیا۔ ژان والژان دن کے وقت گھر سے باہر نہ نکلتا تھا۔ صرف شام کے وقت دو ایک گھنٹے کے لئے پھرنے باہر چلا جاتا تھا۔ ایک دن وہ شام کو واپس آرہا تھا کہ اس نے سڑک پر لیمپ کے نیچے ایک فقیر بیٹھا دیکھا۔ ژان والژان اسکے پاس گیا اور اس کے ہاتھ پر کچھ رکھا۔ فقیر نے اچانک سر اٹھایا۔ ژان کی طرف گھور کر دیکھا۔ اور پھر سر نیچا کرلیا۔ لمحہ بھر میں یہ سب کچھ ہوگیا لیکن ژان والژان ایک دم چونک اٹھا اس نے فقیر کا چہرہ نہیں بلکہ ایک نہایت بھیانک چیز دیکھی تھی وہ خود بھی یہ یقین نہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ چہرہ ژاوا کا تھا۔

دوسرے دن بھی اس نے فقیر کو وہیں بیٹھے دیکھا۔ "سلام بڑے میاں" ژان والژان نے فقیر کو پیسے دیتے ہوئے کہا۔ فقیر نے اپنا سر اٹھایا اور کہا "شکریہ جناب"۔
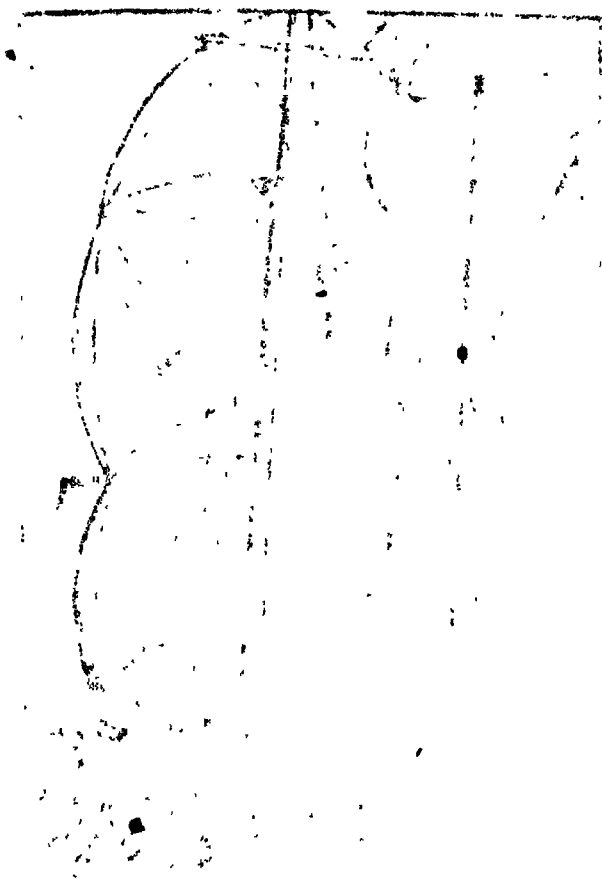
ژان والژان کو یقین ہوگیا کہ یہ چہرہ فقیر ہی کا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے وہم پر ہنسا اور سوچنے لگا کیا میری نگاہ کمزور ہوگئی ہے۔ جو میں اسے ژاوا سمجھا۔ خیر اس کے بعد اسے اطمینان ہوگیا۔

دو تین دن کے بعد ژان والژان بیٹھا کوسٹ کو پڑھا رہا تھا کہ اس نے دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنی۔ یہ بات اسے عجیب معلوم ہوئی۔ کیونکہ جو بڑھیا اس کی دیکھ بھال کرتی تھی وہ جلد ہی سو جاتی تھی۔ پھر اس نے کسی کے اوپر چڑھنے کی آہٹ سنی۔ قدم بھاری تھے اور مردانہ معلوم ہوتے تھے۔ ژان نے کوسٹ کو بستر پر لٹا کر موم بتی بجھا دی۔ کافی دیر تک جب کوئی آواز نہ آئی تو وہ آہستہ سے اٹھا اور دروازے کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ باہر روشنی نظر آئی۔ کوئی موم بتی لئے کان لگا کر سن رہا تھا۔

دوسرے دن صبح اسے دروازہ کھلنے کی آواز نے جگا دیا۔ یہ دروازہ اس کمرے کا تھا جو برآمدے کے دوسرے سرے پر تھا۔ اس کے بعد اسے پھر وہی قدم سنائی دئے جو اس نے رات کو سنے تھے۔ اس نے دروازے میں سے جھانکا۔ جانے والے کی صرف پیٹھ نظر آئی۔ یہ شخص اونچے قد کا تھا اور اس نے بڑا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اور اس کی پشت بالکل ژاوا جیسی تھی۔

جب بڑھیا کام سے فارغ ہوکر گھر چلی گئی تو ژان والژان نے نوٹوں کو لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا۔ رات کو وہ باہر نکلا۔ اور ساری سڑک کا جائزہ لیا سڑک پر کوئی نہ تھا۔ وہ اوپر گیا اور کوسٹ سے کہا چلو۔ کوسٹ کا ہاتھ پکڑ وہ نیچے اترا اور چوڑی سڑک کو چھوڑ کر گلیوں کی طرف ہو لیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا تھا کہ کہیں کوئی پیچھا تو نہیں کر رہا۔ پولس آفس کے پاس پہنچ کر جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے تین آدمی نظر آئے۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوسری گلی میں ہو لیا اور پل تک پہنچ گیا جس جگہ وہ تھا وہاں سے وہ چاندنی روشنی میں سارا پل دیکھ سکتا تھا۔ اسے دور سے چار سائے نظر آئے۔ وہ تیزی سے بھاگا اور ایک دیوار تک پہنچ گیا۔ سیدھے ہاتھ کی طرف گلی تھی جو تھوڑی دور جاکر بند ہو جاتی تھی۔ دیوار ایک گھر تک چلی گئی تھی جو غیر آباد نظر آتا تھا۔ دیوار ڈھلواں تھی اور ایک باغ کے اندر جاکر ختم ہوتی تھی۔ وہ اس پر سے ہوتا ہوا باغ میں کود گیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے جوتے اور موزے تلاش کئے اور انھیں پہنا۔ رات بہت سرد تھی۔ کوسٹ سردی کے مارے کانپ رہی تھی۔ ژان والژان نے کوسٹ کو آہستگی سے گود میں اٹھایا اور ٹوٹے پھوٹے فرنیچر کے پیچھے لے جاکر لٹا دیا۔ اس نے اس کے ہاتھ چھوئے تو وہ برف کی مانند ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

اس نے آہستہ سے آواز دی۔

کوسٹ پھر اسے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

لیکن کوسٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔

کیا یہ مر گئی؟ اس نے دل میں سوچا اور سر سے پاؤں تک لرزہ طاری ہو گیا۔ باغ میں کوئی شخص پھرتا ہوا نظر آیا۔ وہ سیدھا اس کے پاس پہنچا۔ وہ شخص کام میں مصروف تھا اس نے ژان کو آتے ہوئے نہ دیکھا۔ ژان والژان نے چیخ کر کہا: "اگر تم مجھے آج کی رات پناہ دے دو تو میں تمھیں ایک ہزار فرانک دوں گا۔"

"آہاہ! فادر میڈلین آپ ہیں۔" آدمی نے چونک کر کہا۔

ژان نے پوچھا: "تم کون ہو اور یہ گھر کس کا ہے؟"

وہ شخص حیران ہو کر بولا: "کیوں! آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ آپ ہی نے تو مجھے یہاں باغ میں نوکر رکھوایا تھا۔ آپ ہی نے تو میری جان بچائی تھی۔ میں فوشلے وان ہوں۔"

ژان والژان اس کے قریب ہو گیا اور بولا: "میں نے

تمہاری جان بچائی تھی۔ آج تم میری جان بچاؤ:" بوڑھا بہت خوش ہوا اور بولا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"کیا تمہارے پاس کوئی کمرہ ہے؟"

"ہاں۔ خانقاہ کے پیچھے ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ اس طرف کوئی نہیں آتا۔"

"اچھا۔" ژان والژان نے کہا: "دو باتوں کا اقرار کرو۔ اول تو یہ کہ میرے متعلق جو کچھ تم جانتے ہو اس کا کسی سے ذکر نہ کروگے۔ اور دوسرا یہ کہ تم میرے متعلق اور کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہ کروگے۔"

"جیسی آپکی مرضی۔" فوشلے وون نے سب سے کہا کہ والژان میرا بھائی ہے اور خانقاہ کی راہبہ نے فوشلے وون کی خدمات کے صلے میں ژان کو بھی باغ میں نوکری دے دی۔ جب تک فوشلے وون زندہ رہا ژان اور کوسٹ خانقاہ میں رہے اور پانچ سال بعد وہ وہاں سے چلے گئے۔

واٹر سپلائی

بقیہ صفحہ ۱۴

رگ ہیں جو نلکوں میں پانی کے دباؤ اور بہاؤ کو ٹھیک رکھنے کے لئے دن رات چوکس رہتے ہیں۔ انھیں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ پانی خالص رہے اور ایک لمحے کے لئے بھی نہ رکے۔ تم سوچ سکتی ہو کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی نلکے بند ہو جائیں تو شہر کے لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔ نہ صرف ہمیں تمہیں تکلیف ہوگی بلکہ پانی کی قلت کی وجہ سے بہت سے کارخانوں میں کام بند ہو جائے گا۔

"اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سب لوگوں کا شکریہ ادا کریں۔ جو ہمیں اچھا، خالص پانی دینے کے لئے اتنی سخت محنت کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟"

مالتی نے رضامندی میں گردن ہلائی۔ اتنے میں چائے لگادی گئی تھی۔ سوشیلا نے مالتی کی پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک اور نعمت ہے جس کے لئے ہم واٹر سپلائی کے احسان مند ہیں۔ کنوئیں تک جانے کے بجائے صرف نلکا گھما کر ہم کیتلی بھر لیتے ہیں۔"

بادل

وہ لوگ جو گرمیاں میدانی علاقے میں گزارتے ہیں بادل دیکھتے ہی پھولے نہیں سماتے۔ گرمی سے بولائے ہوئے طالبعلم اور تھکے ہوئے استاد سب دریا میں کشتی چلانے یا نہانے یا سیر کرنے نکل جاتے ہیں۔ کسان دل ہی دل میں اللہ میاں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور پھر خوشی سے گانے لگتا ہے۔ وہ خوش کیوں نہ ہو۔ بادل اُن کے لئے سب کچھ ہیں۔ بغیر ان کے بارش نہیں ہو سکتی اور بارش نہ ہو تو قحط پڑ جاتا ہے اسلئے میں تمہیں بادلوں کے بارے میں کچھ بتاتا ہوں۔

تم سوچو گے کہ شاید میں تمہیں یہ بتاؤں کہ بادل کیا چیز ہیں۔ میرے خیال میں یہ بتانا بہتر ہوگا کہ وہ کیا نہیں۔ فیکٹریوں کی چمنیوں سے جو دھواں نکلتا ہے بادل اس سے نہیں بنتے۔ یہ دراصل پانی کی ننھی ننھی بوندیں ہوتی ہیں جنہیں ہوا ادھر سے ادھر اڑائے پھرتی ہے۔ یہ بوندیں اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ انہیں "پانی کی خاک" کہا جاتا ہے۔

اگر یہ تجربہ کرکے دیکھو تو تمہیں آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ جائیگی ایک پھیلی ہوئی طشتری میں پانی بھر کر اسے کھلا چھوڑ دو۔ تھوڑی دیر میں پانی ختم ہو جائیگا۔ پانی کہاں چلا گیا؟ "ہوا میں" پانی کا گرمی کی وجہ سے بھاپ بنکر اڑ جانے کو "عمل تبخیر" کہتے ہیں۔ اس عمل کے ساتھ ساتھ دنیا میں ایک اور عمل بھی جاری ہے جو کہ عمل تبخیر کا الٹا ہے جب گلاس میں برف ہو اسکے باہر اکثر پانی کے قطرے جمع ہو جاتے ہیں۔ فضا میں جو پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے وہ گلاس کی سطح سے چھو کر پھر پانی بن جاتا ہے۔ اس عمل کو "تکثیف" کہتے ہیں۔ قدرت میں یہی دو عمل بہت بڑے پیمانے پر ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان ہی کی وجہ سے بادل اور مون سون بنتے ہیں۔

گرمی کے زمانے میں دھوپ کی تپش سے ہندوستانی سمندر کا پانی بھاپ بن کر اڑنے لگتا ہے اور سمندر کے اوپر کی ہوا میں پانی کے بخارات خوب جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ گرم ہوا چونکہ ہلکی ہوتی ہے اسلئے اوپر اٹھتی ہے اور وہاں چونکہ فضا ٹھنڈی ہوتی ہے اسلئے یہ بھاپ پانی کی ننھی بوندوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ان ہی سے مل کر بادل بنتے ہیں پھر ہوا کے جھونکے انہیں اڑا کر دور دور لے جاتے ہیں۔ اور گرم ہوا میں پہنچ کر یہ بخارات بن جاتے ہیں پھر اگر یہ کسی ٹھنڈے علاقے میں جائیں تو عمل تکثیف کی وجہ سے قطرے اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ ہوا ان کا بوجھ نہیں سہار سکتی اور وہ بارش بن کر زمین پر گرنے لگتے ہیں۔ آسام کی پہاڑیوں اور مغربی گھاٹ کے علاقے میں بارش بہت زور کی ہوتی ہے۔ آسام میں ایک جگہ چراپونجی ہے۔ یہاں دنیا میں سب سے زیادہ بارش ہوتی ہے۔ بارش کی اوسط ۵۰۰ انچ سالانہ ہے۔

از شنکر دیال

بادل مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں بعض دفعہ تو یہ روئی کے گالوں جیسے معلوم ہوتے ہیں بعض دفعہ پردوں جیسے بعض دفعہ کالی گھٹا بن کر آسمان پر چھاتے ہیں بعض دفعہ لمبی لمبی پٹیوں کی شکل میں۔ بادلوں کی اور بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ اور ان کو دیکھکر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ برسیں گے یا نہیں۔ بچے اکثر سوال کرتے ہیں کہ بادل کتنے اونچے ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ سطح سمندر سے ہزار فٹ کی بلندی پر اڑتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں مثلاً شملہ اور نینی تال میں جو کہ سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ سے زیادہ اونچے ہیں۔ بادل گھروں میں گھس آتے ہیں۔ اور کپڑے گیلے کر دیتے ہیں بعض دفعہ بادل ۵ میل سے بھی زیادہ اونچے اڑتے ہیں۔ بادلوں کی اوسط رفتار ۲۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ اور یہ رفتار جوں جوں بادل اونچے اٹھتے جائیں تیز ہوتی جاتی ہے اور اکثر ۱۰۰ میل فی گھنٹہ پہنچ جاتی ہے۔

زمین پر سے بادل سیاہ نظر آتے ہیں مگر ہم ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بادلوں کے اوپر جائیں تو وہ سورج سے وہ بہت زیادہ چمکدار نظر آئیں گے۔

سسٹر نویدیتا

اس تصویر میں تمہیں چند بچے غور سے ایک خاتون کی باتیں سنتے نظر آرہے ہیں۔ وہ انہیں اپنی پرسکون آواز میں کہانیاں سنارہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اس میٹھی آواز میں کہانیاں سننا پسند کروگے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ کہانیاں سنانے والی مدت ہوئی ۱۹۱۱ء میں اس دنیا سے کوچ کر گئی لیکن اس کی کہانیاں اب تک زندہ ہیں تم انکی لکھی ہوئی کتاب "بچوں کی کہانیاں" اب بھی پڑھ سکتے ہو۔

تمہیں یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ وہ عورت جس نے اتنے بچوں اور ان کی ماؤں کا دل ہاتھ میں لے لیا ہندوستانی نہیں تھی۔

وہ ریورنیڈ ایس آر نوبل کے ہاں آئرلینڈ میں پیدا ہوئی۔ ان کا نام الزبتھ مارگرٹ نوبل تھا۔ ایک دفعہ ان کے والد کے پاس ایک دوست ملنے آیا جو ہندوستان میں رہ چکا تھا۔ لڑکی کی خوبصورتی اور ذہانت دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا اور کہا کہ مجھے امید ہے تم ایک دن ہندوستان جا کر کام کروگی۔ یہ بات لڑکی کے دل میں گھر کر گئی۔ اور اس نے ہندوستان سے دلچسپی لینی شروع کردی۔

مارگرٹ کے باپ کو اس پر بہت فخر تھا۔ اسے یقین تھا کہ میری بیٹی بہت بڑے کارنامے سرانجام دے گی۔ اسلئے اس نے اپنی بیوی سے وعدہ لیا کہ وہ کبھی لڑکی کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالیگی عقلمند ماں نے وعدہ کیا اور اس پر قائم بھی رہی۔ چند سالوں کے بعد باپ کا انتقال ہوگیا۔ ابھی تک لڑکی اپنے پورے شباب پر نہ پہنچی تھی۔ ماں نے اس کو پڑھنے کا ہر موقع دیا۔ اس کے بعد مارگرٹ لندن کی گلیوں میں رہنے والے لوگوں کی اصلاح کا کام کرنے لگی۔ یہاں اسے معلوم ہوا کہ اگر کوئی قوم واقعی ترقی کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے لوگوں کی تعلیمی حالت کا سدھارنا ضروری ہے۔ اسلئے مس نوبل نے ایک اسکول کھولا اور اس کا کام اعلیٰ پیمانے پر چلایا۔

جب وہ لندن میں تھی تو انکی ملاقات ایک بہت بڑے ہندوستانی عالم سے ہوئی۔ یہ سوامی ودیکانندا تھے۔ جو لندن میں یہ دیکھنے آئے تھے کہ غریبوں کے لئے کیا کیا جارہا ہے۔

وہ ایک اصلاحی جماعت راماکرشن مشن کے بانی تھے انھوں نے مس نوبل کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تاکہ وہ ہندوستانی عورتوں کی اصلاح کا کام کرنے میں مدد دے سکیں۔

مس نوبل بچپن سے اس کام میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ سوامی ودیکانندا کے کہنے سے انکے ارادے اور استقامت آگئی بن ۱۸۹۸ء میں وہ ہندوستان آگئیں یہاں آکر بنگال کو اپنا گھر بنایا۔ اور کافی عرصہ تک وہ سوامی ودیکانندا اور راماکرشنا مشن کے دوسرے ممبروں کے ساتھ ملکر کام کرتی رہیں یہاں لوگوں نے اپنا نام سسٹر نویدیتا رکھا۔ نویدیتا کے معنی ہیں وہ شخص جو خدا کی راہ میں وقف ہو۔ اسکے بعد مس نوبل ہندوستان کے متعلق واقفیت کرنیکی غرض سے سفر کے لئے نکلیں۔ ہندوستان کے مناظر کی خوبصورتی اور

باقی صفحہ ۱۲ پر

کدو میاں

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرجدار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے۔

(۱۰)

کدو میاں نے بجرا لکاہل میں جو ایٹم بم کا تجربہ ہوا اس کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اسلئے انھوں نے سوچا چلو ہم بھی کوشش کر دیکھیں۔ انھوں نے گتے کا ایک بم بنایا اور اس میں کاجل بھر کر اسکول لے گئے۔

دوسرے دن وہ سویرے سے اسکول پہنچے۔ اور پنکھے سے بم باندھ دیا اور ایک پتلی سی ڈوری اس میں لٹکی رہنے دی تاکہ جب لومڑی کلاس میں داخل ہو تو اسے کھینچ لیں اور اسے کدو میاں کا مذاق اڑانے کی سزا مل جائے
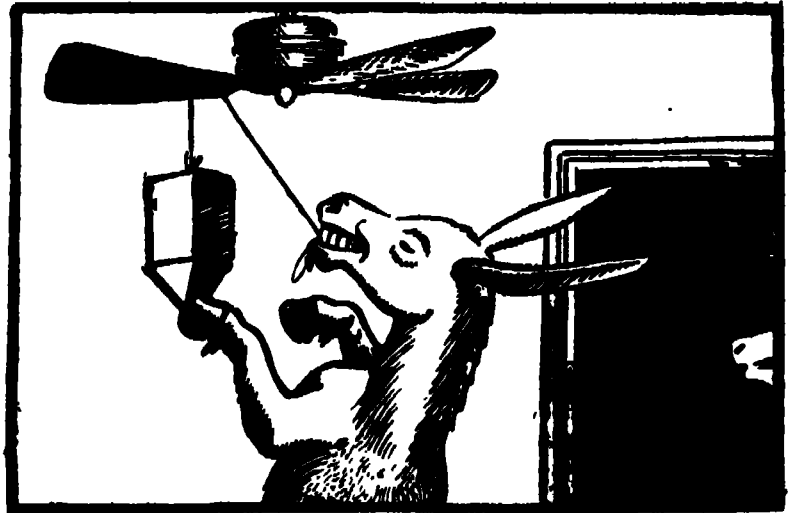
لیکن افسوس ابھی ان کی تیاریاں پوری نہ ہوئی تھیں کہ ان کی استانی آگئیں۔ کدو میاں گھبرا کر بھاگے اور ڈوری ٹانگوں میں الجھ گئی۔ بم پھٹا اور سارا کاجل ان پر آگرا۔ کدو میاں کالے بھوت معلوم ہو رہے ہیں۔ ان کے دوست ان پر ہنس رہے ہیں۔

کل کی باتیں

ہندوستان میں بچوں کے لئے لائبریاں بہت کم ہیں صرف چند ایک اسکولوں میں ہیں لیکن وہ بھی بہت بڑی نہیں۔ بڑودہ میں ایک پبلک لائبریری ہے جو خاص طور پر بچوں کے لئے ہے۔ اس کے کمرے بڑے۔ روشن اور ہوادار ہیں۔ ایسی آرام دہ جگہ بیٹھ کر پڑھنا بے انتہا فرحت کا باعث ہوتا ہے۔ یہاں بہت سی کتابیں ہیں جن میں خوبصورت تصویریں ہیں۔ اکثر کتابیں اتنی قیمتی ہیں کہ ہر اسکول یا ہر گھر میں ان کا رکھنا آسان نہیں۔ لیکن لائبریری میں تم سب کتابیں پڑھ سکتے ہو اور تصویریں بھی دیکھ سکتے ہو۔

کتابوں کے علاوہ دیواروں پر خوبصورت تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ ان تصویروں [illegible] بہت [illegible] بعد کیا گیا ہے۔ تصویریں اسلئے بنائی گئی ہیں تاکہ جو بچے لائبریری میں پڑھنے آئیں وہ آرٹ کی قدردانی کرنا سیکھ جائیں۔ برطانیہ اور دوسرے غیر ملکوں میں بچوں کی ایسی بہت سی لائبریاں ہیں یا پبلک لائبریریوں میں بچوں کا حصہ الگ ہے۔ یہاں چھوٹے بچوں کے لئے پریوں اور جانوروں کی کہانیوں کی کتابیں ہیں۔ بڑے لڑکے لڑکیوں کے لئے ملک کے مشہور آدمیوں کی کہانیاں، پھلوں، پرندوں، جانوروں۔ سائنس اور سیاحت کے متعلق کتابیں ہیں۔ یہ کتابیں نیچے خانوں میں رکھی جاتی ہیں تاکہ پانچ چھ برس کا بچہ بھی انھیں آسانی سے نکال لے۔ بعض کتابیں گھر بھی لیجائی جاسکتی ہیں۔ لیکن جو کتابیں بہت بڑی اور قیمتی ہوتی ہیں انھیں بچے بڑے ہوادار کمروں میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور تصویریں بھی دیکھتے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ لائبریری میں کوئی بڑی عمر کا شخص کتابوں کی باتیں بتاتا ہے۔ نئی کتابوں کے دلچسپ حصے پڑھ کر سناتا ہے تاکہ بچوں کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہو۔ پھر وہ بڑے لڑکے جو ایران۔ چین یا روس کا سفر کرچکے ہیں ان ملکوں کے قصے بتاتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ کونسی کتابوں میں ان ملکوں کا

حال ملے گا۔

وائرلیس ٹیلی وژن، ہوائی جہاز اور ہوابازی کے متعلق کتابوں کی بہت مانگ ہے۔ اکثر بچے کتابیں پڑھ کر ریڈیو بنالیتے ہیں۔ امید ہے جلدی ہندوستان کے ہر شہر میں بچوں کے لئے لائبریریوں کا انتظام ہو جائیگا۔ کل کے ہندوستان میں بچوں کی جو لائبریریاں ہونگی ہمارے آرٹسٹ نے اسکی تصویر کھینچ دی ہے۔

پہلی میں ایک سات سالہ بچہ بڑی سی کتاب میں سے تصویریں دیکھ رہا ہے۔ تمہارا دل بھی چاہنے لگا ہوگا کہ پیچھے سے اُچک کر معلوم کرو کہ وہ کیوں اتنا خوش ہے۔ ایک اور آٹھ سالہ بچی کتاب پڑھنے میں اتنی محو ہے کہ آنکھ تک اٹھا کر نہیں دیکھتی۔ اور بچے دیوار پر بنی ہوئی تصویریں دیکھ رہے ہیں۔

دوسری تصویر میں دو بچے کتابیں قرینے سے لگا کر رکھ رہے ہیں۔ شام کے وقت بچے کتابیں دیکھتے رہے۔ اور کئی نے انھیں ٹھیک جگہ پر واپس نہیں رکھا۔ اسلئے یہ لائبریری اسسٹنٹ کتابیں ٹھیک کرکے رکھ رہے ہیں۔ تاکہ جب دوسرے دن لائبریری کھلے تو سب کتابیں جگہ پر ہوں۔

اگر تمہیں کتابوں سے محبت ہے تو تم بھی انھیں احتیاط سے برتنا سیکھو۔ کتابوں کے صفحے نہ موڑو اور نہ ہی صفحوں کے بیچ میں کوئی موٹی چیز مثلاً پنسل وغیرہ نہ رکھو۔ بلکہ صفحہ پر نشان لگانے کے لئے کوئی کاغذ کا ٹکڑا استعمال کرو۔ صفحے الٹتے وقت خیال رکھو کہ وہ پھٹ نہ جائیں یا ان پر انگلیوں کے نشان نہ پڑ جائیں۔ خانے میں سے کتاب نکالتے وقت اس کا کونا پکڑ کر مت کھینچو اس سے جلد ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ کتاب کو بالکل سیدھا رکھنے کے لئے زور نہ لگاؤ۔ بلکہ دونوں ہاتھوں سے پکڑو۔ اگر تم نے یہ سب باتیں یاد رکھیں تو تمہارے شہر میں جو لائبریری بنے گی اس سے تم بہت فائدہ اٹھا سکو گے۔

لطیفہ

بیٹا: "جس کام کے کرنے میں مار کھانی پڑے اُسے کرنا چاہئے یا نہیں؟"

ماں: "کبھی نہیں!"

بیٹا: "مجھے پڑھنے میں مار کھانی پڑتی ہے۔ اسلئے میں نہیں پڑھونگا۔"

بلوچستان

(از ای کے متـرا)

ہندوستان کے بائیں مغربی کونے میں اوپر کی طرف ایک تنگ پہاڑی علاقہ ہے جو بلوچستان [illegible] ہے۔ اگر تم وہاں جاؤ تو تمہیں وہ جگہ ہندوستان [illegible] دوسرے [illegible] سے بالکل مختلف نظر آئے گی۔ وہاں [illegible] ہوئے ویران علاقے، اونچی نیچی گھاٹیاں [illegible] خشک ریگستان اور پتھریلے میدان نظر آئیں گے۔ سال کے بیشتر حصے میں منظر کا رنگ ہلکا بھورا رہتا ہے۔ کہیں کہیں ہموار وادیاں بھی ہیں جہاں آب پاشی کے ذریعے اچھی فصل ہونے لگی ہے۔ چٹیل پہاڑوں کے بیچ میں اکثر تنگ گھاٹیاں ہیں جہاں موسم بہار کے شروع میں شفاف پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ان کے قریب پہاڑوں کے دامن پر کھیتوں کی پٹیاں سیڑھیوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ بہار کے موسم میں جب ان کھیتوں میں فصل ہوتی ہے تو یہ ہرے نظر آتے ہیں۔ انگور کی بیلوں سے لدے ہوئے بید کے درخت پانی پر سایہ کئے رہتے ہیں۔ ان چشموں کے کنارے تندرست اور طاقت ور بچے کھیلتے ہیں جن کے گال گلاب سے ہوتے ہیں۔

کوئٹہ بلوچستان کا دارالسلطنت ہے۔ جب روشن صبح کو چاروں طرف پہاڑی چوٹیاں برف سے [illegible] ہوتی ہیں تو کوئٹہ بہت [illegible] لگتا ہے۔

بلوچستان میں بہار کا موسم بہت دلکش ہوتا ہے کیونکہ اس وقت جھلسی ہوئی پہاڑی چٹانیں پھولوں کے رنگین تختوں میں بدل جاتی ہیں۔ لیکن یہ منظر صرف چند ہفتوں تک رہتا ہے کیونکہ بہت جلد ہر چیز دوبارہ دھوپ سے جھلس جاتی ہے۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں کے برخلاف بلوچستان میں مانسون نہیں آتی۔ بارش بہت کم ہوتی ہے اور سال کے کسی حصے میں ہو جاتی ہے۔

بلوچستان کے معنی ہیں بلوچیوں یعنی خانہ بدوشوں کا ملک۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ [illegible] تھے اور اب ملک کا نام ان کے نام پر پڑ گیا۔ [illegible] بلوچی [illegible] جتنے افغان اور براہوی ہیں۔ افغان [illegible] کرتے ہیں لیکن براہویوں کا گزارہ [illegible] ہے۔

افغان لانبا، ڈھیلا کرتا پہنتے ہیں اور ان کے کاندھوں پر ایک چادر پڑی رہتی ہے۔ جب سردی زیادہ ہوتی ہے تو وہ نمدے کا کوٹ پہن لیتے ہیں۔ [illegible] کی ڈھیلی آستینیں لٹکتی رہتی ہیں۔ افغان

عورتیں شوخ رنگ کا ڈھیلا کرتا پائجامہ پہنتی ہیں اور سر کو چادر سے ڈھکتی ہیں۔

بلوچی عورتوں کا لباس بھی یہی ہے۔ لیکن اس کا رنگ یا تو سرخ ہوتا ہے یا سفید۔ بلوچیوں اور افغانوں میں کافی فرق ہوتا ہے کیونکہ بلوچی مرد ایڑیوں تک کی لانبی عبا پہنتے ہیں جس میں کمر پر چینٹ پڑی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ چوڑے پائجامے ہوتے ہیں اور گلے میں سوتی ... ایک تنگ کلاہ کے ساتھ ایک سفید پگڑی باندھتے ہیں۔ بروہیوں کے لباس پر رنگین کڑھائی کا کام ہوتا ہے۔

بلوچستان میں شہروں کی تعداد بہت کم ہے۔ گاؤں بھی زیادہ نہیں زیادہ تر گاؤں چھوٹے چھوٹے ہیں، صرف مٹی کے چند جھونپڑوں کا مجموعہ۔ گرمیوں میں جب کسان اپنے کھیتوں کے پاس خیموں میں رہنے چلے جاتے ہیں تو یہ گاؤں بھی ویران ہو جاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ خانہ بدوش ہیں۔ ... یا کھمبوں پر تنے ... کے رہنے کے مخصوص مکانات ہیں۔ جھونپڑے کبھی کبھی پچاس فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اونچائی بہت کم ہوتی ہے یعنی زیادہ سے زیادہ چار فٹ۔ بیچ میں ایک حدِ فاصل ہوتی ہے جس کے ایک طرف آدمی رہتے ہیں اور دوسری طرف مویشی۔

بلوچستان کے لوگ کھیل کود کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ بلوچی اور بروہی دوڑ، شکار اور نشانہ بازی پسند کرتے ہیں۔ افغانوں میں گولی کھیلنا، کبڈی اور اسی قسم کے دوسرے کھیلوں کا رواج ہے۔

بلوچستان پھلوں کے لئے مشہور ہے۔ کوئٹہ اور چمن کے انگور، سردے، کھجور اور آڑو ہندوستان ... وں میں بکتے ہیں اور پسند ... کیونکہ بہت لذیذ ہوتے ہیں۔

بلوچستان ... صوبہ ہے اس لئے وہاں گورنر کے بجائے گورنر جنرل کا ایک نمائندہ رہتا ہے۔ بعض حصّوں میں ہندوستانی ریاستیں ہیں جیسے قلات اور لاس بیلا۔ دوسرے ضلعوں میں حکومت جرگوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس میں علاقے کے بڑے بوڑھے پنچایت کے اصولوں پر کام کرتے ہیں ٭

ہماری خدمت کرنیوالے

سوشیلا نے مالتی کو

واٹر سپلائی

کا طریقہ سمجھایا

عزیز احمد

مالتی جب لکھنؤ پہونچی تو سخت گرمی تھی۔ وہ اپنے گاؤں سے اپنی چچازاد بہن سوشیلا کے پاس چند دنوں کے لئے آئی تھی۔ دونوں کو بہت خوشی ہوئی کیونکہ ان کی ملاقات ایک عرصے کے بعد ہوئی تھی۔ خاص طور پر مالتی بہت جوش میں تھی کیونکہ اس سے پہلے کبھی بڑے شہر میں نہ آئی تھی۔ دعا سلام اور بات چیت کے بعد سوشیلا مالتی کو غسل خانے لے گئی۔ یہ طے ہوا کہ مالتی کے نہانے کے بعد چائے پی جائے گی۔

لیکن غسل خانہ مالتی کے لئے عجیب چیز تھا۔ وہاں نہ بالٹی تھی نہ لوٹا، نہ پانی کا کوئی نشان۔ صابن، تولیہ، کپڑے سب ٹھیک تھے، لیکن پانی کہاں سے آتا؟ وہ بہت پریشان ہوئی اور باہر نکل آئی۔ سوشیلا نے مالتی کی کہانی سنی تو بہت ہنسی اور اس کے ساتھ غسل خانے میں گئی۔ دیوار سے لوہے کا ایک پائپ نکلا ہوا تھا۔

سوشیلا نے اس کا ہتھا گھمایا اور پانی کی ایک زبردست دھار اس میں سے بہہ نکلی۔ مالتی کو تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی۔

مالتی خوب نہائی اور پائپ کے ٹھنڈے صاف پانی میں اسے بڑا لطف آیا لیکن اسے تعجب تھا کہ یہ پانی آتا کہاں سے ہے جب وہ باہر آئی تو وہ اپنی حیرت کو چھپا نہ سکی اور سوشیلا سے اس کی بابت پوچھا۔

"تم جانتی ہو کہ بارش کا پانی اور پہاڑوں کی چوٹی پر سے پگھلی ہوئی برف کا پانی بہہ کر نیچے وادیوں میں آتا ہے۔ پہلے تو پانی کے چشمے ڈھلوان وادیوں میں بڑی تیزی سے بہتے ہیں۔ اسکے بعد رفتہ رفتہ ڈھلان کم ہوتی جاتی ہے تو پانی کا بہاؤ بھی مدھم پڑتا جاتا ہے۔ آخر میدان میں پہونچ کر اس کا بہاؤ بالکل سست ہو جاتا ہے اور یہ چوڑے دریا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔
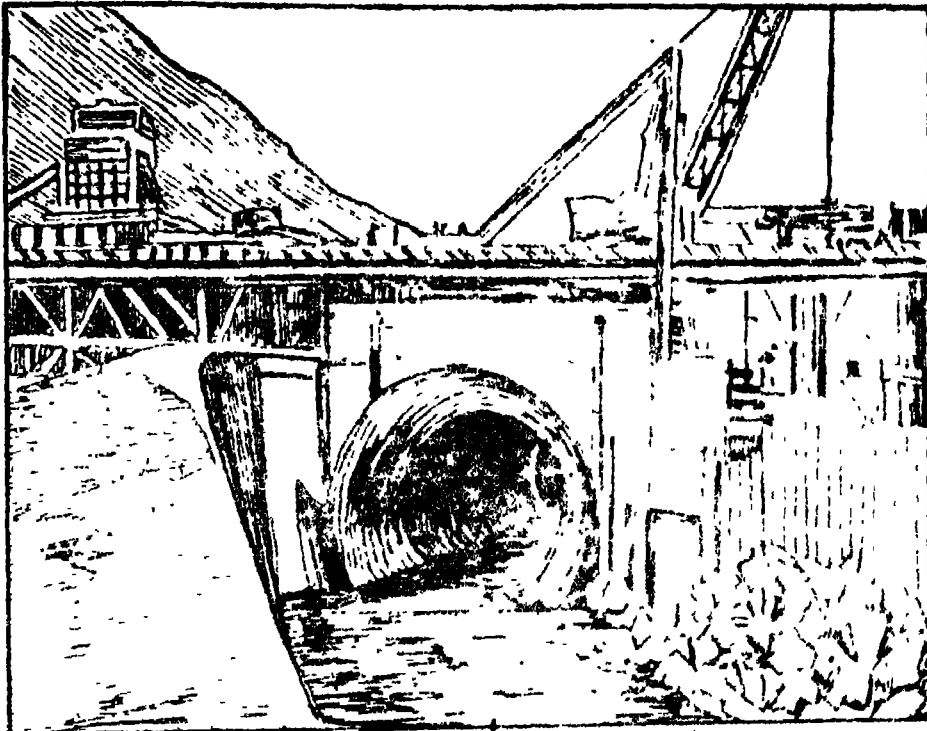
"گاؤں میں تم کنوئیں سے پانی بھرتی ہو۔ اور مالتی تمہیں یاد ہوگا کہ ایک دفعہ جب ہم چھٹیوں میں پہاڑ پر گئے تھے تو ایک خوبصورت چشمے سے پانی بھرا کرتے تھے۔ مگر جو لوگ بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں وہ تو یہ نہیں کر سکتے۔ اسلئے ان کے لئے پانی کا انتظام میونسپل کمیٹی یا کارپوریشن کی طرف سے ہوتا ہے۔

"اگر شہر کے قریب کوئی دریا ہو تو بڑی آسانی ہوتی ہے۔ ورنہ بند یا مصنوعی جھیل بنا کر پانی ایک بڑے تالاب میں جمع کر لیا جاتا ہے اس تالاب کو

ذخیرہ کہتے ہیں۔ ذخیرے سے پانی ضرورت کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔

"پھر پمپوں کے ذریعے یہ پانی اوپر کھینچا جاتا ہے۔ یہ پمپ دریاؤں اور جھیلوں سے پانی اسی اصول کے مطابق کھینچتے ہیں جس طرح ہم تم شربت کے گلاس سے نلکی کے ذریعہ شربت کھینچتے ہیں۔ اس کے بعد پانی بڑے بڑے پائپوں کے ذریعے ایک ذخیرے میں لیجا کر جمع کیا جاتا ہے۔ یہ پائپ زمین کے اندر ہوتے ہیں اور کبھی کبھی انھیں ذخیرے تک جانے کے لئے دریا اور گھاٹیاں پار کرنے ہوتے ہیں۔ ان پائپوں کو لگانے کے کام میں انجینئری کی لیاقت، سوجھ بوجھ اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

"لیکن ذخیرے کا پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ریت کے ذرّے، پتّیاں، کوڑا کرکٹ اور دوسری گندگیاں ہوتی ہیں۔ کچھ دیر تک پانی ذخیرے میں ٹھہرا رہتا ہے تاکہ گرد و غبار اور گندگی تہ میں بیٹھ جائے اسکے بعد پانی صاف کیا جاتا ہے۔ اس کام کے کئی طریقے ہیں۔ عام طور پر ایک مینار نما عمارت ہوتی ہے جسے "رسیور" کہتے ہیں۔ ذخیرے سے پائپ میں جاتے ہوئے پانی اس رسیور میں ہو کر گزرتا ہے۔ اس میں چارکول ہوتا ہے جو ساری گندگی کو روک لیتا ہے اور صرف صاف پانی چھن کر نکل جاتا ہے۔ اسی دوران میں پانی میں تھوڑی سی کلورین ملائی جاتی ہے تاکہ اگر اس میں خطرناک جراثیم ہوں تو مر جائیں اکثر آکسیجن پانی میں داخل کی جاتی ہے کیونکہ تم جانتی ہو کہ اس سے ساری گندگیاں دور ہو جاتی ہیں۔

"صاف ہونیکے بعد پانی اس پائپ میں جاتا ہے جو ہمارے گھروں کو آتے ہیں لیکن مالتی یہ مت سمجھو کہ ایک گلی سے دوسری گلی اور ایک گھر سے دوسرے گھر تک پائپ بچھانا آسان کام ہے۔ اس کے لئے بڑے کمال، سخت محنت اور بہت روپوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

"یہ شفاف اور چمکدار پانی جو ہمارے نلکے سے نکلتا ہے اسے یہاں تک لانے میں بہت سے لوگوں کی ملی جلی کوششیں صرف ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے تو وہ انجینئر تھے جنھوں نے بند بنائے اور دریا یا جھیل کے پانی کو بڑے بڑے پائپوں کے ذریعے ذخیرے تک لائے پھر وہ لوگ جو ذخیروں کو ٹھیک حالت میں اور صاف رکھنے کے کام پر معمور ہیں۔ ان محنتی مزدوروں کا خیال کرو جنھوں نے پائپ بچھانے کے لئے زمین کھودی تھی انکے علاوہ واٹر سپلائی کے

(باقی صفحہ ۵ پر)

چالاک گیدڑ

(جالج برنٹ نے پشتو کی ایک کہانی سے اپنایا)

کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ اس نے ایک بندر کو اپنے ساتھ رکھ چھوڑا تھا۔ ایک دن اسے کسی ضروری کام سے باہر جانا تھا۔ اس نے بندر سے گھر کی حفاظت کرنے کو کہا: "جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں بیٹھے رہو اور چاہے کچھ ہو جائے کسی کو گھر میں مت داخل ہونے دو۔"

شیر کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک گیدڑ اپنے بیوی بچوں سمیت ادھر سے گذرا۔ انھیں وہ جگہ پسند آئی اور انھوں نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ بندر فوراً پیڑ پر سے اچکا اور بولا: "خبردار۔ یہ جگہ شیر کی ہے۔ وہ واپس آ کر تمہیں یہاں دیکھے گا تو ناراض ہوگا اور خواہ مخواہ جھگڑا ہوگا۔" گیدڑ نے غرّا کر جواب دیا: "بھاگ جاؤ۔ مجھے پریشان مت کرو۔ یہ جگہ تو میرے باپ نے میرے لئے چھوڑی تھی۔ اور اگر یہ نہ بھی ہوتا تو تمہیں اس سے کیا؟"

بندر چپ ہو گیا لیکن اس نے سوچا کہ اگر کوئی بات ہوئی تو آفت گیدڑ پر ہی آئے گی۔ گیدڑ کی بیوی ذرا ڈرپوک تھی۔ اس نے اپنے میاں سے کہا کہ یہ جگہ فوراً چھوڑ دینی چاہئے۔ لیکن وہ بولا: "گھبراؤ مت۔ شیر آئیگا تو میں اس سے نبٹ لوں گا۔"

اتنے میں شیر آتا نظر آیا۔ بندر بھاگا ہوا گیا اور اس سے ساری کہانی کہہ سنائی۔ شیر کو بڑا تعجب ہوا وہ بولا: "یہ گیدڑ نہیں ہو سکتا۔ یہ یقیناً کوئی اور بلا ہے جس نے بھیس بدل رکھا ہے۔ گیدڑ میرے گھر میں گھسنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔" اسی دوران میں گیدڑ کے بچوں کے رونے اور میاں بیوی کے بات کرنے کی آواز آئی۔ دراصل گیدڑ نے اپنی بیوی کو پہلے ہی سکھا دیا تھا کہ کیا بات کرنی چاہیے۔

"بچوں کو کیا ہوا؟" گیدڑ نے پوچھا۔

"یہ شیر کا تازہ گوشت کھانا چاہتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔" اسکی بیوی بولی۔

"لیکن میں نے کل جو شیر مارا تھا اسے انھوں نے ابھی ختم تو نہ کیا ہوگا۔" گیدڑ نے کہا۔

"نہیں۔ لیکن وہ باسی گوشت نہیں کھاتے۔" بیوی نے جواب دیا۔

بچے روتے رہے۔ اس پر ماں نے انھیں تسلی دی: "رو مت، میرے بچو۔ ابھی ایک بڑا شیر یہاں آئے گا اور تمہارے ابا اسے مار کر تمہیں کھلائیں گے۔"

اب تو شیر کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی بلا ہے جس نے اس کے گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سوچ کر وہ بڑی تیزی سے بھاگا۔ بندر اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتا ہوا بھاگا: "شیر صاحب بیوقوف مت بنئے۔ یہ گیدڑ ہی ہے اور آپ کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔" لیکن شیر نے اپنے مضبوط پنجوں سے بندر کے ایک طمانچہ لگایا۔ اور اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگا اور ایک دفعہ بھی مڑ کر نہ دیکھا۔

اور گیدڑ اور اس کے بیوی بچے مزے سے وہاں رہنے لگے۔

(آر چیمبر کے شکریے کے ساتھ)

نئی کتابیں

(۱) نیلم جوہری (۲) کامیاب لڑکا (۳) شہزادہ گوہر (۴) فقیروں کا بادشاہ

یہ کتابیں دہلی کے مشہور ادیب سیّد یوسف بخاری صاحب نے بچّوں کے لئے دہلی کی ستھری اور میٹھی زبان میں لکھی ہیں۔ کہانیوں کے پلاٹ نئے نہیں ہیں اور شاید یوسف صاحب نے انھیں الف لیلہ اور دوسری کہانیوں سے اپنایا ہے پھر بھی کہانیاں دلچسپ اور مزے دار ہیں اور بچّے ان سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ یوسف صاحب کی زبان نے ان کہانیوں میں جان ڈال دی ہے۔

کتابیں سفید کاغذ پر صفائی سے چھاپی گئی ہیں اور 'مکتبہ جہاں نما' اردو بازار دہلی سے پانچ پانچ آنے میں مل سکتی ہیں۔

گندا انڈا پانی میں تیرتا کیوں ہے؟

تازے انڈے میں جو سفیدی ہوتی ہے وہ پانی سے بھاری ہوتی ہے۔ اس لئے جب تازہ انڈا پانی میں ڈالا جاتا ہے تو ڈوب جاتا ہے۔ لیکن جب انڈا گندا ہو جاتا ہے تو سفیدی گیس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گیس پانی سے ہلکی ہوتی ہے۔ اسلئے گندا انڈا پانی میں تیرتا رہتا ہے۔

بعض پودے سنگین کی طرح ہوتے ہیں؟

اگیو ایک قسم کا پودا ہے جو میکسیکو اور آس پاس کے ملکوں میں ہوتا ہے۔ یہ بہت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ پوری طرح بڑھنے کے بعد یہ پھولوں کے گچھے کی طرح نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی اس کی اونچائی بیس فٹ تک ہوتی ہے۔ اس کی پتیاں اتنی سخت اور نوکیلی ہوتی ہیں جیسے سنگین۔ کئی دفعہ گھوڑے ان سے ٹکرا کر زخمی ہوئے اور مر گئے۔

عقاب سب سے تیز شکاری پرندہ ہے؟

سارے شکاری پرندوں میں عقاب کی نگاہیں سب سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ یہ بہت دور سے شکار کو تاڑ لیتا ہے اور بہت نڈر اور خوفناک شکاری ہے۔ ایک دفعہ عقاب کے گھونسلے میں تین سو بطوں، پچاس خرگوشوں اور کئی بھیڑوں کے ڈھانچے پائے گئے تھے۔ کئی عقاب اپنی چونچ میں بچے پکڑے گئے ہیں۔

ہمیں بھوک کیوں لگتی ہے؟

جب ہم کچھ کھانا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہمیں بھوک لگی ہے۔ بھوک دراصل خون کی وجہ سے لگتی ہے۔ جب خون کے اندر غذائی مادّہ ختم ہو جاتا ہے تو اسے اور غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر یہ دماغ سے ہو کر گزرتا ہے تو دماغ کو محسوس ہوتا ہے کہ خون کو غذا کی ضرورت ہے۔ اس احساس کو ہم بھوک کہتے ہیں۔

سرورق کے اندر کی تصویر کے بارے میں

سرورق کے اندر جس عمارت کی تصویر دی گئی ہے وہ ریاست نوانگر میں جام نگر کے مقام پر ہے اور کوٹھا کہلاتی ہے۔ اسکی غیر معمولی خوبصورتی اور شان و شوکت دیکھنے کے لائق ہے۔

نوانگر کے حکمراں جام صاحب کہلاتے ہیں اور کھیل کود کے بڑے شوقین ہیں۔ انھیں کرکٹ، ٹینس اور شکار سے دلچسپی ہے۔ وہ کرکٹ کے بہت اچھے کھلاڑی ہیں اور اسی لئے بہت مشہور ہیں۔

برطانوی یا ہندوستان کی قومی حکومت میں

بینکوں کی حالت

عوام کی خوش باشی کا زیادہ انحصار صرف روپے پر ہے لیکن روپیہ اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک آدمی کو کافی تجربہ نہ ہو۔ اور ہندوستان میں اس تجربہ ہی کی بڑی کمی ہے۔ عوام میں پنشن یافتہ، بوڑھے اور بیوائیں جنہیں اس قسم کا ذاتی تجربہ بالکل نہیں ہوتا اس بات کی متوقع رہتی ہیں کہ چاہے دنیا میں کیسا ہی انقلاب آ جائے ان کا روپیہ جو بینک میں محفوظ ہے کسی طرح کم یا نہ جائے۔

بینک کے محفوظ رہنے کا دار و مدار بینک کے قائم کرنے والوں کے ذاتی سرمایہ باصحاب انتظام کرنے، بے لوث دلچسپی، وسیع تجربہ، (نہ کہ بڑے نام، زیادہ سرمایہ، ملازمین پر اعتماد) اپنے آدمیوں کے ساتھ نامناسب رعایت، کڑی محنت سخت نگرانی، شئے لطیف کے فاضل مادہ، ہوا کے بدلتے ہوئے رخ کے ساتھ بدل جانے کی اہلیت بہت زیادہ روپیہ نہ لگانے، لیکن زیادہ سے زیادہ روپیہ جو مطالبہ پر ادا ہو سکے قرض لینے یا لینے کی امید اپنے ذاتی نقد کا تناسب کم رکھنے، ظاہری ٹیپ ٹاپ اور سجاوٹ پر زیادہ خرچ نہ کرنے، سرکاری ضابطہ داری، فوری کامیابی کے لئے مناسب نمود و نمائش، غیر محفوظ رہنگی میں اپنے سرمایہ اور محفوظ رقم کو بدعم کر دینے اور چالو سرمایہ پر دو سے تین فیصدی تک منافع لینے لیکن حصہ داروں کو آٹھ سے بارہ فی صدی تک سود دینے پر منحصر ہے۔ بینک چلانے کے واسطے سکون کو بھی اور کاروبار کو محفوظ رکھنے کی خاص دماغی صلاحیت کی بھی ضرورت ہے، یہ کام رفتہ رفتہ لیکن آگے چل کر مستقل طور پر انہی صورتوں میں پروان چڑھ سکتا ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیتوں یا سرمایہ کی کمی کی وجہ سے پچھلے زمانہ میں اکثر بینک غضب ہو گئے یا جب کسانوں کی فلاح اور مرہونہ جائداد کے اصلاحی قوانین نافذ ہوئے پھر جب ساہوکاروں کا کام بہت پھیل گیا، پھر ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۱ء میں سرکاری کاغذات پر، پھر اشیائے خوردنی وغیرہ پر، پھر لڑائی کے زمانہ میں ملایا، پینانگ، برما اور سنگاپور میں ان کو سخت نقصانات ہوئے اور عوام کو شدید خسارہ

ان باتوں کا دھیان رکھتے ہوئے

دی جوالا بینک لمیٹڈ

میں کوئی خامی نہیں ہے

مجموعی قرضہ کی رقم:- ایک کروڑ

نقد مالیت:- ایک کروڑ سات لاکھ

صدر دفتر:- آگرہ (قائم شدہ ۱۹۲۳ء)، شاخیں تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔

بمبئی کی شاخ:- پارسی بی روڈ۔ سہراب ہاؤس

پونا کی شاخ:- الیسٹ اسٹریٹ۔ لائبریری بلڈنگ۔

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

ہندوستان کے بہت سے حصوں میں بارش شروع ہو گئی ہے۔ تمہیں بجائے بھاگے بھاگے پھرنے کے اکثر گھر میں بیٹھنا پڑتا ہوگا۔ اس مرتبہ ہم تمہیں ایک نیا انعامی مقابلہ دے رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ بارش کے دنوں میں اسے حل کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا۔ یہ امتحان معلومات عامہ کا ہے۔ اگر تمہیں کسی سوال کا جواب نہ آئے تو کتابوں میں سے بھی دیکھ سکتے ہو۔

بارش شروع ہونے کی وجہ سے موسم اچھا ہو گیا ہے اور کام کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا گرمیوں میں تھا۔ قدرت نے جو خوبصورت پھول اور پرندے وغیرہ پیدا کئے ہیں ان کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ ساتھ دل لگا کر اسکول کا کام بھی کرو۔ فقط

تمہاری خالہ

مسرت

خفیہ پیغام

نصگبپ ثری نپ لراذبۂ

عزیز ممبران!
تمہیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ نوڈے لیگ کے بِلّے تیار ہو گئے ہیں۔ یہ رسالہ پہنچنے تک تمہیں بِلّے مل چکے ہوں گے۔ ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ خوب صورت ہیں نا!

کئی ممبروں نے غیر ملکی دوست بنانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اگر ہندوستان سے باہر کا کوئی بچہ کسی ہندوستانی بچے سے خط و کتابت کرنا چاہے تو وہ مجھے اطلاع دے۔ میں انتظام کردوں گی۔

ایک ضروری بات اور ہے اور وہ یہ کہ اکثر ممبر صرف فارم ممبر کر بھیج دیتے ہیں لیکن ساتھ میں آٹھ آنے ممبری فیس کے نہیں بھیجتے۔ جب تک وہ آٹھ آنے فیس کے نہ بھیجیں گے انھیں ممبر نہیں بنایا جا سکتا۔ آئندہ سے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے فقط

خالہ:۔
مسرت

فارم ممبری برائے نوڈے لیگ

خریداری نمبر ـــــــــــــــــــ
چندہ بھیجنے کی تاریخ ـــــــــــ چندہ ختم ہونے کی تاریخ ـــــــــــ
نام ـــــــــــــــــــ
تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ـــــــــــ
سرپرست کا نام ـــــــــــ
پورا پتہ ـــــــــــــــــــ

دستخط ـــــــــــ
تاریخ ـــــــــــ

اور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
وہ اِس وقت بہت کچھ سیکھ رہا ہے لیکن زندگی میں لائف بوائے
صابن کے روزانہ استعمال کی عادت سے زیادہ کوئی چیز کام
نہیں آئے گی۔ اُس کی ماں خوش ہے، اور اُسے
فخر ہے کہ اس نے گرد و غبار کے اس خطرہ کے
متعلق سبق دیا ہے جو ہر جگہ غیر محتاط آدمیوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہے۔
LIFEBUOY
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

اہرام کی ملکہ

(حصّہ دوئم)

فرعون کے قاصد وادیٔ نیل کے ہر شہر میں گئے۔ وہ دمکتی ہوئی جوتی ساتھ لے گئے اور انھوں نے فرعون کا پیغام اس طرح پڑھ کر سنایا کہ سب سُن سکیں۔

مصر کی بہت سی خوبصورت خواتین نے اس جوتی کو اپنا بتایا۔ اور جنہوں نے اسکی بابت سن رکھا تھا وہ اس کا مصنوعی جوڑ بھی بنوا لائیں۔ لیکن جب ان سے کہا گیا کہ وہ جوتی پہنیں جو قاصد ساتھ لائے تھے تو وہ ناکام ہو گئیں کیونکہ جوتی ہمیشہ چھوٹی رہی۔

آخر قاصد نقراطیس نامی شہر میں پہونچے جہاں روڈوفس اونچی اونچی پتھر کی دیواروں کے اندر اپنے محل میں رہتی تھی۔ انھوں نے فرعون کا پیغام پڑھ کر سنایا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس شہر میں بھی کوئی ایسی خاتون نہ تھیں جنکے پیر میں جوتی ٹھیک آتی۔

لیکن جلد ہی ایک بوڑھی عورت قاصدوں کے سردار کے پاس آئی۔ اس کے بدن پر جھرّیاں پڑی تھیں اور کمر دوہری ہو گئی تھی۔ بہت سی امیرزادیاں اپنے نازک پیروں میں جوتی ڈالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جب سردار نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت ان امیرزادیوں میں گھسنے کی کوشش کر رہی ہے تو اسے ہنسی آئی۔ وہ سمجھا کہ وہ بھی جوتی پہننے کے لئے آئی ہے۔

"ہا۔ ہا۔ اس بڑھیا کا پیر اس حسین جوتی میں آئیگا؟" اس نے کہا۔ اس کے چاروں طرف لوگ ہنسنے لگے۔

"میں جوتی پہننے نہیں آئی ہوں ملکہ بادشاہ کا انعام لینے آئی ہوں۔" بڑھیا بولی۔

"اچھا۔ یہ بڑھیا جانتی ہے کہ وہ خاتون جس کی یہ جوتی ہے، کہاں ہے۔" قاصدوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بوڑھی عورت کی عقل پر مت ہنسو" بڑھیا بولی۔ "جاؤ خاتون روڈوفس کے گھر جاؤ اور یہ جوتی انھیں پہناؤ۔"

"خاتون روڈوفس! وہ کون ہیں" قاصدوں نے پوچھا۔

"وہ مصر کی سب سے حسین خاتون ہیں لیکن چونکہ وہ کبھی اپنے محل سے باہر نہیں نکلتیں اسلئے بہت کم لوگوں نے انھیں دیکھا ہے" بڑھیا نے کہا۔

قاصدوں کے سردار نے پوچھا "وہ کہاں رہتی ہیں؟ ہمیں بتاؤ تاکہ ہم فوراً ان کے پاس جائیں۔"

"ان کا محل پتھر کی اونچی دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور شہر کے شمال میں دریا کے کنارے واقع ہے۔"

قاصد جلدی سے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ انھیں پتھر کی ایک اونچی دیوار نظر آئی۔ پھاٹک میں سے انھوں نے ایک خوبصورت باغ دیکھا۔ لیکن پھاٹک بند تھا اور قاصدوں کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑا جب تک خوبصورت خاتون کے نوکر پھاٹک پر نہیں آئے۔

"کیا یہ خاتون روڈوفس کا محل ہے؟" انھوں نے پوچھا۔ ایک نوکر خاموشی سے باہر آیا اور بولا، "میری مالکہ کا نام خاتون روڈوفس ہے لیکن بغیر ان کے بلاوے کے کسی کو محل میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔"

قاصد بولے "ان سے کہدو کہ ہم فرعون کے پاس سے آئے ہیں۔" نوکر آداب بجا لایا اور اپنی مالکہ کے پاس گیا۔ روڈوفس کو یہ سُنکر تعجب ہوا کہ قاصد اسکے محل کے پھاٹک پر کھڑے ہیں۔ "فرعون اعظم کو مجھ سے کیا کام؟" اس نے کہا۔ "کاش میں ان قاصدوں کو واپس کر سکتی لیکن مجھ میں اتنی مجال نہیں اسلئے انھیں آنے دو کہ وہ فرعون کا پیام سنائیں۔"

چنانچہ شاہی قاصد کو محل میں آنے کی اجازت دیدی گئی۔ وہ روڈوفس کے سامنے جھک کر مؤدب کھڑے رہے۔ آخر وہ بولی :۔ میرے نوکروں نے مجھے بتایا ہے کہ تم فرعون اعظم کے پاس سے میرے لئے پیغام لائے ہو۔ سو عظیم شہنشاہ مجھے کیا پیغام بھیج سکتا ہے؟

جواب میں قاصدوں کے سردار نے فرعون کا وعدہ پڑھا کہ مصر کے شہروں میں جڑاؤ جوتی گھمائی جا رہی تھی۔ وہ جس خاتون کے پیر میں آ جائیگی اسے شہنشاہ عزت بخشے گا۔ جب قاصد پیام پڑھ چکا تو اس نے روڈوفس کو ایک چمکتی ہوئی جوتی دکھائی۔ وہ مسکرائی۔ اسکی مسکراہٹ میں خوبصورتی اور مسرت تھی۔ قاصد اسکے سامنے دوزانو ہو بیٹھا اور اس نے جوتی پہننے کی درخواست کی۔ اس نے جڑاؤ جوتی لے کر اپنے پیر میں پہن لی۔ جوتی بالکل ٹھیک تھی اور تمام نوکروں کے گرد پھیلا اثر آ: یہ ٹھیک ہے جڑاؤ جوتی ٹھیک ہے۔ ہماری تلاش ختم ہو گئی : قاصدوں کا سردار چلایا۔

روڈوفس ایک صندوقچے کی طرف مڑی اور اس میں سے دوسری جوتی نکالکر دوسرے پیر میں پہن لی۔ قاصدوں کو حیرت بھی تھی اور مسرت بھی کیونکہ یہ تو اسی جوتی کا جوڑا تھی جسے لیکر وہ فرعون کے حکم سے مصر بھر میں پھرے تھے کہ اسکی مالک کا پتہ لگائیں۔ قاصدوں کا سردار پھر بولا :۔ فرعون اعظم کی خواہش ہے کہ یہ جوتی جن خاتون کے ٹھیک ہو وہ ہمارے ساتھ دارالسلطنت چلیں :

روڈوفس شرم سے لال ہو گئی اور زیادہ خوبصورت معلوم ہونے لگی۔ وہ بولی :۔ "فرعون کے حکم کی تعمیل ضروری ہے" اگلے دن روڈوفس اپنے محل سے ممفس کی طرف روانہ ہو گئی اور جب وہاں پہونچی تو اپنی جڑاؤ جوتیاں پہنے ہوئے تھی۔

فرعون نے اس کی چمکتی ہوئی جوتیوں سے اسکے چہرے تک دیکھا اور اس کے حسن پر عاشق ہو گیا۔ اس نے اسے اپنی ملکہ بنا لیا تاکہ وہ ہمیشہ دارالسلطنت میں رہے۔

اور جب ایک دوہری کمر والی بڑھیا ممفس پہونچی اور فرعون سے انعام مانگا تو اسے تھیلا بھر سونا دیا گیا تاکہ وہ عمر بھر امیروں کی طرح زندگی بسر کر سکے۔

فرعون نے وعدہ کیا تھا کہ جڑاؤ جوتیوں والی خاتون کی عزت کرے گا۔ چنانچہ اس نے روڈوفس کو وہ سب کچھ دیا جسکی ایک ملکہ کو خواہش ہو سکتی ہے۔

روڈوفس جب تک زندہ رہی خوبصورت رہی اور جب مری تو اسے ایک بڑے احترام کی خاموشی میں دفن کر دیا گیا۔ فرعون نے اپنے غلاموں سے یہ اہرام بنوایا۔ جڑاؤ جوتیوں والی ملکہ کے لئے بنوایا تھا جو مصر کی سب سے حسین خاتون تھی ؛

سسٹر نویدیتا
بقیہ صفحہ ۶

عظمت دیکھ کر اور یہاں کی روایتیں معلوم کر کے ان پر بہت اثر ہوا۔ انھیں آتے ہی کندھوں پر بھاری کاموں کا بوجھ لادنا پڑا۔

کلکتہ میں پلیگ پھیل گئی چند نوجوانوں کو لیکر سسٹر نویدیتا نے اپنا کام شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے سڑکیں اور نالیاں صاف کیں۔ غلاظت کو دبایا اور مریضوں کی تیمارداری کی۔

تھوڑے عرصے کے بعد سوامی ودیکانندا کا انتقال ہو گیا۔ لیکن مس نوبل نے اپنا کام جاری رکھا اور شادی شدہ عورتوں اور بچوں کے لئے ایک اسکول کھولا۔ اس کے باوجود وہ لکھنے کے لئے بھی کچھ وقت نکال لیتی تھیں۔ انھوں نے اپنے استاد کے مقولوں کو قلم بند کیا۔ ان کی سب سے مشہور کتابیں ہیں :۔ "دی ویب آف انڈین لائف" اور "کریڈل ٹیلز"۔ دوسری کتاب بچوں کے لئے ہے۔

۱۹۰۶ء میں سیلاب آیا۔ اور اس کے بعد بنگال میں قحط پڑ گیا۔ سسٹر نویدیتا کو اپنا سکول اور کتابیں چھوڑ کر قحط زدوں کی مدد کے لئے جانا پڑا۔ انھیں بہت محنت سے کام کرنا پڑا جسکی وجہ سے ان کی صحت تباہ ہو گئی۔ انھیں ملیریا ہو گیا۔ اور زیادہ کام کی وجہ سے انھیں آرام لینے کی فرصت نہ ملی۔

۱۲ راکتوبر ۱۹۱۱ء کو وہ اس جہاں سے کوچ کر گئیں سارے ہندوستان میں ان کا ماتم کیا گیا۔ سسٹر نویدیتا کو ہندوستان کی عظمت کا یقین تھا اور ہندوستان کی خدمت کر کے انھیں انتہائی مسرت ہوتی تھی۔ ہندوستان سے محبت کرنے والوں میں ہمیشہ سسٹر نویدیتا کا نام عزت سے لیا جائیگا۔

اوشا راجیندر ناتھ

معلوماتِ عامّہ کا مقابلہ

نیچے کچھ سوالات درج ہیں، انھیں غور سے پڑھو اور ایک کاغذ پر ہر سوال کا نمبر لکھ کر جواب لکھتے جاؤ۔ کوپن میں اپنا نام پتہ اور عمر بھر کر جواب کے ساتھ ہمیں بھیج دو۔ جن دو بچوں کے نمبر سب سے زیادہ ہوں گے انھیں انعام میں کتابیں دی جائیں گی۔ صحیح حل اگلے مہینے کے پرچے میں دیا جائے گا۔ داخلے کی آخری تاریخ ۱۵ ستمبر ہے۔

(۱) الحمرا کونسے شہر میں ہے۔
(۲) دنیا میں سب سے زیادہ تنباکو کس ملک میں پیدا ہوتا ہے۔
(۳) گوتم بدھ کہاں پیدا ہوئے تھے۔
(۴) ہندوستان اور افغانستان کو کونسا درہ ملاتا ہے۔
(۵) ٹیکہ کس نے ایجاد کیا۔
(۶) کیا دو شخصوں کے انگلیوں کے نشان ایک جیسے ہوسکتے ہیں۔
(۷) کس جانور نے سب سے زیادہ ارتقائی منزلیں طے کی ہیں۔
(۸) چاندی کس ملک میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔
(۹) کس وٹمین کی کمی سے کورشبی (رات کو دکھائی نہ دینا) کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔
(۱۰) مصر کا دارالخلافہ قاہرہ ہے یا اسکندریہ۔
(۱۱) دنیا میں سب سے بڑی مونگے کی چٹانیں کہاں ہیں۔
(۱۲) سب سے زیادہ بھاری دھات کونسی ہے۔
(۱۳) دنیا میں سب سے بڑی میٹھے پانی کی جھیل کہاں ہے۔
(۱۴) فتح پور سیکری کس نے آباد کیا۔
(۱۵) شہد کی مکھی کے کتنے پر ہوتے ہیں۔
(۱۶) مہابھارت کی لڑائی کہاں لڑی گئی۔
(۱۷) ٹمبکٹو کہاں ہے۔
(۱۸) دہلی کا آخری مسلمان بادشاہ کون تھا اور اس کا مزار کہاں ہے۔
(۱۹) مندرجہ ذیل پہاڑ ہیں۔ دریا ہیں یا شہر۔
(ا) الپس (ب) مسس پی (ج) کاویری (د) ہندوکش۔
(۲۰) کیا گایوں کو پسینہ آتا ہے۔
(۲۱) ایک شخص ۵۰ برس قبل مسیح پیدا ہوا اور اپنی سالگرہ کے دن سنہ عیسوی میں مرگیا بتاؤ اس نے کتنی عمر پائی۔
(۲۲) جب بجلی کڑک رہی ہو تو لوہے کے جنگلے کے پاس کھڑا ہونا بہتر ہے یا دور رہنا۔
(۲۳) کس سیارے کا سب سے بعد میں پتہ چلا۔
(۲۴) وہ کونسی اشیاء ہیں جن کا وزن ہے لیکن شکل نہیں۔
(۲۵) مندرجہ ذیل کس نے بنائے؟۔
(ا) قطب مینار۔ (ب) تاج محل۔ (ج) اہرام مصر (د) لال قلعہ دہلی۔

کوپن

نام ________
عمر ________
پتہ ________
____

زنجیر کا معمہ

اگر ایک کڑی توڑنے میں ایک آنہ خرچ ہو اور اس کو دوبارہ جوڑنے میں ۲ آنے تو ان پانچوں ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کرنے میں کم سے کم کیا لاگت آئے گی۔

تم کہو گے ۱۲ آنے! نہیں ۔ پھر کوشش کرو۔ اس سے کم خرچ بھی آ سکتا ہے۔

پچھلے مہینے کے معمے

"بھائی بہنوں"

کا حل

اس گھر میں تین لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں

کتنے نشان ہیں
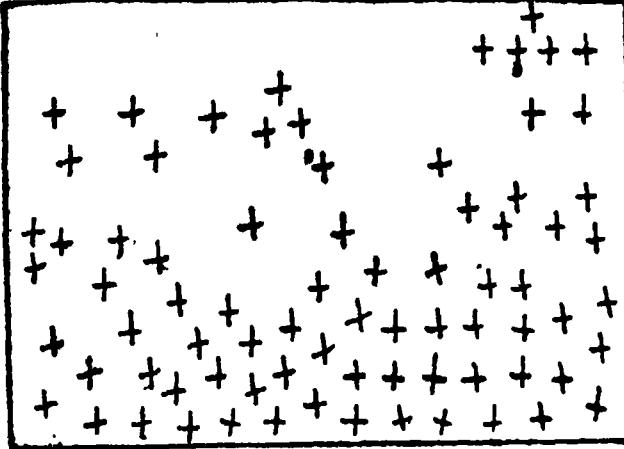
بعض لوگ مرتبان میں بھرے ہوئے مٹر کے دانوں کو ایک نظر دیکھ کر ان کی گنتی بتا دیتے ہیں۔ اوپر چند نشانات دئے ہوئے ہیں۔ دس منٹ تک انھیں دیکھ کر بتاؤ کہ انکی تعداد کیا ہے۔

پچھلے مہینے کے معمے

"اجنبی کون"

کا حل

سوائے برش کے سب چیزوں کا سر ہے

Printed by the United Press, Delhi, for United Publications, Delhi

نونہال
ستمبر ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۱۱

نونہال

ستمبر ۱۹۴۶ء

جلد ۳ —— نمبر ۱۱

ادارہ

مسرت جہاں بیگم تیموری — عزیز احمد

جے کے سیٹھ — اے ایم شاستری

آرٹ ایڈیٹر

[illegible] — بی۔ ڈی۔ شرما

پبلشرز

[illegible]ات متحدہ

[illegible]

پرنٹرز

[illegible] انڈیا - دہرہ دون

لم ڈھینگوں کی بستی

لم ڈھینگ ایک بہت بڑا پرندہ ہے تقریباً چار فٹ اونچا۔ اسکی ٹانگیں اور گردن غیر معمولی طور پر لمبی ہوتی ہیں۔ یہ تمام ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ خصوصاً ساحلی علاقوں میں۔ لم ڈھینگوں کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ وہ شہر آباد کرتے ہیں۔ ان کے گھونسلے مٹی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنکی اونچائی دس یا پندرہ انچ تک ہوتی ہے۔ اوپر کی منزل میں یہ انڈے دیتے ہیں۔ کچھ میں لم ڈھینگوں کی ایک بستی ہے جو تقریباً ۱۰۰،۰۰۰ مربع گز میں پھیلی ہوتی ہے۔ یہاں کی آبادی تقریباً ۵ لاکھ ہے۔ تقریباً اتنی ہی جتنی کانپور کی۔

اس پرچے میں

لم ڈھینگوں کی بستی

از "کچھ کی چڑیاں" (بزبان انگریزی)

مصنفہ سلیم علی

اگر تم اس دلچسپ پرندے کی عجیب و غریب عادتوں کے متعلق اور کچھ جاننا چاہتے ہو تو نہیں یہ کتاب پڑھنی چاہئیے۔ اسے ہمفری ملفورڈ نے حکومت کچھ کے لئے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی طرف سے شایع کیا ہے۔ قیمت بیس روپیے۔

۱۹۴۶ء کی پیرس کانفرنس ۲۹ جولائی کو شروع ہوئی۔ یہ امن کی کانفرنس ہے اور اس لئے بلائی گئی ہے کہ ان پانچ ملکوں سے صلح کی شرطیں طے کرتے جنہوں نے لڑائی میں جرمنی کا ساتھ دیا۔ یہ پانچ ملک اٹلی، رومانیہ، بلغاریہ، ہنگری اور فن لینڈ ہیں یہ پانچ ملک جرمنی کے ہٹلر کا نے پہا تحادیوں کے خلاف لڑے۔ اب لڑائی ختم ہوگئی ہے اور وقت آگیا ہے کہ صلح کی شرطیں طے کی جائیں چنانچہ یہ فیصلہ ہوا ہے کہ جرمنی اور جاپان کے بڑے مسئلے طے کرنے سے پہلے ان پانچوں چھوٹی قوموں سے نمٹ لیا جائے۔ گیارہ مہینے سے چار بڑی اتحادی قومیں برطانیہ، فرانس، روس، اور امریکہ ——— ان مسئلوں کا حل تلاش کررہی تھیں اور اب انھوں نے اٹلی، فن لینڈ اور دوسرے ملکوں کے ساتھ صلح کی شرطوں کا مسودہ تیار کرلیا ہے۔ اب "چار بڑوں" نے بقیہ سترہ اتحادی قوموں کی رائے مانگی ہے۔ ان سترہ ملکوں کے نمائندوں "چار بڑوں" کے رہنماؤں اور ان کے مشیروں اور سکرٹریوں کا ایک بڑا عملہ پیرس پہونچ گیا ہے۔

تم جانتے ہو کہ پیرس فرانس کا دارالسلطنت ہے۔ یہ دنیا کے حسین ترین شہروں میں سے ہے اور اس اہم کانفرنس کے لئے بہت مناسب جگہ ہے۔ فرانس کے پرانے بادشاہوں کے خوبصورت محلوں میں سے ایک یعنی قصرِ لکزمبرگ کو کانفرنس کے جلسوں کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

اس کانفرنس کے نمائندوں کے سامنے بڑا مشکل کام ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جن ملکوں نے اتحادی ملکوں کو نقصان پہونچایا ہے ان سے ہرجانہ وصول کیا جائے لیکن سوال یہ ہے کہ ہر ملک کتنا ہرجانہ دے۔ پھر ان ملکوں کو زیادہ فوج، بحری یا ہوائی بیڑہ رکھنے کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی کیونکہ اب ہمنے تہیہ کرلیا ہے کہ لڑائی نہ ہونے دینگے۔ تیسرا مشکل سوال یہ ہے کہ ان ملکوں کی سرحدیں کہاں قائم کی جائیں۔ انصاف کی خاطر تبدیلیاں کرنی پڑیں گی لیکن انکے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔

ایک اور مشکل مسئلہ ڈینیوب کا ہے۔ یہ لمبا، خوبصورت اور اہم دریا یورپ کے کئی ملکوں میں ہوکر بہتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ملک کے جہاز شروع سے آخر تک تجارت کرسکیں گے یا دریا کا جو حصہ جس ملک سے گذرتا ہے اسکی ملکیت ہوگا؟

میرا خیال ہے کہ تم یہ بات مانوگے کہ پیرس کانفرنس کا کام بہت مشکل ہے۔ ہر ملک کو ہر مسئلہ دوسرے کے نقطۂ نظر سے دیکھنا ہے اور دونوں رخوں سے دیکھنا ہے، اسکے بعد فیصلہ دینا ہے خواہ وہ فیصلہ اسکے اپنے مفاد پر پورا اترے یا نہیں۔

اگر بڑے اور نونہال پڑھنے والے نئی دنیا بنانے کے کام میں پوری طرح حصہ لینا چاہتے ہیں تو انھیں بھی یہی کرنا چاہئے۔ یہ بات مشکل تو ہے لیکن ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ کسی کو اس وجہ سے ناپسند نہ کریں کہ وہ کسی دوسرے مذہب کا ہے، یا دوسرے اسکول میں پڑھتا ہے یا دوسرے قسم کے کپڑے پہنتا ہے۔ ہمیں سننا چاہئے کہ دوسرے لوگ کیا کہتے ہیں۔ اگر کسی کو کتا کاٹ لے تو کتے کو کبھی مت مارو جب تک اسکا یقین نہ کرلو کہ آدمی کا کوئی قصور نہ تھا۔ اسکول کے کسی جھگڑے میں اپنے دوست کی طرفداری صرف اس وجہ سے مت کرو کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ سوال کے دوسرے رخ کو بھی دیکھو اور بات کا پتہ چلاؤ اور اسی پر عمل کرو۔ اگرچہ دہلی کے لال قلعے میں مغل شہنشاہوں کے ... میں ایک ترازو کی تصویر بنی ہوئی ہے تاکہ انھیں یہ بات یاد رہے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے تمام

۲ یاد رہے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے بات کو ہمیں طرح تولنا چاہئے گو ہم لوگ شہنشاہ تو نہیں لیکن اس بات سے ہم سب کو سبق لینا چاہئے۔

لے میزرابل

(۴)

تعارف - وکٹر ہیوگو کا شمار فرانس کے بہترین شاعروں میں تھا۔ وہ ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۵ سال کی عمر میں اس نے فرانس کی اکیڈمی کو اپنی ایک نظم بھیجی جس کی وجہ سے اس کا نام اک دم بہت مشہور ہو گیا۔ وکٹر ہیوگو نے بہت سی نظمیں، ڈرامے اور ناول تصنیف کئے۔ اس کو اپنے زمانے میں وہی درجہ حاصل تھا جو رابندرناتھ ٹیگور کو ہندوستان میں تھا۔ وکٹر ہیوگو بہت عرصے زندہ رہا اور جب اس نے ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی تو نہ صرف فرانس بلکہ دور دور تک اس کی شہرت پھیل چکی تھی۔ اس کی کتابوں کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

لے میزرابل درد اور تڑپ سے بھری ہوئی ایک لمبی داستان ہے۔ ژاں والژان کے کردار کی جو دلکش تصویر پیش کی گئی ہے اس کی مثال کسی اور ناول میں ملنی مشکل ہے۔ واقعات نے ژاں والژان کو مجرمانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے باوجود جگہ جگہ اس کی انتہائی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ نیک دل بشپ کا کردار بھی نہایت خوبی سے پیش کیا گیا۔ اس کتاب میں وکٹر ہیوگو نے دکھایا ہے کہ اگر کسی سے ایک مرتبہ غلطی ہو جائے تو سوسائٹی اسے معاف کرنے کی بجائے بے رحمی سے برتاؤ کر کے اس کے لئے شریفانہ زندگی گزارنا ناممکن کر دیتی ہے۔

خانقاہ سے نکلنے کے بعد ژاں والژان ایک مکان کرایہ پر لے کر اپنی لے پالک لڑکی کے ساتھ رہنے لگا۔ لیکن اس نے پیرس میں بھی ایک مکان کرایہ پر لے لیا تاکہ کبھی ضرورت پڑے تو وہاں جا سکے۔ اب وہ فوشلے وون کہلاتا تھا۔ کوسٹ اب جوان ہو گئی تھی۔ اس عرصے میں اس کی ملاقات ماریس نامی ایک نوجوان سے ہوئی۔ وہ بیرن پونمرسی کا بیٹا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے محبت ہو گئی۔ شروع میں ژاں والژان اس کے خلاف تھا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کوسٹ اس سے جدا ہو جائے گی۔ اور اس کی زندگی کا واحد سہارا وہی تھی۔

لیکن جون ۱۸۳۲ء میں پیرس میں انقلاب ہوا۔ بازاروں میں جگہ جگہ مورچے قائم ہوئے۔ ایک مورچے کی کمان ماریس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ انقلابیوں کا لیڈر تھا۔ ژاں والژان بھی ماریس کی حفاظت کی خاطر مورچے میں پہنچا۔ یہاں اس نے انسپکٹر ژاورا کو دیکھا۔ اسے انقلابیوں نے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر رکھا تھا۔ ژاورا کو گولی سے اڑانے کا حکم مل چکا تھا۔ ژاں والژان کو انقلابی جانتے تھے۔ اس نے اجازت چاہی کہ ژاورا کو میرے حوالے کر دیا جائے۔ اجازت مل گئی اور ہاتھ میں پستول لئے ژاں والژان ژاورا کو ایک گلی میں لے گیا۔ یہاں لا کر اس نے اس کی رسیاں کاٹ دیں اور کہا۔ اب تم آزاد ہو اگر تمہیں میری ضرورت ہو تو فوشلے وون کو پوچھ لینا۔ میں فلاں محلے میں رہتا ہوں۔

ژاورا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ژاں والژان نے ہوا میں گولی چھوڑ دی۔

مورچہ حکومت کی فوج نے بالکل تباہ کر دیا۔ ماریس زخمی پڑا تھا اور فوجی بھاگتے ہوئے لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ سوائے

زمین کے نیچے کہیں بچنے کی صورت نہ تھی۔ یکایک والژان کی
نگاہ ایک جالی پر پڑی۔ یہ جالی پیرس کی زمین دوز نالیوں میں کھلتی
تھی۔ والژان کو یہ اچھی طرح معلوم تھا۔ اس نے جالی توڑی اور
زخمی ماریس کو کندھے پر لاد کر اندر کود گیا۔ یہ پیرس کی نالیاں تھیں۔
ذرا سی دیر میں وہ روشنی سے اندھیرے میں پہنچ گیا۔ یہاں اسے
کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ صرف اپنے پیروں تلے سخت فرش
محسوس کر سکتا تھا۔ خیر یہ
بھی بہت کچھ تھا۔ اس نے
اپنا بازو پھیلایا تو دونوں طرف
دیواریں معلوم ہوئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ
راستہ تنگ ہے۔ اسکا پیر پھسلا
وہ سمجھ گیا کہ راستہ گیلا ہے۔ اسنے
قدم آہستہ آہستہ بڑھا کر دیکھا
اس ڈر سے کہ کہیں کسی گڑھے
میں نہ جا پڑے۔ لیکن اسے
اطمینان ہو گیا۔ راستہ صاف تھا۔
تھوڑی دیر میں اسکی آنکھیں اندھیرے
کی عادی ہو گئیں اور اسے کچھ
نظر آنے لگا۔ اوپر کی جالی میں سے
تھوڑی تھوڑی روشنی اندر آ رہی
تھی جسکی مدد سے وہ دس بارہ
فٹ تک دیکھ سکتا تھا۔ اسکے بعد اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اور اس
اندھیرے میں گھسنے کے خیال ہی سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔
لیکن سوائے اس کے کچھ چارہ نہ تھا کہ آگے بڑھا جائے اگر اس
جالی پر جسے توڑ کر وہ اندر گھسا تھا سپاہیوں کی نگاہ پڑ جاتی تو وہ
بھی اسکے پیچھے نالیوں میں اتر آتے۔ ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی تھا۔
اس نے ماریس کو زمین پر لٹا دیا تھا۔ اسے اٹھا کر دوبارہ کندھوں پر

لادا اور چل کھڑا ہوا۔ کوئی پچاس گز جانے کے بعد سے رکنا پڑا کیونکہ
راستہ دو حصّوں میں بٹ گیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ کس طرف مڑے۔
دائیں طرف یا بائیں طرف۔ اس تاریک بھول بھلیاں میں راستہ
ٹٹولنا کچھ آسان کام نہیں تھا۔ لیکن راستے کی ڈھلان سے پتہ چلتا
تھا کہ وہ دریا کی طرف جاتا ہے۔ ژان والژان نے سوچا کہ اگر وہ
الٹے ہاتھ کی طرف مڑے تو پیرس کے مرکزی علاقے میں جا کر نکلے گا۔
اور لوگ خون میں تھڑے ہوئے
دو آدمیوں کو زمین میں سے پھوٹتا
دیکھ کر حیران ہو جائیں گے۔ اور
پولیس انھیں فوراً گرفتار کر لیگی۔
اسلئے اس نے سوچا کہ دوسری طرف
مڑنا چاہئے آگے اللہ مالک ہے۔
چنانچہ وہ سیدھی طرف مڑ گیا۔
راستے میں اندھیرا تھا۔ ایک ہاتھ
سے وہ ماریس کو تھامے ہوئے تھا۔
ماریس کی ٹانگیں نیچے لٹک رہی
تھی۔ دوسرے ہاتھ سے وہ دیوار
کا سہارا لیکر چل رہا تھا۔ ماریس
کا گال اسکے رخسار کو چھو رہا تھا۔
اور اسکے زخم میں سے گرم گرم
خون بہہ کر اس کے کپڑے تر کر
رہا تھا۔ راستہ تلاش کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ نالیاں پیرس کے
بازاروں کے نیچے بنی ہوئی تھیں اور اس زمانہ میں پیرس کم از کم دو
ہزار دو سو بازار اور گلیاں تھیں ان بازاروں کے نیچے نالیوں کا
یہ تنگ و تاریک جال۔

یکایک سے محسوس ہوا کہ وہ اوپر کی طرف نہیں بلکہ نیچے ڈھلان
کی طرف جا رہا ہے۔ کیونکہ پانی بجائے پنجوں کے اسکی ایڑیوں سے

آگے کھڑا رہا تھا۔ کیا وہ دریائے سین کی طرف جارہا ہے۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی لیکن واپس جانا اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا اسلئے وہ بڑھتا گیا۔ آدھ گھنٹے تک چلنے کے بعد اندھیرا اور بھی بڑھ گیا۔ اچانک اس نے اپنا سایہ سامنے پڑتا دیکھا۔ ہلکی سی سرخ روشنی میں وہ سایہ بہت بھیانک معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا تو بہت دور ایک ستارہ سا چمکتا دکھائی دیا۔ اسکے پیچھے آٹھ دس خوفناک سائے ہلتے نظر آئے۔ یہ پولس کی لالٹین تھی۔

ژان والژان کی حالت بیان سے باہر تھی۔ خوش قسمتی سے لالٹین تھا سے نظر آئی۔ لیکن لالٹین کی روشنی میں وہ نظر نہ آسکتا تھا کیونکہ وہ بہت دور تھا اور اندھیرا بہت گہرا تھا۔ وہ دیوار سے چپک کر کھڑا ہوگیا۔ اسکے قدموں کی آواز نہ سنکر پولس والوں نے آپس میں کچھ مشورہ کیا۔ سارجنٹ نے سپاہیوں کو بائیں جانب دریائے سین کی طرف مڑنے کا حکم دیا۔ جب سپاہیوں کے قدموں کی آواز آنی بند ہوگئی تو والژان پھر آگے بڑھا۔ آگے جاکر چلنا اور بھی دشوار ہوگیا۔ کیونکہ عام طور پر ان نالیوں کی اونچائی پانچ فٹ تھی والژان کو اس ڈر سے کہ کہیں ماریس کا سر چھت سے نہ ٹکرا جائے جھک کر چلنا پڑا۔ دیواروں اور فرش کی نمی کی وجہ سے قدم پھسلے جاتے تھے۔ ژان کو بھوک اور پیاس بھی ستا رہی تھی اور تھکان کی وجہ سے ماریس کا بوجھ دگنا معلوم ہو رہا تھا آخر کار بہزار دقت وہ دریا کے کنارے تک پہنچ گیا۔ ماریس کو لٹا کر والژان نے اس کے منہ پر چھینٹے دئے۔ دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ کوئی پیچھے کھڑا ہے۔ وہ مڑا۔ ایک لمبا سا آدمی بڑا کوٹ پہنے نظر آیا۔ والژان نے اسے فوراً پہچان لیا وہ ژاوا تھا لیکن ژاوا اسے نہ پہچان سکا۔

"تم کون ہو؟"

"میں ژان والژان ہوں۔"

ژاوا نے اپنا ڈنڈا دانتوں میں دبالیا اور جھک کر اپنے مضبوط ہاتھ ژان والژان کے شانوں پر رکھ دئے۔ والژان اب دوبارہ سنگدل ژاوا کے جال میں پھنس گیا تھا۔ ژاوا کے لئے بھی یہ نہایت سخت وقت تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے فرض پر قائم رہا تھا۔ اسکے لئے صرف یہی ایک سیدھا راستہ تھا اور ہمیشہ وہ انجام کی پرواہ کئے بغیر اس پر چلتا رہا جیسا کہ اس نے میڈلین کے ساتھ کیا۔ لیکن اب اس کے سامنے دو راستے تھے۔ اسے کونسی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ انسپکٹر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرے اور اس شخص کو قید یا موت کی سزا دلوائے جس نے چند گھنٹے پہلے اسکی جان بچائی تھی۔ یا اپنا فرض ادا نہ کرکے اسے چھوڑ دے۔ ژاوا ژان والژان کی خوبیوں کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ایک مجرم کے لئے دل میں عزت ہونا۔ یہ ژاوا کی فطرت کے خلاف تھا۔ لیکن وہ مجبور تھا۔

ژاوا اسی کشمکش میں تھا۔ آخر رحم کی فتح ہوئی اور اس نے ژان اور ماریس کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اس نے پولس سٹیشن

باقی صفحہ ۱۹ پر

ٹیلی وژن

(از ایچ - این بلویر)

ریڈیو تو تم سنتے ہی ہو اور کبھی کبھی ٹیلی فون بھی استعمال کرتے ہو۔ ہے نا! لیکن کبھی تمہیں یہ بھی خواہش ہوئی کہ دوسری طرف جو آدمی بول رہا ہے، اس کی صورت دیکھو؟ ضرور ہوئی ہوگی۔ تم سمجھدار بچے ہو اور جانتے ہو کہ صبر اور استقلال کے ذریعہ اس سائنسی عہد میں ہر چیز ممکن ہے۔ اسلئے اگر میں یہ کہوں کہ یہ ممکن ہے کہ چلتے پھرتے مناظر عین اسی وقت بڑی دور پر دیکھے جا سکیں تو تمہیں حیرت نہ ہوگی۔ دیکھنے کے اس طریقے کو ٹیلی وژن کہتے ہیں جس کے معنی ہیں فاصلے پر دیکھنا، (ٹیلی = لمبا، فاصلہ، وژن دیکھنا)

اسکے بنیادی اصول کو پچاس برس پہلے معلوم ہو چکے تھے۔ لیکن بہت لمبے تجربوں کے بعد جان بیئرڈ سب سے پہلے اس ایجاد میں کامیاب ہوا۔ اسکی موت کو ابھی چند ہی مہینے ہوئے ہیں۔ وہ غریبی اور صحت کی خرابی کی زندگی سے نکل کر دنیا بھر میں مشہور ہو گیا کیونکہ اس نے اپنے عجیب و غریب خیالات کو عمل میں لانے کے لئے صبر اور استقلال کا ثبوت دیا۔ مفلسی کی وجہ سے وہ قیمتی آلات نہیں خرید سکتا تھا۔ لیکن تم جانتے ہو جہاں چاہ ہوتی ہے وہاں راہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے گھر کی ٹوٹی پھوٹی چیزوں سے آلات بنالئے۔ اسکے گھر میں صرف دو کمرے تھے۔ ایک میں اس نے نشر کرنیکا آلہ لگایا اور دوسرے میں وصول کرنیکا جس میں عکس نظر آتا تھا۔ اسی چھوٹی سی تجربہ گاہ میں بھدے آلات کی مدد سے ایک دن بیئرڈ نے ایک کمرے میں ایک لڑکے کا عکس دیکھا جو دوسرے کمرے میں تھا۔ ۱۹۲۶ء میں وہ لندن کے مناظر گلاسگو تک نشر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اسکی ہمت بڑھ چکی تھی۔ آخر اس نے برٹش ایسوسی ایشن نامی سائنٹیفک سوسائٹی کے سامنے ٹیلی وژن کا مظاہرہ کیا۔ سال بھر کے بعد اس نے بحر اٹلانٹک کے پار بھی عکس نشر کئے۔ ان تجربوں نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا اور یورپ اور امریکہ کے مختلف ملکوں میں تحقیقات شروع ہو گئی۔ لیکن ٹیلی وژن کی پہلی نشرگاہ ۱۹۲۹ء میں لندن میں قائم ہوئی یہاں

طاقتور [illegible] کے تار ۲۲۰ فٹ اونچے مستول پر لگے ہوئے [illegible]

اب دیکھو اس کا بنیادی اصول کتنا معمولی ہے۔ کسی [illegible] پھر آنکھیں بند کر لو۔ آنکھ بند کرنیکے بعد پل بھر کے لئے وہ چیز [illegible] میں رہے گی۔ اسی اصول سے ٹیلی وژن بنایا گیا ہے۔ نشرگاہ [illegible] نشر کرنا ہوتا ہے وہ بجلی کی آنکھ سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد [illegible] عمل اتنا تیز ہوتا ہے کہ وہ چیز ایک سیکنڈ میں کئی بار دیکھ لی جاتی ہے۔ بجلی کی آنکھ [illegible] دوسری طرف ایک برقی رو جاتی ہے۔ اس سے ایک لیمپ جلتا ہے جس کی روشنی ایک پردے پر پڑتی ہے۔ اس روشنی میں اس چیز کا عکس ذرا سی تھوڑی دیر بعد نظر آتا ہے لیکن یہ عمل اتنا تیز ہوتا ہے کہ پہلا عکس ختم ہونے سے پہلے دوسرا عکس سامنے آجاتا ہے اور چیز مکمل صورت میں دیکھی جا سکتی ہے۔

شروع شروع میں آواز سننے اور منظر دیکھنے کے لئے علیحدہ علیحدہ تاروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن اب ایسے تجربے کامیاب ہو گئے ہیں جن میں بغیر تار برقی کے عکس آجاتا ہے۔

لڑائی سے پہلے جرمنی میں ۲۴ انچ لمبا، ۱۸ انچ چوڑا عکس وصول ہوتا تھا۔ ابھی تک عکس نشر کرنیکا فاصلہ سو میل سے زیادہ نہیں بڑھ سکا ہے۔ پھر بھی کمپنیوں نے وعدہ کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ پانچسو روپئے سے لیکر دو ہزار روپے تک کی قیمت کے ٹیلی وژن بنائیں گے۔

لڑائی کی وجہ سے تجربوں میں بڑا رخنہ پڑ گیا لیکن بیئرڈ نے اپنے تجربے جاری رکھے یہاں تک کہ وہ اندھیرے میں عکس نشر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسنے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جسکے ذریعہ ہر چیز اپنے اصلی رنگ میں نشر کی جا سکتی ہے۔

اب لڑائی ختم ہو چکی ہے اسلئے پھر ٹیلی وژن کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں بہت جلد اسکے آنیکا امکان نہیں ہے لیکن وہ وقت دور نہیں جب تم اسے دیکھ سکو گے۔ ذرا سوچو کہ اگر ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر کسی دوسرے شہر سے کرکٹ کا میچ دیکھ سکیں یا بغیر دھکے کھائے بغیر پبلک جلسوں میں شرکت کر سکیں تو کتنا اچھا ہو۔ بہت جلد ہم گھر بیٹھے ان جلسوں میں شرکت کر کے ساری کارروائی دیکھ سکیں گے۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہوگا کہ ہم اچک اچک کر لوگوں کے سروں پر سے جھانکنے کی کوشش کریں ۔

بی چھپکلی کی دُم

بی چھپکلی اس جگہ رہتی تھیں جہاں بنجر زمین کھیت میں ملتی تھی۔ انکے ساتھیوں میں ایک تو مینڈک تھا۔ دوسرا گہرے تالاب میں رہنے والا نیوٹ اور تیسری بی مرغابی جو غمزدہ آواز میں جھاڑیوں میں چیخا کرتی تھیں حالانکہ انھیں کسی قسم کا غم نہیں تھا۔

بی چھپکلی کو بنجر زمین اور تالاب بہت پیارے تھے۔ جب سورج چمکتا تھا اور جنگلی سنبل کے پھول ان کے گرد ناچتے تھے تو انھیں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ وہ خوبصورت تھیں۔ ان کا کوٹ اور انکی ٹوپی بھورے رنگ کا تھا اور انکی دم بڑی شان سے مڑی رہتی تھی۔ انھیں اپنی دم پر بڑا ناز تھا کیونکہ انکا خیال تھا کہ کسی چھپکلی کی دم اتنی اچھی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ اپنی سہیلیوں سے اپنی دم کی لمبائی اور خوبصورتی کا ذکر کیا کرتی تھیں۔

ایک دن بی مرغابی اور نیوٹ نے بی چھپکلی سے کہا کہ تمہیں اپنی دم پر اتنا غرور نہ کرنا چاہیئے ورنہ کسی دن اس غرور کی وجہ سے مصیبت میں پھنس جاؤگی۔ لیکن بی چھپکلی نے اپنی عادت نہ چھوڑی اور اپنی تعریف کے پل باندھتی رہیں۔ وہ جس سے بھی ملتی تھیں یہی کہتی تھیں کہ میں لانبی دم والی چھپکلی ہوں۔

ایک صبح بی چھپکلی سنبل کی جھاڑیوں میں ناشتے کی تلاش میں پھر رہی تھیں۔ وہ بہت تیزی سے پھرتی تھیں اور دیکھتے دیکھتے انھوں نے بہت سے کیڑے مکوڑے ہضم کر لئے۔ ہضم کرنے کے بعد وہ دھوپ سینکنے بیٹھ گئیں اور اپنے کوٹ اور دم کی تعریف کرنے لگیں۔

انھوں نے نیوٹ سے کہا: "میری واسکٹ نارنجی رنگ کی ہے اور اس علاقے میں میری دم سب سے اچھی ہے۔"

لیکن نیوٹ دم کی تعریف سنتے سنتے تنگ آچکا تھا اسلئے اس نے تالاب میں غوطہ لگایا اور تیر کر پار ہوگیا۔ بی چھپکلی ریتیلی زمین پر بیٹھی دھوپ کھاتی رہیں۔ وہ اپنی دم کے خیال میں اتنی کھوئی ہوئی تھیں کہ انھیں ادھر ادھر دیکھنے کا خیال نہ رہا اور جب میاں سانپ ان کی طرف آئے تو انھیں خبر بھی نہ ہوئی۔

میاں سانپ کو سخت بھوک لگی تھی اور انھیں رس بھری چھپکلیوں کا ناشتہ بہت پسند تھا۔ آہستہ آہستہ بڑی خاموشی سے وہ بی چھپکلی کے قریب آگئے۔ وہ دم کے خیال میں اتنی کھوئی ہوئی تھیں کہ انھوں نے میاں سانپ کی آواز نہ سنی۔ آخر جب میاں سانپ سر پر آپہونچے اور اپنے جبڑے پھاڑ کر بی چھپکلی کی طرف بڑھے تب انھیں ہوش آیا۔ نگاہیں اٹھائیں تو بی چھپکلی کو میاں سانپ کی خونخوار آنکھیں اور کھلا ہوا جبڑا نظر آیا اور معلوم ہوگیا کہ ایک منٹ میں میاں سانپ انھیں دانتوں سے پکڑ کر نگل جائینگے۔

یہ بات بی چھپکلی کو بالکل پسند نہ آئی اسلئے انھوں نے ایک جست لگا کر سانپ کے چنگل سے نکلنا چاہا لیکن ان لمحے بھر کی سستی ہوگئی۔ جیسے ہی وہ اچھلیں میاں سانپ نے انکی لانبی دم دبائی اور مضبوطی سے تھام لی۔ بی چھپکلی نے بڑا زور لگایا لیکن میاں سانپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

"یا اللہ" انھوں نے سوچا۔ "ایک منٹ میں سانپ مجھے نگل جائیگا" انھوں نے پھر زور لگایا۔ اتنے میں چٹاخ کی آواز ہوئی اور بی چھپکلی کی دم ٹوٹ گئی۔ وہ بھاگ تو نکلیں لیکن ان کی خوبصورت دم جاتی رہی۔ وہ گھاس میں ہو کر بھاگیں اور جب تک میاں سانپ سے بہت دور نہ پہونچ گئیں، تب تک دم نہ لیا۔ آخر جب وہ سلامتی کی جگہ پہونچ گئیں اور دم لیا تو اپنے اوپر نظر ڈالی۔ ان کا اودا ہلکے بھورے رنگ کا کوٹ ویسا ہی خوبصورت تھا لیکن دم غائب تھی۔ "توبہ ہے" انھوں نے سوچا۔ "اب میں لانبی دم والی چھپکلی نہیں ہوں۔"

لیکن بی مرغابی اور نیوٹ نے کہا کہ وہ انھیں بغیر دم کے زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ انھوں نے غرور کی باتیں کرنا چھوڑ دیں۔ آہستہ آہستہ دوسری دم نکلنے لگی۔ یہ اتنی لمبی تو کبھی نہ ہوئی جتنی پہلے تھی لیکن آخر دم تھی اسلئے بی چھپکلی کو پسند تھی مگر اسکے بعد انھوں نے اس پر غرور کبھی نہیں کیا۔ اور جب میاں سانپ شکار کیلئے نکلتے ہیں تو بی چھپکلی ہمیشہ گردو پیش کا خیال رکھتی ہیں اور اپنی دم کی بابت کبھی نہیں سوچتیں۔

کدّو میاں اسکول جاتے ہیں

کدّو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ ان کے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں لیکن ان میں ایک کمی ہے وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ اچھا ہے۔

(۱۱)
(کدّو میاں اور اسکول کے ناشتے)

ایک دن کدّو میاں اسکول جا رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ بنی خرگوش ایک بھاری ناشتے دان کے وزن سے دبا جا رہا ہے۔ کدّو میاں نے اسے اٹھانے کیلئے اپنی خدمات پیش کردیں۔ ایک رسّی کے ایک سرے پر بنی کا ناشتے دان باندھا گیا اور دوسرے سرے پر شانتی کا لیکر۔ اور رسّی کدّو میاں کی چوڑی پیٹھ پر ڈال دی گئی۔

دوسرے طالبعلموں نے سوچا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ جلدی ہی سارے ناشتے دان، کھانے کے بنڈل اور ٹوکریاں رحم دل کدّو کی پیٹھ پر لد گئیں۔ اتنے میں زینت زیبرا نظر آئی۔ کدّو میاں نے اسے دوڑ کا چیلنج دیا۔

"دیکھیں اس بڑے پیڑ تک پہلے کون پہونچتا ہے!" فوراً دونوں طرارے بھرنے لگے۔
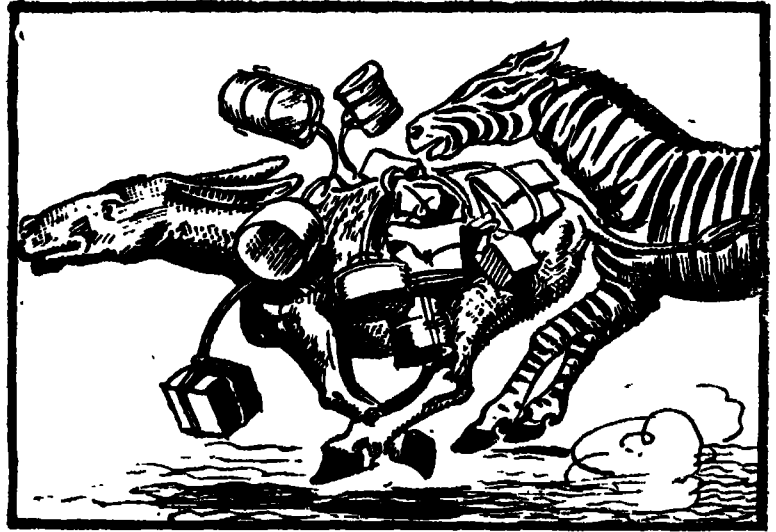
کدّو میاں دوڑ جیت گئے لیکن انھیں بڑی گرمی لگی۔ اتنے میں انھیں ٹھنڈی ریت کا ایک ڈھیر نظر آیا اور انھوں نے سوچا کہ اس پر ایک لوٹ لگا لینے سے ساری تھکن اور گرمی دور ہو جائیگی۔ اور وہ اسکول کے لئے تازہ دم ہو جائیں گے۔ افسوس، وہ ناشتے دانوں اور کھانے کی ٹوکریاں کو بالکل بھول گئے۔

از:- ای کے مترا

تمہیں کبھی کبھی اسکول میں فلم دکھائے جاتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہوگے۔ یہ فلم اسکول کے روزانہ کام میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کردیتے ہیں اور بہت دلچسپ اور مزے دار ہوتے ہیں۔

کبھی کبھی اماں یا ابا خود بھی تمہیں سنیما لے جاتے ہیں یا کسی دوست کے ساتھ کسی خاص اور اچھی تصویریں جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ لیکن جس چیز کے متعلق میں تمہیں آج بتانا چاہتی ہوں وہ ان دونوں چیزوں سے بالکل الگ ہے۔ یہ چیز ابھی برطانیہ ہی میں ہوتی ہے اور ابتک ہمارے ہندوستان میں نہیں آئی۔ لیکن مجھے امید ہے کہ کل، جب ایک شاندار نئی دنیا بنانے کی ساری تجویزیں عمل میں آجائیں گی، تو یہ چیز یہاں بھی آجائے گی۔

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ فلم سنیما کمپنیاں بناتی ہیں۔ اس کے بعد سنیما ہال انہیں کرائے پر لے کر دکھاتے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا برطانیہ کی دو سب سے بڑی سنیما کمپنیوں نے بچوں کے لئے تفریحی فلم بنانے شروع کئے تھے۔

میرا خیال ہے کہ جب تمہارا کوئی بزرگ یہ کہتا ہے:-

"اوہ! نہیں، میں تمہیں اس تصویر میں نہیں لے جاسکتا۔ یہ بچوں کے لئے نہیں ہے" تو تمہیں بڑی مایوسی ہوتی ہوگی۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ برطانیہ میں اب بہت سے

بچے ایسے ہیں جو کہہ سکتے ہیں "اوہ! نہیں! میں آپ کو اس تصویر میں نہیں لے جاسکتا۔ یہ بڑوں کے لئے نہیں ہے" بچے دراصل ایسے ہی فلم پسند کرتے ہیں۔ برطانیہ کے چار لاکھ بچے جو فلم دیکھنے جاتے ہیں، ایک بڑے سینما کلب کے ممبر ہیں۔ صرف ممبر ہی سینما کے اندر جا سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ممبر آپس میں فلم کے بارے میں بحث کرکے بتاتے ہیں کہ کون سے حصے اچھے ہیں اور کون سے حصے انھیں پسند ہیں۔ پھر کمپنیاں بہتر فلم بناتی ہیں جنہیں بچے شروع سے آخر تک پسند کر سکیں۔

اس نئے خیال کا تیسرا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ان فلموں کے اکثر ایکٹر بھی بچے ہی ہوتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ بڑوں کی بہ نسبت بچوں کو کام کرتے ہوئے دیکھنا کتنا دلچسپ ہے۔

ہر سنیچر کی صبح کو لندن اور کئی دوسرے شہروں میں بچے اپنے سینماؤں کے سامنے قطار باندھے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں اور کھلتے ہی اپنے خاص فلم دیکھنے کے لئے ریل پیل شروع کر دیتے ہیں۔ یہ فلم ایک کہانی ہو سکتی ہے، یا کارٹون، یا نیچر کے متعلق یا کسی بہادر بچے کی بہادری اور ہمت کی داستان۔

ہر مہینہ ایک فلم خبروں کے متعلق دکھایا جاتا ہے۔ اس کا نام ہے "ہمارا کلب میگزین"۔ اس میں دکھایا جاتا ہے کہ بچوں نے اس مہینے میں کیا کیا دلچسپ کام کئے۔

ان صفحوں کی تصویروں میں کچھ انگریز بچے دکھائے گئے ہیں جو ایسے فلموں کی تیاری میں مدد کر رہے ہیں۔ یہ کہانی ایک چمن میں سیب کے درختوں کے درمیان ہوئی تھی اور اس میں کام کرنے کے لئے بہت سے بچے بلائے گئے تھے۔

برائن ۹ سال کی عمر کا ایک چھوٹا بچہ ہے جو شوخ و چنچل باتوں سے سب کو ہنساتا رہتا ہے۔ جینیٹ کی عمر دس سال کی ہے۔ وہ بہت عمدہ پارٹ کرتی ہے۔ اس کی طرح اس کا خوبصورت ننھا سا کتا جینی بھی خوب کام کرتا ہے۔

بچے جب کسی فلم میں کام کرتے ہیں تو وہ اسکول کے کام کی طرف سے تو غافل نہیں ہو سکتے۔ ایک تصویر میں تم دیکھو گے کہ برائن کی ماں درمیانی وقفے میں انھیں سبق میں مدد دے رہی ہے۔

میرا خیال ہے کہ فلم دیکھنا بڑا مزے دار شغل ہے۔ ہے نا!

سِکم

از
رے فیئر سروس

سکم کی ہندوستانی ریاست بنگال کے شمال اور تبت کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں نیپال اور مشرق میں بھوٹان کی آزاد ریاست ہے۔ سکم کے اصلی باشندے لیپچا تھے۔ ان چھوٹے قد اور گول چہرے والے خوشباش لوگوں کو فطرت کے متعلق اچھی معلومات تھیں۔ ان کا مذہب بے جان چیزوں کی پرستش تھا۔ لیپچا عورتوں کے لباس کو گدا کہتے ہیں۔ لوگ لمبے سوتی کپڑے کو آگے گھیر ڈال کر سینے پر سے لاکر پیچھے ڈال لیتی ہیں اور کندھے پر باندھ کر اوپر سے ایک چست واسکٹ پہن لیتی ہیں۔

سکم کی حکمراں نسل سِکمی کہلاتی ہے اور تبتی نسل سے ملتی جلتی ہے۔ یہاں کی زبان بھی تبت کی بولی کی شاخ ہے۔ سِکمی عورتوں کے رنگین لباس کو "بوکو" کہتے ہیں۔ یہ بغیر آستین کے ہوتا ہے اور اس میں بہت عمدہ رنگین کشیدہ کاری ہوتی ہے۔ دونوں طرف ایک ایک جنٹ ہوتی ہے اور کمر پر کسی دوسرے رنگ کا چمکیلا ریشمی رومال بندھا ہوتا ہے۔ بوکو کے نیچے رنگین ریشمی بلاؤز پہنا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایک ساتھ مختلف رنگوں کے دو بلاؤز پہنے جاتے ہیں جنکی ڈھیلی اور لانبی آستین سرے پر مڑی ہوتی ہیں۔ عام طور پر بال کو سنوار کر چوٹی گوندھی جاتی ہے لیکن خاص موقعوں پر انھیں اس طرح سنوارا جاتا ہے کہ وہ سر کے اوپر اٹھے رہتے ہیں۔ عورتوں میں رنگوں کا بڑا سلیقہ ہوتا ہے کیونکہ اکثر وہ ایک ساتھ چھ سات شوخ رنگوں کے کپڑے پہنتی ہیں پھر بھی ان کا ملا جلا اثر بہت اچھا ہوتا ہے۔

یہ لوگ بدھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ سال میں دو بار مذہبی ناچ ہوتے ہیں۔ ہر سال امیر گھرانوں کے نوجوان کنچن جنگا کی چوٹی کے اعزاز میں ایک دفعہ ناچتے ہیں۔ یہ سورماؤں کا ناچ کہلاتا ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ نوجوان کچھ دنوں تک پرہیزگاری، نفس کشی اور سخت تربیت کی زندگی گزارتے ہیں۔ کالی ٹوپی کا ناچ عام طور پر دسمبر میں ہوتا ہے اور اس میں خانقاہوں کے لاما حصہ لیتے ہیں۔ چونکہ بدھ مذہب سرکاری مذہب ہے اس لئے سکم میں بہت سی خانقاہیں ہیں جو عام طور پر پہاڑی چوٹیوں پر بنی ہوئی ہیں۔ بہت سے اسٹوپ (چاڑتن) آگ، پانی، مٹی اور ہوا کے نمائندہ ہیں۔ خانقاہوں اور

اسٹوپوں کے گرد مذہبی جھنڈوں کی بھرمار ہوتی ہے۔

سکم میں نیپالی نسل کے لوگ بھی بستے ہیں۔ ان کا مذہب، لباس اور رسم و رواج ہندوانہ ہے۔ نیپالی عورتوں کا لباس اکثر بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ لیکن وہ سکمی عورتوں کی نسبت نیلا رنگ زیادہ استعمال کرتی ہیں۔ ان کا لباس "بھرپا" کہلاتا جسے سامنے گھیر ڈال کر کمر پر کس لیا جاتا ہے۔ یہ تنگ شلوکا پہنتی ہیں۔ اور سر پر شال یا "ماجترو" ڈالتی ہیں گرمی میں وائل یا ململ کی اور جاڑوں میں اون کی شال استعمال ہوتی ہے، چیک ڈیزائن کی شالیں جیسی اسکاٹلینڈ کے پہاڑی علاقے میں عام ہیں، جہاں بھی بہت پسند کی جاتی ہیں۔

جاڑوں میں سکم میں سخت سردی پڑتی ہے، خصوصاً اونچی جگہوں پر۔ اس کی راجدھانی گینگ ٹاک سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند ہے۔ اور کنچن چنگا اور ہمالہ کی دوسری چوٹیوں کا شاندار منظر پیش کرتی ہے۔ شہر بہت اچھا بسا ہوا ہے۔ زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہے سڑکیں اور بازار کشادہ ہیں۔ نومبر میں جب آسمان کی نیلاہٹ سب سے زیادہ ہوتی ہے، برفانی چوٹیاں چمکتی ہیں۔ اور شاہ دانے پر بہار ہوتی ہے تو گینگ ٹاک کا منظر سب سے حسین ہوتا ہے۔ مہاراجہ کا محل اور خانقاہ گینگ ٹاک کے سب سے اونچے ٹیلے پر ہے۔ محل کو جانیوالے راستے پر بہت سے باغ اور دورویہ شاہ دانے کے درخت ہیں۔

گینگ ٹاک میں اور آس پاس جو اناج کی فصل اچھی ہوتی ہے جو نیچی سطح پر دھان، الائچی اور سنترے کی پیداوار ہوتی ہے گینگ ٹاک کے شمال میں وادی لاچن میں بہت عمدہ سیب ہوتے ہیں کلکتہ کی منڈیوں میں سکم کے سنترے دارجلنگ کے سنتروں کے نام سے بکتے ہیں۔

اتوار کے دن گینگ ٹاک میں بازار لگتا ہے اور چھ دن کا سونا بازار رنگ برنگ کے کپڑوں کا مرکز ہو جاتا ہے۔ پہاڑی اپنے بہترین کپڑوں میں نظر آتے ہیں۔ عورتوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ بہت سی عورتیں دکان لگاتی ہیں۔ عورتوں کے بنائے ہوئے قالین اور کمبل بہت بکتے ہیں۔ یہ پرانے تبتی اور سکمی نمونوں کے ہوتے ہیں۔ عورتیں اون کاتنے اور موزے، سوئٹر، مفلر اور ٹوپیاں بننے میں بڑی ہوشیار ہوتی ہیں۔ لڑائی کے زمانے میں سکم میں بہت سی سوئٹروں اور موزوں کے علاوہ فوجوں کے لئے صرف سمندری جوتوں کے موزوں کے ایک ہزار جوڑے تیار ہوئے تھے۔ بنائی کا کام ہر لڑکی اپنی ماں سے سیکھتی ہے۔ زیادہ مشکل ڈیزائن لڑکیوں کے اسکول میں سکھائے جاتے ہیں۔ لڑکیوں کو اپنے اسکول پر بڑا ناز ہے۔ کبھی کبھی لڑکیوں کے اسکول میں اتنے ہی داخلے ہوتے ہیں جتنے لڑکوں کے اسکول میں

ہماری خدمت کرنیوالے

عبدل

کانوں میں کام کرنیوالے مزدور

کو دیکھنے کیلئے کوئلے کی ایک کان پر جاتا ہے

از جانی چوہان

کوئلے کی کان کے منیجر مسٹر مکرجی، عبدل کے دوست تھے۔ ایک دن وہ اسے اپنی ایک کان دکھانے لے گئے۔ راستے میں انھوں نے اسے سمجھایا کہ کوئلہ کیا ہے: "تم جانتے ہو عبدل" انھوں نے کہا "کہ لکڑی کا کوئلہ لکڑی سے بنتا ہے اور شاید تم نے جنگلوں میں لکڑی کو جلا کر کوئلہ بناتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ لیکن ہم جو کوئلہ دیکھنے جا رہے ہیں وہ دوسری طرح کا ہے۔ اسے کبھی کبھی سحاب کا کوئلہ کہتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں یہ پتھر کا کوئلہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ بڑے بڑے سیاہ پتھروں کی طرح ہوتا ہے۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کوئلہ زمین کے اندر پایا جاتا ہے۔

پہلے پہل یہ کوئلہ بھی لکڑی تھا اور قدرت نے خود ہمارے استعمال کے لئے ہزاروں سال میں یہ ایندھن تیار کیا ہے۔ بہت دن پہلے جب اس زمین پر آدمی کا نشان بھی نہ تھا، جگہ جگہ فرن کے بڑے بڑے لمبے موٹے اور مضبوط درخت تھے۔ بعد میں یہ درخت سوکھ کر زمین میں دب گئے اور قدرت نے انھیں کوئلہ بنا دیا۔ ان کے علاوہ عام پیڑوں کے بڑے بڑے جنگل تھے۔ کبھی کبھی سمندر زمین پر چڑھ آتا تھا اور اپنی رو میں بہت سے پیڑوں کو بہالے جاتا تھا۔ یہ پیڑ صدیوں تک سمندر کی تہ میں پڑے رہے یہاں تک کہ سمندر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور وہ جگہ خشک ہو گئی۔ اسی دوران میں قدرت پیڑوں کو کوئلے کی شکل میں ڈھالنے میں مصروف تھی۔ تو یہ وجہ ہے میاں عبدل کہ کوئلہ زمین کے اندر پایا جاتا ہے اور ہمارے مزدور اسے کھود کر نکالتے ہیں۔"

اتنی دیر میں عبدل اور مسٹر مکرجی کان کے اوپر پہونچ گئے۔ عبدل کو وہاں کئی عمارتیں اور چمنیاں نظر آئیں۔ مسٹر مکرجی نے کہا۔ "اب ہم کان کے اندر چلیں گے لیکن پہلے اپنی جیبیں خالی کرو اور دیکھ لو کہ ان میں دیا سلائی یا ٹارچ تو نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ہم اندر نہیں لے جا سکتے ورنہ بہت سے آدمیوں کی جان جا سکتی ہے۔"

"یہ کیوں؟" عبدل نے پوچھا۔ "اس لئے کہ کانوں کے اندر ایک قسم کی گیس ہوتی ہے جو روشنی پا کر پھٹ جاتی ہے اس کی وجہ سے ساری کان میں آگ لگ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئلے کی بڑی بڑی چٹانیں ٹوٹ جائیں۔ راستہ بند ہو جائے اور اندر کام کرنیوالے مزدور باہر نکل سکیں اور یا تو جل جائیں یا بھوک سے مر جائیں ——— اچھا عبدل، یہ برساتی پہن لو کیونکہ کان میں گندگی بھی ہوگی اور نمی بھی۔"

وہ دونوں کان کے اندر اترنے والے راستے پر گئے۔ یہ ایک بڑی سرنگ تھی جو زمین کے اندر گہرائی تک چلی گئی تھی۔ مسٹر مکرجی کی کان تو صرف پانچ سو فٹ گہری تھی لیکن انھوں نے عبدل

کو بتایا کہ ہندوستان کی بعض کانیں ایک ہزار فٹ تک گہری ہیں اور بلجیم کی بعض کانیں تو چار ہزار فٹ تک گہری ہیں۔

وہ لکڑی کے ایک پنجرے میں بیٹھ کر نیچے اترنے لگے یہ پنجرا اس لفٹ سے ملتا جلتا تھا جو اکثر بڑی بڑی عمارتوں میں لگی ہوتی ہے۔ بہت جلد اندھیرا ہو گیا۔ عبدل نے مسٹر مکرجی کو مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ نیچے اترتے گئے، اترتے گئے۔ بڑی دیر تک یونہی چلتے رہنے کے بعد آخر پنجرا رکا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے نیچے شہر آباد کر دیا گیا ہے سرنگ کے سرے سے ایک چوڑی سڑک نکلی تھی اور کئی چھوٹی بڑی گلیاں ادھر اُدھر تھیں۔ ان تمام سڑکوں پر کئی انچ گہری سیاہ کیچڑ تھی دیواروں سے بھی سیاہ رطوبت نکل رہی تھی۔ حالانکہ عبدل کو پسینہ آ رہا تھا، پھر بھی اسے خوشی ہوئی کہ وہ برساتی پہنے ہوئے ہے۔ کان کے مزدوروں کو دن بھر اسی گرم، نم اور دم گھٹا دینے والی فضا میں کام کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی انھیں سڑکوں پر کئی میل چلنا پڑتا ہے تب جا کر وہ اس جگہ پہونچتے ہیں جہاں انھیں کام کرنا ہے۔ یہ جگہ ایک گھر یا کمرے کی طرح ہوتی ہے۔

اندھیرا گھپ تھا اور عبدل کو روشنی کے ننھے ننھے نشانوں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ یہ نشان اصل میں حفاظتی لیمپ تھے جو مزدوروں نے راستہ دیکھنے کے لئے جلا رکھے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد عبدل کو کچھ کچھ نظر آنے لگا تو اس نے دیکھا کہ ایک مزدور کدال سے سیاہ دیوار توڑ رہا تھا۔ دوسرا آدمی کوئلے کو ٹوکری میں بھر بھر کے ایک ٹب تک لے جا رہا تھا جو سڑک پر ذرا دور رکھا تھا۔

"یہ ٹب مال گاڑی کے ڈبوں کی طرح کیوں ہیں؟ ذرا دیکھئے تو یہ لائن پر کھڑے ہوئے ہیں" عبدل نے حیرانی سے پوچھا۔

مسٹر مکرجی نے جواب دیا "ہاں۔ جب یہ ٹب کوئلے سے بھر جاتے ہیں تو یہ ایسی لائن پر سرنگ کے سرے تک جاتے ہیں جہاں وہ سطح کے اوپر کھینچ لئے جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا تھا کہ اوپر ریل کے ڈبے کھڑے تھے کہ کوئلہ بھر کر ہندوستان کے ان حصوں کو لے جائیں جہاں اس کی ضرورت ہے۔ اور وہاں پہونچ کر یہ بہت کارآمد اور مفید استعمال میں آئے گا۔ کچھ بتا سکتے ہو؟"

"ایک تو یہ اس گاڑی کو چلاتا ہے جو مجھے کلکتہ سے یہاں لائی ہے"

عبدل نے جواب دیا "اور دیہاتوں سے آٹا، دال، چاول اور شکر ہمارے استعمال کے لئے لاتی ہے۔ پھر اس کی مدد سے وہ مشینیں چلتی ہیں جو ہمارے پہننے کا کپڑا بنتی ہیں"

"ٹھیک ہے" مسٹر مکرجی نے کہا "بلکہ ہم کو جو برف گرمیوں میں ٹھنڈا رکھتی ہے وہ بھی کوئلے کی مدد سے بنتی ہے۔ اور بہت سی باتوں کے لئے ہم کوئلے کے محتاج ہیں۔ اس کے بغیر کوئی کارخانہ چل ہی نہیں سکتا۔

اتنی دیر میں وہ اوپر سطح پر پہونچ گئے اور عبدل کو دوبارہ سورج کی روشنی دیکھ کر اور تازہ ہوا میں سانس لے کر بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے جن مزدوروں کو کان کے اندھیرے میں مشکل اور خطرناک کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ انھیں کبھی نہیں بھولا۔

کیا آپ جانتے ہیں

دنیا کا سب سے پرانا درخت کہاں ہے؟

جو درخت دنیا بھر میں سب سے پرانا سمجھا جاتا ہے وہ نکاراگوا میں ہے۔ یہ اس وقت ناپا گیا تھا جب اس کا اوپری حصہ کسی زبردست آندھی میں اڑ چکا تھا۔ اس کا بقیہ حصہ اسی فٹ اونچا ٹھنٹھ تھا۔ تنے کی گولائی سو فٹ سے زیادہ تھی۔

کچھ بیجوں کے پر ہوتے ہیں؟

ناروے میں ایک درخت ہوتا ہے جسے میپل کہتے ہیں۔ اس کے بیجوں کے اوپر بالکل پرندوں کی طرح پر ہوتے ہیں۔ قدرت نے یہ پر انھیں ایک خاص وجہ سے دئے ہیں جب بیج پک جاتے ہیں اور ٹوٹ کر گرتے ہیں تو وہ سیدھے زمین پر نہیں آتے بلکہ کچھ دور تک ہوا میں اڑ کر جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جہاں گرتے ہیں وہاں اچھی زمین اور کافی دھوپ ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کی نشو و نما اچھی ہوتی ہے اور وہ کافی لانبے اور مضبوط ہوتے ہیں۔

کچھ مچھلیاں زہریلی ہوتی ہیں؟

عام طور پر مچھلیاں کسی کو نقصان نہیں پہونچاتیں۔ لیکن بعض مچھلیاں اپنے بچاؤ کے لئے مسلح ہوتی ہیں۔ ایسی ہی ایک مچھلی "ویور" ہے۔ یہ برطانوی ساحل سے پرے پائی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ صرف چند انچ کی ہوتی ہے لیکن اس کے پروں میں بڑا خطرناک زہر بھرا ہوتا ہے اور اگر یہ کسی آدمی کی کھال میں چبھ جائیں تو نتیجہ وہی ہو جو زہریلے سانپ کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔

ہم ایسے تارے کی روشنی دیکھ سکتے ہیں جس کا وجود نہیں ہے؟

حالانکہ یقین کرنا مشکل ہے لیکن یہ بات صحیح ہے کہ ہم اس تارے کی روشنی دیکھ سکتے ہیں جس کا وجود عرصہ ہوا ختم ہو چکا ہے۔ حالانکہ روشنی ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی زبردست رفتار سے سفر کرتی ہے پھر بھی بعض ستارے اتنی دور ہیں کہ ان کی روشنی ہزاروں برس میں ہمارے پاس پہونچتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی ستارے کی روشنی زمین پر اس وقت پہونچتی ہے جب خود ستارے کا وجود ختم ہو چکتا ہے۔ سنہ ۱۹ء میں لوگوں نے پہلی بار اس ستارے کی روشنی دیکھی تھی جو تین سو برس پہلے وجود میں آچکا تھا۔

سورج کی سطح پر آگ کی آندھیاں چلتی ہیں؟

سورج کی سطح پر آگ کی زبردست آندھیوں کی وجہ سے لگاتار گڑبڑ رہتی ہے۔ چاروں طرف زبردست شعلے اٹھتے رہتے ہیں۔ یہ اتنے خوفناک ہوتے ہیں کہ زمین کو ایک ذرے کی طرح جھلسا سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض شعلوں کی لمبائی زمین کی دس گنا تک ہوتی ہے ؏

ہنسو ہنساؤ

فقیر:۔ بیگم صاحبہ کیا آپ کے پاس ایک بھوکے آدمی کے لئے کھانا ہوگا؟

بیگم:۔ ہے تو سہی مگر وہ ابھی ابھی دفتر سے آنے والا ہے۔

استاد:۔ بتاؤ لڑکو ۱۸۵۷ء میں کیا ہوا تھا؟

ایک لڑکا:۔ دلّی میں غدر ہوا تھا۔

استاد:۔ بالکل ٹھیک اور ۱۸۶۰ء میں کیا ہوا تھا؟

وہی لڑکا:۔ (تھوڑی دیر سوچنے کے بعد) غدر کو تین برس گزر چکے تھے۔

روشن لعل وڈیرہ ناداں (پٹھانکوٹ)

بوڑھا آدمی:۔ صاحبزادے۔ میری عمر اسی برس کی ہونے کو آئی لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے آج تک جھوٹ بولا ہی یا نہیں۔

بچہ:۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اس عمر میں حافظے کا یہی حال ہوتا ہے۔

عتیق الحسن (کلکتہ)

شوفر:۔ (اس آدمی سے جو ابھی ابھی اس کی موٹر کے نیچے آچکا تھا) تم بڑے خوش قسمت ہو کیونکہ یہ حادثہ ایک ڈاکٹر کے گھر کے سامنے ہوا ہے۔

زخمی:۔ ہاں۔ لیکن میں ہی وہ ڈاکٹر ہوں۔

امی:۔ (رشیدہ سے) کیا کر رہی ہو۔ رشیدہ؟

رشیدہ۔ خط لکھ رہی ہوں، امی۔

امی:۔ (حیرانی سے) کسے لکھ رہی ہو؟

رشیدہ:۔ جمیلہ کو۔

امی:۔ لیکن تمہیں تو لکھنا ہی نہیں آتا

رشیدہ۔ تو جمیلہ کو کون سا پڑھنا آتا ہے؟۔ سروکمار قاصد

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

عزیز بھانجو اور بھانجیو!!

میرا ارادہ ہے کہ آئندہ ہر مہینے "آؤ دنیا نئی بنائیں" کے صفحے پر دنیا کے بڑے بڑے مسئلوں پر بحث کروں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں کسی خاص موضوع پر لکھوں تو مجھے بتلاؤ میں کوشش کروں گی کہ ایک ایک کرکے سارے مسئلوں پر اظہار خیال کروں، اگر تم بھی ان بڑے مسئلوں میں سے کسی ایک پر، جس میں تمہیں دلچسپی ہو، ایک مضمون لکھ کر بھیجو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی، اگر کوئی مضمون بہت اچھا ہوا تو ہم اسے رسالے میں چھاپ دیں گے۔

تم نے اب تک مجھے یہ نہیں لکھا کہ چھٹیاں کس طرح گزاریں! مجھے انتظار ہے۔

تمہاری خالہ

مسرت

بی۔ اے [illegible] دہلی۔

خفیہ پیغام

تیب ہن می پشہیند ہم سقے قیبا امب گے ؛

واسکا بلی اور ٹریزکہ کتے کی کہانی

(ایک روسی کہانی)

(حصہ اول)

کسی زمانے میں ایک بوڑھا آدمی اپنی بوڑھی بیوی اور بچے کے ساتھ رہتا تھا۔ بچے کا نام مارٹن تھا۔ بوڑھے نے بڑی محنت کی زندگی گزاری تھی لیکن جب وہ مرا تو اس نے اپنی بیوی اور بچے کے لئے صرف دو سو روبل چھوڑے۔

بوڑھی عورت اس رقم کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن جب وہ وقت آیا کہ گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہ رہا تو اس نے سو روبل نکالے اور ننھے مارٹن کو دیا کہ وہ شہر جا کر سال بھر کے کھانے کا سامان خرید لائے۔ مارٹن شہر گیا۔ وہ گوشت کے بازار سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک بھیانک آواز سنی اور دیکھا کہ ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ وہ بھیڑ میں گھسا تو کیا دیکھتا ہے کہ قصائیوں نے ایک کتے کو پکڑ رکھا ہے اور اسے بری طرح مار رہے ہیں۔ رحم دل مارٹن نے کہا: "میرے بھائیو۔ تم اس غریب کتے کو اتنی بے رحمی سے کیوں مار رہے ہو؟" اس نے اتنا سارا گوشت خراب کر دیا۔ ہم اسے ضرور ماریں گے۔" "نہیں نہیں۔ اسے مارو مت۔ بلکہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔" "بیچ دیں! اتنا عجیب غریب کتا تو ہم سو روبل سے کم میں نہ بیچیں گے۔" قصائیوں نے مارٹن کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"سو روبل آخر سو روبل ہی تو ہوتے ہیں۔" ننھے مارٹن نے کہا۔ اور کتے کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

کتے کا نام ٹریزکہ تھا۔ لیکن مارٹن کی بیوہ ماں کو اس بات سے خوشی نہیں ہوئی کہ اس کا بیٹا ایک سو قیمتی روبل اس طرح ضائع کر آیا۔ دوسرے دن اس نے اپنے بیٹے کو بقیہ رقم کے ساتھ بازار بھیجا کہ وہ ایک سال کے لئے کھانے کا سامان خرید لائے۔ "خبردار۔ ہمارے پاس بس اب اتنا ہی ہے۔"

لیکن جب مارٹن شہر پہونچا تو اس نے دیکھا کہ ایک بچہ ایک بلی کی گردن میں رسی باندھے اسے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ غریب بلی کو دریا میں ڈبونے لے جا رہا تھا کیونکہ اس نے ایک ہنس چرا لی تھی۔

رحم دل مارٹن نے واسکا بلی کو بچانے کے لئے سو روبل لڑکے کو دے دئے۔ لیکن اس دفعہ اس کی ماں بہت خفا ہوئی: "میرے گھر سے نکل جاؤ اور بھیک مانگ کر بیٹ پالو۔ تم میرے کسی کام کے نہیں ہو۔"

چنانچہ مارٹن نوکری کی تلاش میں نکلا۔ واسکا بلی اور ٹریزکہ کتا اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ اس نے ایک کسان کے یہاں نوکری کر لی۔ ایک دن جنگل میں اس نے ایک لڑکی کی جان بچائی۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ "میرے ساتھ میرے باپ کی سلطنت میں چلو۔ اور اگر وہ تمہیں سونا، چاندی یا جواہرات دیں تو قبول مت کرنا بلکہ وہ انگوٹھی مانگنا جو انھوں نے اپنی چھوٹی انگلی میں پہن رکھی ہے۔"

وہ خوبصورت لڑکی مارٹن کو اپنے باپ کی سلطنت میں لے گئی۔ اس کا عجیب و غریب محل زمین کے اندر چمکدار پتھر سے بنا ہوا تھا اور اس کی سنہری چھت پر سنہرے گنبد کے کلس دمک رہے تھے۔ شہنشاہ کو اپنی لڑکی کی جان بچنے کی بڑی خوشی ہوئی اور اس نے مارٹن کو بہت انعام اکرام دینا چاہا لیکن اس نے شہزادی کی رائے کے مطابق چھوٹی انگوٹھی طلب کی جو اسے مل گئی۔

مارٹن ایک لمبی سرنگ طے کر کے زمین کے اندر کی دنیا سے باہر نکلا اور اپنے گاؤں آ گیا۔ اور اپنی بیوہ ماں کے ساتھ خوشحالی سے رہنے لگا۔ لیکن وہ بہت خوش نہیں تھا کیونکہ خوبصورت شہزادی کی یاد اسے ستاتی رہتی تھی۔

آخر اس نے اپنی ماں سے کہا کہ بادشاہ کے پاس جا کر شہزادی کے ساتھ اس کی شادی کا پیغام دے۔ غریب بیوہ بولی: "بادشاہ اپنی شہزادی کی شادی مجھ غریب کے گھر میں کبھی نہ کرے گا۔"

پھر بھی وہ بادشاہ کے محل پہونچی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنی شہزادی کی شادی اس کے لڑکے سے کر دے جو بہت عقلمند، چالاک اور ہرفن مولا تھا۔

بادشاہ نے کہا "اچھا۔ اس سے کہو کہ چوبیس گھنٹے کے اندر میرے محل سے زیادہ شاندار محل بنا کر دونوں محلوں کے درمیان بلور کا پل تیار کرے۔ پل پر سیب کے درخت ہوں جن میں سونے چاندی کے سیب لگے ہوں اور فردوس کے پرندے ان پر چہچہاتے ہوں۔ اگر وہ یہ کرسکتا ہے تو میں شاہزادی کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا۔ لیکن اگر وہ یہ نہ کرسکا تو میں تمہیں اور تمہارے لڑکے کو منہ کالا کرکے پروں میں لپیٹ کر بازار میں ٹنگوا دوں گا تاکہ ہر شخص تمہارا مذاق اڑائے"

غریب ماں اتنی ڈر گئی کہ اس کا گھر پہونچنا محال ہوگیا لیکن مارٹن ہنسنے لگا اور بولا: "اماں۔ خوش ہو جاؤ، خدا سے دعا کرو اور آرام سے سو جاؤ۔ صبح ہمیشہ پچھلی شام سے زیادہ عقلمند ہوتی ہے"۔

مارٹن نے اپنی جادو کی انگوٹھی نکالی اور اسکی مدد سے اس نے بادشاہ کی ساری خواہشیں پوری کر دیں اور وہ خوبصورت شہزادی کے ساتھ محل میں رہنے لگا۔

لیکن افسوس کہ حسین شہزادی جتنی خوبصورت تھی اتنی نیک نہ تھی اور وہ اپنے شوہر سے محبت نہ کرتی تھی۔ وہ یہ نہ بھولی کہ وہ شاہزادی ہے اور اس کا شوہر معمولی آدمی ہے۔ وہ یہ بھول گئی کہ اس نے اس کی جان بچائی تھی۔ چنانچہ ایک رات اس نے مارٹن کی انگوٹھی چرالی اور اس کی مدد سے محل کا سارا طلسم ایک لمحے میں ختم کر دیا اور اس کی جگہ ایک بوسیدہ جھونپڑا رہ گیا۔ وہ خود اپنے باپ کی سلطنت میں چلی گئی۔

دوسرے دن صبح بادشاہ اپنی بیٹی اور داماد سے ملنے آیا تو دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں صرف ایک جھونپڑی ہے اور مارٹن اس میں بڑا خراٹے بھر رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ مارٹن ضرور کوئی بدمعاش جادوگر ہے جس نے اسے اور اس کی

بیٹی کو دھوکا دیا ہے۔ اس لئے اس نے اسے ایک تنگ مینار پر قید کر دیا تاکہ اسے کھانے پینے کو کچھ نہ ملے اور وہ فاقے سے مرجائے۔

اب بڑھ کر کتا اور وہ اسکا بلی مارٹن کی مدد کو آئے۔ شہزادی کی طرح وہ یہ نہیں بھولے تھے کہ مارٹن نے ان کی جان بچائی تھی۔ چنانچہ وہ مل کر اپنے آقا کو بچانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

(باقی آئندہ)

اے میرے رابل —— بقیہ صفحہ ۵

بقیہ صفحہ ۵

جا کر رپورٹ لکھی اور فرض کے راستے سے ہٹنے کی پاداش میں خودکشی کرلی کوسٹ اور سالیس کی شادی ہوگئی لیکن والتران ان کے ساتھ نہ رہ سکا۔ مارلیس نے باوجود اسکے کہ والتران نے اسکی جان بچائی تھی۔ اس سے اپنا تعلق نہ رکھنا چاہا۔ کیونکہ والتران مجرم تھا۔ لیکن بعد میں مارلیس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور وہ کوسٹ کو ساتھ لیکر اس کے پاس پہنچا لیکن اس وقت والتران بستر مرگ پر پڑا تھا۔ بشپ کے دئے ہوئے شمعدان اس کے پاس رکھے تھے والتران نے دونوں کو دعا دی اور کہا کہ تمہیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ میرے مرنے کے بعد کبھی کبھی مجھے یاد کر لیا کرنا۔ یہ کہکر اس نے کوسٹ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

ڈاک کی ہڑتال کی وجہ سے ابھی تک تمہارے بچے نہیں بھیجے جا سکے۔ جیسے ہی ڈاک خانے انھیں قبول کرنے لگیں گے، ننھے ننھے پارسل تمہارے لئے روانہ ہو جائیں گے اور مجھے یقین ہے کہ انھیں کھول کر تمہیں خوشی ہوگی۔

میں سوچتی تھی کہ تم سب ان لوگوں کی کچھ مدد کرنا چاہوگے جو تم سے کم خوش قسمت ہیں۔ بہت سے غریب بچے سارا دن ہسپتال میں بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ ان کے لئے تصویروں کی کتاب بنانا کیسا رہے گا؟ کسی دن جب بارش ہو رہی ہو اور تم کھیلنے کے لئے باہر نہ جا سکو تو اپنے بھائی بہنوں کو جمع کر لو اور یہ کام کر ڈالو۔

بادامی رنگ کا مضبوط ایک کاغذ لو۔ اس کی چار تہہ موڑ لو۔ اب اس میں آٹھ صفحے ہو گئے۔ تصویروں والے رسالوں سے عمدہ عمدہ تصویریں کاٹ لو۔ بیمار بچوں کو پھولوں، جانوروں اور دوسرے بچوں کی تصویریں زیادہ پسند ہوں گی۔ آٹے اور پانی سے تھوڑی سی لئی بنا لو اور تصویروں کو خوب صورت انداز میں آٹھوں صفحوں پر چپکا دو۔ پہلے صفحے پر اتنی جگہ چھوڑ دو کہ یہ عبارت لکھی جا سکے: "تمہارے لئے میرا تحفہ"۔ ساتھ ہی اپنے نام کی جگہ بھی چھوڑ دو۔ عبارت رنگین روشنائی سے بہت خوبصورت لکھی ہونی چاہئے۔ پھر یہ کتاب مجھے بھیج دو۔ جتنے بچے یہ نیک کام کریں گے ان کے نام میں اس صفحے پر چھاپ دوں گی۔ یہ کتابیں بچوں کے ہسپتالوں کو بھیج دی جائیں گی۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہاری بنائی ہوئی کتاب کس ہسپتال میں گئی۔ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

تمہاری خالہ

مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

نوٹ: اس فارم کے ساتھ فیس ممبری کے علاوہ پتا لکھے لفافے کے ٹکٹ بھیجنا ضروری ہے۔

ضرور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
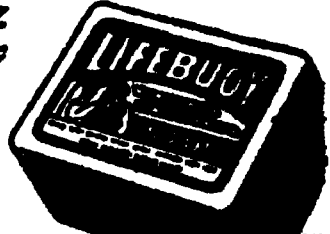
گدّے کا غلاف کاڑھئے

یہ گدّے کا غلاف ہر بچہ اپنی ماں کے لئے بنا سکتا ہے۔ مضبوط دوسُتی یا ٹاٹ کا بیس انچ لمبا چوڑا ایک کپڑا لو۔ ڈیزائن تصویر کے چوگنے سائز پر اتار لو۔ اگر تمہاری ڈرائنگ اتنی اچھی نہیں ہے کہ اسے چوگنے سائز پر بنا سکو تو بیس انچ لمبے چوڑے کپڑے کے ہر کونے پر ڈیزائن اسی سائز میں اتارو۔ لکیریں چمکدار سوت سے صاف اور برابر رفو کے ٹانکوں میں بناؤ۔ تتلیوں کی لکیریں کاج کے ٹانکوں میں یا زردوزی میں بناؤ۔ تتلی کے بدن کا حصہ تھوڑا کپڑا رکھ کر زردوزی سے کاڑھو۔ تم نے جو زندہ تتلیاں دیکھی ہیں اُن کے مطابق رنگوں کا انتخاب تم خود کرو۔

جوابات : معلومات عامہ کا مقابلہ

(۱) غرناطہ (اسپین) (۲) امریکہ (۳) ہندوستان (۴) درۂ خیبر (۵) ڈاکٹر جینر (۶) نہیں (۷) انسان (۸) میکسیکو (۹) ڈاماس اے کی کی (۱۰) قاہرہ (۱۱) آسٹریلیا کے مشرقی ساحل کے قریب مونگے کا بڑا جزیرہ (۱۲) اوسیئم (۱۳) سپیریر جھیل (۱۴) اکبر بادشاہ (۱۵) چاند (۱۶) کرکشتیر (۱۷) فرانسیسی مغربی افریقہ میں صحرائے اعظم کے سرے پر (۱۸) بہادر شاہ بادشاہ۔ رنگون میں دفن ہیں (۱۹) (د) پہاڑ (ب) دریا (ج) دریا (د) پہاڑ (۲۰) صرف ناک پر (۲۱) ۵۴ سال (۲۲) تاروں سے دور رہنا چاہئے کیونکہ بجلی تاروں میں سے گزرتی ہے اور اس کے قریب جان خطرے میں ہوتی ہے۔ (۲۳) پلوٹو (۲۴) انگیس اور رقیق چیزیں (۲۵) (د) قطب الدین ایبک نے شروع کیا اور التمش نے ختم کیا (ب) شاہجہاں (ج) فرعون مصر (د) شاہجہاں۔

لڑکیوں کے نام تلاش کیجئے

ت	او	س	س	ی	ت
ر	ی	لا	و	ا	ن
ئی	ص	ی	ش	ک	ی
ہ	س	ع	ا	ل	ت
س	لی	ی	م	ز	ر
ل	م	د	ہ	ع	ا

اوپر کی شکل میں چھتیس چھوٹے چھوٹے خانے ہیں۔ ہر خانے میں ایک یا دو حرف لکھے ہوئے ہیں۔ پہلی نظر میں تو یہ حرف بے ترتیب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ایک خاص ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ اب تمھیں ان حروف کو پڑھنا ہے۔ کسی خانے سے شروع کرو۔ پھر اس کے پاس والے خانے میں جاؤ اور اسی طرح چلتے رہو یہاں تک کہ سب خانوں میں جا چکو۔ ایک خانے سے دوسرے خانے میں اس وقت تک نہ جاؤ جب تک دونوں ملے ہوئے نہ ہوں۔ ایک خانے میں دوبارہ نہ جاؤ۔ ترچھے نہیں جا سکتے۔ سیدھے چلو۔ اگر تم نے ٹھیک جگہ سے شروع کیا اور صحیح راستے پر سفر کیا تو تمھیں حروف کی جو ترتیب ملے گی اس میں بہت سی لڑکیوں کے نام بنتے ہیں ——— شاید تمھاری دوستوں کے!

حل اگلی اشاعت میں چھپے گا

پھولوں کا معمّہ

اس تصویر میں چھ قسم کی پتیاں اور چھ قسم کے پھول نظر آ رہے ہیں۔ یہ عام پھول ہیں اور میرا خیال ہے تم سب انھیں جانتے ہو۔ کیا تم ان کے جوڑے لگا سکتے ہو؟ ہر پھول کو اس کی پتی کے ساتھ ملانے کی کوشش کرو۔ اگر تم رسالہ نہیں کاٹنا چاہتے تو پھولوں اور پتیوں کو کسی کاغذ پر اتار کر دوسرے کاغذ پر چپکا لو۔ اس کے بعد تم ان میں رنگ بھی بھر سکتے ہو۔

اس معمّے کا جواب اگلے مہینے کے پرچے میں شائع کیا جائیگا

نونہال
اکتوبر ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۱۲

اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ ــــ نمبر ۱۲

کیلیفورنیا (امریکہ) میں ایک اونچا درخت۔ یہاں درختوں کی اونچائی ساڑھے تین سو فٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ درخت اتنا چوڑا ہے کہ اس کے تنے میں سے سڑک گذرتی ہے ۔

اس پرچے میں

ادارہ

مسرت جہاں بیگم تیموری — عزیز احمد
ست کے سیٹھی — اے۔ ایم۔ شاستری

آرٹ ایڈیٹر

وی۔ ووڈسن — بی۔ ڈی۔ شرما

پبلشرز

ادارۂ مطبوعات متحدہ
[illegible] ۱۶۶۶ دہلی

پرنٹرز

[illegible] آف انڈیا وغیرہ وغیرہ
[illegible] پرنٹنگ ورکس۔ دہلی

پچھلے چند سالوں سے عربوں اور عرب لیگ کے متعلق تم نے بہت کچھ پڑھا اور سنا ہوگا جیسا کہ تمہیں معلوم ہے عرب ممالک ۳۰ لاکھ مربع میل لمبے چوڑے علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں یہ علاقہ بر اعظم یورپ سے کچھ ہی چھوٹا ہوگا۔ عرب ممالک کو تین بڑے گروہوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلا سعودی عرب۔ یمن۔ شرق اردن۔ عدن اور جزائر بحرین جو کہ خاص ملک عرب کے علاقے ہیں اس گروہ میں عراق۔ شام اور لبنان بھی شامل کئے جاسکتے ہیں۔ دوسرے گروہ میں مصر اور تیسرے میں شمالی افریقہ کے ساحلی ملک الجیریا۔ ٹیونس۔ مراکو اور لیبیا شامل ہیں۔

ان ممالک کے باشندے زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اور عربی زبان بولتے ہیں۔ صدیوں تک عرب قوم مختلف قبیلوں میں بٹی رہی جو ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے کوئی ٹھوس مقصد نہ تھا۔ لیکن مذہب اسلام کے ظہور میں آتے ہی ان کے سامنے ایک نصب العین قائم ہوگیا اسلام کی زبردست متحد کرنیوالی قوت نے ان کا شیرازہ باندھ کر انھیں ایک قوم بنادیا۔ اور اس کی تحریک کو بہت قوت پہنچائی۔ پیغمبر کے بعد خلفا نے اس اتحاد کو تین یا چار صدیوں تک برقرار رکھا۔ دسویں صدی کے آخر میں خلفار کا اقتدار کم ہونا شروع ہوگیا۔ اور عرب میں دوبارہ لڑائی جھگڑے چھڑ گئے اور رفتہ رفتہ عربوں کی طاقت کم ہوتی گئی پھر سولہویں صدی میں ترکی کا عثمانی دور حکومت شروع ہوا۔ ترکوں نے کافی عرصے تک عربوں کو اپنی مٹھی میں رکھا۔ لیکن بعد میں ان کی حکومت کو بھی زوال آنے لگا۔ انیسویں صدی میں کہیں جاکر عربوں کو دوبارہ ہوش آیا۔ اس صدی میں مصر اور شام میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں اور بہت سی اصلاحی تحریکیں پھیلیں جن میں سے ایک کا بانی شیخ جمال الدین افغانی تھا۔ ان تحریکوں نے عربوں میں دوبارہ زندگی کی لہر دوڑادی۔

مغرب میں قومیت کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ بہت حد تک عربوں نے بھی اس کا اثر قبول کیا اور ان کے دلوں میں بھی عرب کو ایک متحدہ قوم بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ انیسویں صدی کے آخر میں چند عرب طالب علموں نے نیشنل عرب کمیٹی بنائی۔ جس کا مقصد عرب کو ترکوں کے نیچے سے آزاد کراکے علیحدہ خودمختار حکومت قائم کرنا تھا۔

شروع شروع میں ترکوں نے اس نئی تحریک کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ لیکن بعد میں انھوں نے تمام غیر ترکی جماعتوں کو ممنوع قرار دے دیا۔ اور کئی عرب لیڈروں کو سزائیں دے کر انھیں دبانا چاہا۔

لیکن ان باتوں نے عربوں کے دل میں سلگتی ہوئی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اور یہ تحریک زور پکڑتی گئی۔ اس کے بعد پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ عربوں نے سوچا کہ آزاد ہونے کا موقعہ آگیا ہے اس وقت ترکوں نے بہت کوشش کی کہ عربوں

کو اپنے ساتھ ملائے رکھیں ۔ لیکن کچھ تو خود عربوں کی وجہ سے کچھ انگریزوں کی کوششوں کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ عرب انگریزوں کے ساتھ مل کر ترکی فوجوں سے لڑے ۔ ترکی کی ہار ہوئی اور عربوں نے سوچا کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے ۔ ۱۹۱۹ء میں پیرس میں صلح کانفرنس ہوئی ۔ عربوں نے اپنی آزادی کا مطالبہ کانفرنس میں پیش کیا ۔ لیکن نامنظور ہوا اور عرب ممالک کو کئی حصوں میں بانٹ کر انگریزی اور فرانسیسی حکومت کی نگرانی میں رکھا گیا ۔

عراق کو ۱۹۳۲ء میں آزادی ملی ۔ لبنان اور شام کو ۱۹۴۴ء میں اور شرق اردن کو ۱۹۴۶ء میں ۔ متحد ہو کر رہنے کا خیال عربوں میں جڑ پکڑ چکا تھا ۔ چنانچہ ۱۹۴۴ء میں سکندریہ میں عربوں کی ایک کانفرنس ہوئی اس کے بعد فروری اور مارچ ۱۹۴۵ء میں ہوئی ۔ اس کونسل میں ایک عہدنامہ تیار ہوا جس کی رو سے سات عرب ممالک یعنی مصر، شام ۔ لبنان ۔ شرق اردن ۔ سعودی عرب ۔ عراق اور یمن نے عربوں کے حقوق کے تحفظ کی قسم کھائی

اور خاص طور سے فلسطین کو آزاد کرانے کی ۔ اسکے علاوہ اور سیاسی معاشرتی اقتصادی اور صحت وغیرہ کے معاملات میں بھی ایک دوسرے کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ۔

عرب لیڈروں کے سامنے بہت سے اہم مسئلے ہیں ۔ سب سے بڑی گتھی تو یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے جیسا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ وہ سب سے الگ تھلگ رہیں گے ۔ ذرا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے ۔ سیاسی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے وہ مغربی ممالک سے بالکل اپنا رشتہ نہیں توڑ سکتے ۔ اس گتھی کو سلجھانا کافی مشکل ہے ۔ اس کے لئے بہت سیاسی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے ۔ لیکن جہاں چاہ ہوتی ہے وہاں راہ ہوتی ہے ۔ عربوں سے ہمیں مل جل کر رہنے کا سبق بھی ملتا ہے ۔ جب تک عربوں میں پھوٹ رہی وہ نقصان میں رہے ۔ اور جب انھوں نے ایک آواز ہو کر کام شروع کیا وہ کامیاب ہوئے ۔

بینو

تین منظروں میں بچوں کے لئے ایک ناٹک

(از بلقیس بیگم)

ناٹک میں حصہ لینے والے

بینو - آٹھ سال کا لڑکا - موفی - بینو کی بہن عمر سات سال - بینو کا باپ - بینو کی ماں - ڈاکٹر - رامداس - ملازم - پھیری والے وغیرہ وغیرہ

پہلا منظر

(بینو کے گھر میں ملاقات کا کمرہ، بینو کے والدین اور اسکی بہن موفی گھر میں موجود ہیں —— بینو اسکول سے آتا ہے)

بینو :- امّی جان سلام، ابّا! سلام.... موفی تو اسکول سے آگئی ہے ؟

موفی :- ہاں استانی نے آج جلدی چھٹی دے دی، پڑھائی کے سال کا اخیر ہے نا۔

بینو :- ہاں۔ ہاں، سال کا آخیر ہے۔ اب پورے تین ہفتے چھٹی رہیگی، خوب مزا آئیگا، آہاہا!

موفی :- میں بھی خوش ہوں، تمہیں پتہ ہے، ابّا جان نے کہا ہے، ہمیں لمبی سیر کرائیں گے ؟- میرا نتیجہ بڑا اچھا ہے ؟ تمہیں کیا خبر میں جماعت میں اوّل رہی ہوں۔

بینو :- ذرا بے چین ہو کر) اچھا اوّل نمبر ؟ (گفتگو کا پہلو بدل کر جلدی سے) موفی میں راستے میں سے ایک مینڈک اٹھا لایا ہوں، یہ ڈبیہ میں رکھا ہے، دکھاؤں تجھے ؟ بڑی چھلانگیں لگاتا ہے۔

موفی :- دکھاؤ مجھے دکھاؤ۔

باپ :- (درمیان میں) او بینو تم نے امتحان کی رپورٹ نہیں دکھائی کہاں ہے وہ ؟

بینو :- (گھبرا کر) او وہ میں بھول ہی گیا، کمال ہو گیا۔ ہاں تو کہاں چلی گئی وہ ؟ شاید اس جیب میں ہو گی (جیب ٹٹولتا ہے) نہیں اس جیب میں نہیں۔ ہاں میرا خیال ہے۔ مدرسے میں رہ گئی۔ (ذرا اطمینان کے انداز میں) اب مدرسہ چھٹیوں کے لئے بند ہو گیا ہے۔

باپ :- (تیزی سے) ٹھیک، بستے کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا بینو! ذرا اس میں بھی دیکھ لو، وہیں نہ ہو۔

بینو :- ہاں ہاں، مجھے بستے کا خیال ہی نہیں آیا..... دیکھتا ہوں.... ابّا جان آپ ٹھیک کہتے تھے، یہ نکل آئی لیجئے! آپ دیکھیں گے ؟

باپ :- کیوں نہیں، دیکھوں تو سہی تم مدرسے میں کیا کرتے رہے ہو، پچھلی رپورٹیں تمہاری ساری دیکھی ہیں (کاغذ کے کھلنے کی آواز) ہوں، حساب، درمیانے درجہ کا- جغرافیہ- معمولی.... انگریزی درمیانے درجے کی، یہ تو کوئی اچھا نتیجہ نہیں، ڈرائنگ۔ زیادہ توجہ نہیں دیتا۔

بینو :- (قدرے گھبرا کر) ڈرائنگ تو لڑکیوں کا مضمون ہے۔

باپ :- (جاری رکھتے ہوئے) یہ کیا ؟ تاریخ- بہت کمزور ہے، ٹھیک نئوں میں سے سات نمبر نالائق کہیں کا- تاریخ میں تمہیں کیا ہو گیا ؟ باقی مضمون بھی ایسے ہی ہیں، صرف سات نمبر! اب کبھی کوئی سات نمبر بھی لیتا ہے۔

بینو :- مجھے افسوس ہے- ابّا جان- میں نے تو بڑی محنت کی تھی-

باپ :- بڑی محنت ؟ کیسی محنت ؟ میں کہتا ہوں تم تو موچی ہو موچی۔

موفی :- اہاہا! بینو موچی ہے، موچی ہے۔

بینو :- (غصے سے) چپ رہو جی تم چپ رہو۔

ماں :- اب غصے میں آ کے بہن سے مت لڑو۔

موفی :- تو چپ رہ۔

نوکر :- حضور کھانا تیار ہے۔

ماں :- آئیے کھانا کھائیں، آؤ بچو!

بینو :- (تیزی سے) میں نہیں کھاؤں گا- میں تو نالائق ہوں،

ماں :- تو مزے کرو- آؤ موفی تم چلو-

—(باہر جاتے ہیں)—

موفی :- امی جان میں ابھی آئی- تم کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ بھوک لگی ہو گی-

بینو :- میں نے کہہ دیا ہے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

موفی :- (ہنس کر) نہیں کھاتے نہ کھاؤ۔

(دروازہ بند کر چلی آتی ہے)

بینو :- (اپنے آپ سے اکڑتے ہوئے)- اونہہ مجھے کہتے ہیں میں موچی ہوں

سب کے سامنے مجھے ذلیل کرتے ہیں، اس لئے کہ تاریخ میں میرے سات نمبر آئے ہیں، آخر برا کیا، ایک لڑکے کے سات سے بھی کم تھے، خیر پرواہ نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گا، آج پکا یا کیا ہے؟ واہ مجھے کیسی سخت بھوک لگی ہے۔ آہ آلو کے پراٹھے پکے ہونگے، اور امی نے حلوے کا بھی نام لیا تھا۔

باپ:- (دوسرے کمرے سے لڑکی) دیکھو بیرا جاؤ بینو کو بلا لاؤ۔ وہ روٹھے تو کھائیں گے۔

ماں:- کہاں ہے وہ؟ کہیں رو رہا ہوگا؟

موتی:- ہاں! امی اسے سخت بھوک لگی ہے۔

باپ:- تو اس کے لئے تھوڑا سا الگ رکھ دو، اور کیا ہو سکتا ہے ہم کھاتے ہیں۔

بینو:- (دوسرے کمرے میں بڑبڑاتے ہوئے) اونہہ تھوڑا سا الگ رکھ دو، میں اس کے لئے مر رہا ہوں! تھوڑا سا۔ مرچی جو ہوا۔

باپ:- (آواز دے کر) بینو! (جواب ندارد) او بینو!!

بینو:- (اینٹھ کر) کیا ہے؟

باپ:- یہ رونا چھوڑو آؤ کھانا کھاؤ۔

بینو:- میں روتا نہیں، میں سمجھتا ہوں، موچی میز پر کھانا نہیں کھاتے۔

باپ:- احمق! اچھا تو مزے کرو۔

بینو:- (دبی آواز میں) یہ ٹھیک ہے میں احمق ہوں،

(بیرے کی مبہم سی آواز) بینو جی!

بینو:- کیوں کیا ہے؟

بیرا:- یہ تھوڑا سا حلوہ آپ کے لئے لایا ہوں۔

بینو:- (غصے سے) مجھے نہیں چاہئے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔

بیرا:- بہت اچھا!

بینو:- (سسکیاں بھرتے ہوئے) اوہ اوہ۔ کتنی بھوک لگی ہے، اگر میرے پیسے خرچ نہ ہو گئے ہوتے تو بازار سے کچھ لے کر کھا لیتا، پھر تو میں سارا دن کچھ نہ کھاتا اور یہ فکر کرتے اور انھیں مزا آجاتا۔ سارے پیسے ختم ہو گئے، بس اب ایک چونی رہ گئی، یہ چاہو میں نے پنسل خریدا ہاں یاد آیا، بہت اچھا خیال ہے، بازار جاتا ہوں، دو تین کتابیں بیچ ڈالتا ہوں جن کی ابھی ضرورت نہیں۔ کافی رقم آجائیگی۔ سارے دن کے لئے کافی ہوگی۔ میں ان کے کھانے اور بھانے کی کیا پروا کرتا ہوں۔ (باہر جاتا ہے)

منظر دوسرا

(شربت پیو، شربت پیو، مختلف خونچے والوں کی آوازیں ہر طرف سڑک پر) والا شربت! صندل بیدمشک والا شربت، شربت پیو، شربت بھلے، تازہ بھلے پیسے کا ایک، ناگپوری سنترے بارہ آنے درجن، ناگپوری سنترے

(بینو آتا ہے)

بینو:- کیسی مزے کی چیزیں بکتی ہیں، اور مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ یہ سنبوسے بہت خوب ہیں!

پہلا خونچہ والا:- آؤ بیٹا سنبوسے کھاؤ، تازہ ہیں۔

دوسرا:- ہوں، ہوں، ہوں! یہ باسی ہیں، تازہ سنبوسے یہ ہیں، ابھی تل کے لا رہا ہوں، دیکھو کیسی بھینی بھینی خوشبو ہے۔

بینو:- (سونگھ کر) خوب ہیں، لیکن ابھی نہیں، پہلے ایک کام کر آؤں۔ ہاں تو کتابوں کی دکان کدھر ہے۔

یہیں کہیں تو تھی، ہاں ہاں سمجھ میں آیا، وہ نکڑ پہ ہے۔

کتاب فروش:- بیچنا چاہتے ہو! خیر یہ تو الگ معاملہ ہوا نا، میرے پاس پہلے ہی بہت سی کتابیں پڑی ہیں، دیکھوں تو ذرا کونسی کتابیں ہیں، ٹھیک میں پہلے ہی جانتا تھا، یہ کس کام کی ہیں پرانے ایڈیشن انھیں کون لے گا؟ خیر تم بیچنا چاہو تو بارہ آنے ملیں گے سب کے لو گے؟

بینو:- بارہ آنے؟ صرف ایک کتاب ایک روپیہ کی ہے، اور دو تو بالکل نئی ہیں، دیکھو تو اس کتاب کے ابھی ورق بھی نہیں کاٹے گئے مجھ سے تو کہا گیا تھا دو روپے ملیں گے تم بارہ آنے سناتے ہو۔ (دکاندار زور سے جمائی لیتا ہے) اچھا تو تم ڈیڑھ روپیہ دے دو نہیں؟ چلو بارہ آنے ہی دے دو۔

کتاب فروش:- بڑا اچھا سودا کیا تو نے، یہ لو بارہ آنے

بینو:- مہربانی!

(بازار میں سودا بیچنے والوں کی آوازیں پھر بلند ہوتی ہیں)

مٹھائی والا:- گلاب جامن، رس گلے، برفی، جلیبی، تازہ بنی ہوئی

بینو:- مٹھائی، کتنی اچھی بنی ہے، یہ ضرور کھاؤں گا۔

ہاں دیکھو ایک آنے کی برفی دو، دو گلاب جامن، دو رس گلے اور ذرا سی یہ دو۔

مٹھائی والا:- لیجئے پانچ آنے،

بینو:- کھا کر، بڑے مزے کے ہیں، کتنی بھوک لگی تھی!

خونچہ والا:- کیوں صاحب مزے دار سنبوسے نہیں کھاؤ گے؟

بنیو: - ہاں ہاں، تین سنبو سے دو، اور دو پیسے کے پکوڑے۔
خونچہ والا: - یہ لو، اور یہ باقی پیسے ہیں۔
بنیو: - یہ پکوڑے تو اچھے نہیں باسی معلوم ہوتے ہیں، اور سنبوسے کے آلو کتنے واہیات تھے۔

(سپیرا بین بجاتا سنائی دیتا ہے)

بنیو: - سپیرا آیا! سپیرا! اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔ خوب سانپ دکھاتا ہوگا۔

(ساز کی آواز بلند ہو جاتی ہے)

اوہ! اوہ! کس مزے سے سانپ ناچتا ہے۔
موتی سنے گی تو جلے گی۔ (ساز بجنا بند ہو جاتا ہے) یہ لو ایک آنہ۔ سانپ پھر نچاؤ۔ (ساز کی آواز پھر تیز ہو جاتی ہے)
واہ! واہ خوب واہ! واہ! موتی کو سنا کے ستاؤں گا۔ (ساز رفتہ رفتہ ہلکا ہو جاتا ہے)
شربت والا: - شربت پیو۔ ٹھنڈا شربت۔ میٹھا مزیدار شربت۔ شربت پیو شربت
بنیو: - شربت ضرور پینا چاہئے۔ کیا کیا شربت تمہارے پاس ہیں؟
شربت والا: - سب شربت ہیں صندل، بید مشک، گلاب، کیوڑا، لیموں۔
بنیو: - اوہ! اتنے شربت!! اچھا ایک گلاس صندل کا دو اور ایک گلاس کیوڑے کا۔ کتنے پیسے ہوئے۔
شربت والا: - چار آنے (برف توڑ کر گلاس میں ڈالتا ہے) یہ لو شربت ٹھنڈا برف کی طرح۔
بنیو: - یہ لو پیسے، (ایک ہی گھونٹ میں پی جاتا ہے) خوب ہے بڑی پیاس لگی تھی۔ اب صندل پیتا ہوں (گلاس اٹھا کر منہ سے لگاتا ہے) اف، یہ صندل تو نہیں، کتنا بد ذائقہ ہے، دھوکے باز ہو۔ میرے پیسے واپس دے دو۔
شربت والا: - (بگڑ کر) کیسی بے معنی باتیں کر رہے ہو؟ اتنے اچھے ہیں میرے شربت۔ سب پسند کرتے ہیں اور تم کہتے ہو خراب ہیں۔
بنیو: - جھوٹ کہہ رہے ہو۔
ہنگوڑے والا: - (اسٹیج کے پیچھے سے ڈھول کی آواز کے ساتھ) آؤ آؤ ایک آنے میں سواری۔ ایک آنے میں سواری آؤ آؤ۔
اوہ یہ جھولا تو نظر ہی نہیں آیا تھا۔ ضرور چڑھنا چاہئے، دیکھنا شیو میں بھی آیا۔
آدمی: - (اسٹیج کے پیچھے) آؤ آؤ جلدی کرو چلنے والا ہے، چلو چلو۔
(بنیو اسٹیج کے پیچھے چلا جاتا ہے، ایک منٹ کے بعد زور سے آواز آتی ہے ٹھہرو ٹھہرو، خدا کے لئے ٹھہرو میں مر گیا۔ ٹھہرو!
(بنیو سسکیاں لیتا اور لڑکھڑاتا ہوا فوراً ہی اسٹیج پر آتا ہے)
بنیو: - ہائے ہائے میں مر گیا۔ مجھے گھر لے چلو۔ اوہ مری امی

تیسرا منظر

{بنیو کے سونے کا کمرہ۔ بنیو گھر پہنچ چکا ہے اور بستر پر لیٹا ہے، تھوڑی دیر میں کتے کے بھونکنے کی آواز "عف عف" آتی ہے}

بنیو: - (سرہانے سے سر اٹھا کر اسٹیج کی پچھلی طرف دیکھتے ہوئے)
موتی! موتی!! جاؤ اماں کو یہاں لے آؤ (کتا دوبارہ بھونکتا ہے)
ماں: - (اسٹیج کے پیچھے سے کہتے ہوئے) موتی کیا بات ہے (کمرے میں داخل ہوتی ہے)

(بنیو ہائے ہائے کرتا ہے)

ماں: - کیوں بیٹا بنیو کیا بات ہے۔ اچھے تو ہو۔
بنیو: - اف۔ میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے۔ اوہ
ماں: - بچہ! تم کھانا کھائے بغیر کیوں چلے گئے تھے۔
بنیو: - ہائے .... ہائے،
ماں: - ٹھہرو بیٹا میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں (آواز دیتی ہے) او رام داس! رام داس!!
نوکر: - حاضر ہوا بی بی جی۔
ماں: - جلدی جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب کو بلا لاؤ۔ کہو بنیو بیمار ہے۔ فوراً آ کے دیکھ لیں۔
نوکر: - ابھی لاتا ہوں بی بی جی۔
ماں: - ہائے اماں لو زماں

(موتی داخل ہوتی ہے)

موتی: - امی کیا ہوا! بنیو رو رہا تھا۔
بنیو: - اوہ موتی سخت درد ہو رہا ہے۔ میں مر گیا اوہ! اوہ!! اوہ!!!
موتی: - بنیو پانی کی گرم بوتل لاؤں؟
ماں: - موتی۔ جاؤ لاؤ۔ باورچی خانے میں سے لپک کے لاؤ۔
موتی: - ابھی لاتی ہوں امی جی!
باپ: - (باہر سے) رام داس کیا بات ہے سنا ہے بنیو بیمار ہے۔
نوکر: - حضور اپنے کمرے میں لیٹا ہے۔
باپ: - (داخل ہوتے ہوئے) کیوں بیٹا بنیو کیا بات ہے۔
بنیو: - (اس موقع پر اور بھی کراہنا شروع کر دیتا ہے) پھر نرم آواز میں ابا جان آپ ہیں۔

(موتی داخل ہوتی ہے)

موتی: - بنیو یہ لو گرم پانی کی بوتل۔ ٹھہرو میں تمہارے پیٹ پر رکھتی ہوں۔

(باقی [illegible])

بنیا مکھی

از

فرزانہ اور نیلوفر احمد

مجھے یقین ہے تم لوگوں نے بنیا مکھی ضرور دیکھی ہوگی۔ یہ بہت تیز کیڑا ہے۔ آؤ تمھیں بھی اس کی دلچسپ باتیں بتائیں۔

بنیا مکھی اکثر پانی کے قریب رہتی ہے۔ کیونکہ یہاں مچھر اور مکھیاں آسانی سے اسکے ہاتھ آسکتی ہیں پانی کی سطح پر اُڑتے اُڑتے وہ انڈے دے دیتی ہے اور وہ نیچے جا گرتے ہیں۔

انڈوں میں سے بچے پانی کے اندر ہی نکلتے ہیں۔ اور نکلتے ہی اپنا کھانا تلاش کر لیتے ہیں۔ بچے کا سر بڑا اور سامنے دو سونڈیں سی ہوتی ہیں۔ دو بڑی آنکھیں اور چھ مضبوط ٹانگیں اور دو بازو بنیا مکھی کے پیٹ میں کئی حصے ہوتے ہیں۔ اور اس کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے۔

بچہ زیادہ حرکت کرنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ کیچڑ میں دُبکا پڑا رہتا ہے۔ لیکن شکار سامنے آتے ہی اُچک کر اسے پکڑ لیتا ہے۔ سامنے کے رخ ایک لمبا سا بازو ہوتا ہے جس میں پنجے ہوتے ہیں۔ ان میں وہ شکار کو جکڑ لیتا ہے۔ یہ در اصل اس کا نچلا ہونٹ ہے۔ اس کو نقاب بھی

کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بنیا مکھی کے بچے کے منہ کا حصہ ڈھکا رہتا ہے۔ اسکے پیچھے اور مکھیوں جیسے جبڑے ہوتے ہیں۔ انڈے میں سے نکلنے کے بعد بچہ جب تک بڑا نہیں ہو جاتا اپنی دم کے زور سے پانی میں تیرتا ہے۔ بڑا ہونے سے پہلے وہ پانی سے باہر نکل آتا ہے اور گھاس میں بیٹھ کر اپنی کھال اتار دیتا ہے۔ پہلے تو کھال چٹخنی ہے۔ بچہ گھاس میں ڈٹتا ہے اور آہستہ آہستہ کھال میں سے باہر نکل آتا ہے اور پھر تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اس کا جسم بہت نرم اور گیلا اور بازو بہت کمزور ہوتے ہیں لیکن دھوپ لگتے ہی وہ چونچال ہو جاتا ہے اور مکھیوں کے ساتھ اڑنا شروع کر دیتا ہے۔

بنیا مکھی ۴ جالی دار پر اور بدن لمبا ہونے کی وجہ سے بہت تیزی سے اڑ سکتی ہے۔ اس کے بدن کا رنگ اکثر شوخ نیلا ہوتا ہے لیکن اور رنگ بھی دیکھے گئے ہیں پر سفید ہوتے ہیں لیکن بدن کے رنگ کی ہلکی سی جھلک لئے ہوئے۔

بنیا مکھی کی زندگی کا بڑا حصہ پانی کے نیچے گزرتا ہے۔ اور جاڑا آتے ہی اس کی مختصر زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

کدّو میاں

(۱۲)

کدّو میاں اور کرکٹ

کدّو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ ان کے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں لیکن ان میں ایک کرو [illegible]

کدّو میاں کے کان اتنے بڑے بڑے ہیں کہ انھیں بہت سی باتوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ عرصے سے انگلستان میں ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے شاندار کارنامے سن رہے تھے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ انھیں کرکٹ کھیلنا ضرور سیکھنا چاہئے۔ انھوں نے شانٹے کلیر اور اسکول کے دوسرے ساتھیوں سے اس بات کا ذکر کیا اور وہ سب کھیلنے کو تیار ہو گئے۔

سب نے مل کر اسکول کھیل کے میدان میں کھیلنے کی جگہ تیار کی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے باغ اور میدان کے بیچ میں صرف ایک ٹٹی تھی۔ ان لوگوں نے درختوں کی ٹہنیاں وکٹ کے طور پر گاڑ دیں اور موٹی موٹی شاخوں سے بیٹ کا کام لیا۔ بنی خرگوش کو بڑا ناز تھا کیونکہ اس نے ٹٹی کے اندر ایک پرانا کرکٹ بال پا لیا تھا۔ کھیلنے کی جگہ کو ہموار کرنے کے لئے سب نے مل کر اس کو خوب روندا۔

اب کدّو میاں کھیلنے پہونچے اور ذہین زرافہ نے اپنے منہ سے گیند پھینکی کیونکہ اس کی لمبی گردن بہت دور تک پہونچتی تھی۔ گیند شائیں سے گئی اور کدّو میاں نے ایک زبردست ہٹ ماری تو گیند ٹٹی کے پار تھی۔ شڑاق!! گیند جا کر جوہڑ میں گری اور بہت سی کیچڑ اڑ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کے سفید شفاف سوٹ پر پڑی۔

بے چارے کدّو کو پھر کرکٹ کھیلنے کی اجازت نہیں ملی ؛

کل کی باتیں

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

آجکل بہت سے بڑے شہروں میں راشننگ ہے۔ اور تم جتنا دل چاہے آٹا۔ چاول اور شکر نہیں خرید سکتے۔ بلکہ ہر ہفتے ایک خاص مقدار میں یہ چیزیں راشن کی دوکان سے خریدنے کے لئے لائن بناکر کھڑے رہنا پڑتا ہے۔ اپنی باری کا انتظار کرتے کرتے اکثر تمہیں اس زمانے کا خیال آتا ہوگا جب ہندوستان میں اناج کی کمی نہ تھی۔ اور ہر چیز جب دل چاہے خریدی جا سکتی تھی۔ لیکن اگر تم کبھی ان مصیبتوں کا اندازہ لگا سکو جو راشن نہ ہونے کی وجہ سے تمہارے ہموطنوں کو اٹھانی پڑتیں تو تم راشن خریدنے کی مصیبت پر بڑبڑاتے نہیں۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہی ہے ہمارے ملک میں آجکل کھانے پینے کی چیزوں کی بہت قلت ہے۔ یہی حال اور ملکوں کا ہے۔ اسکی وجہ یہ پہلی جنگِ عظیم تھی۔ لڑائی کی وجہ سے فصلیں بالکل تباہ ہوگئیں۔ جن علاقوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ وہاں تو ظاہر ہے کاشت کرنا بالکل ناممکن سی بات تھی۔ دوسرے علاقوں پر بھی لڑائی کا اثر پڑا کیونکہ بہت سے کسانوں نے فوج میں نوکری کرلی۔

لڑائی سے پہلے ہندوستان میں برما اور سیام سے چاول اور جاوا سے شکر آتی تھی۔ لیکن چونکہ ان ملکوں پر جاپان نے قبضہ کر لیا تھا اسلئے یہ مال آنا بند ہوگیا۔ ہندوستان میں جو کچھ اناج پیدا ہوا اسکا بڑا حصہ فوج کے کام آگیا اور جو باقی بچا اسے لالچی سرمایہ پرستوں نے بہت اونچے داموں بیچ کر نفع کمایا۔ اسکا سارا اثر غریبوں پر پڑا جو اتنے زیادہ دام دے کر اناج نہ خرید سکتے تھے۔ چنانچہ بنگال میں اسی وجہ سے قحط پڑا اور لاکھوں آدمی بھوک سے مر گئے۔ اگرچہ اب لڑائی ختم ہو چکی ہے پھر بھی حالات کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوئی۔ ہندوستان کی غذا کا دارومدار مون سون پر ہے۔ اگر بارش نہ ہو تو اناج بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پچھلے دو سال سے ہندوستان میں بارش اچھی طرح نہیں ہوئی اسلئے یہاں کی فصلیں خراب ہوگئیں۔

ہندوستان کے غذائی مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف تو اناج پیدا کرنے اور بانٹنے کا سوال ہے دوسری طرف یہ کہ لوگ اتنے غریب ہیں کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے اناج کافی مقدار میں نہیں خرید سکتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ملک کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی فاقوں کا شکار ہوتی ہے۔ اور انھیں وہ غذا نہیں ملتی جو ملنی چاہئے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر سال ہندوستان کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کو کھلانے کے لئے اور زیادہ اناج کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے اناج پیدا کرنے کا سوال لو۔ دیکھنا یہ ہے کہ اناج کی پیداوار کس طرح بڑھائی جا سکتی ہے۔ اس وقت ہندوستان کی تقریباً ۱/۲ زمین

بیکار پڑی ہے۔ اگر اس تمام علاقے میں اناج بو دیا جائے تو ہمارے لئے کافی ہو۔ ہماری جو زمین زیر کاشت ہے وہاں بھی اور ملکوں کے مقابلہ میں بہت کم فصل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کسان انھیں پرانے طریقوں پر بوتے جوتتے چلے آ رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے وقت بھی زیادہ لگتا ہے اور محنت بھی۔ کسانوں کو جدید آلات کے ذریعے کاشت کرنے کی تعلیم دینی چاہئے۔ اس کام کے لئے انجمنیں قائم ہونی چاہئیں۔ جو گاؤں گاؤں جا کر بتائیں کہ ٹریکٹر کس طرح استعمال ہوتے ہیں۔ فصل کو بیماری سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے مل جل کر بڑے پیمانے پر کھیتی کرنے کے کیا فائدے ہیں اسکے علاوہ حکومت کو اچھے بیج فراہم کرنے چاہئیں۔ اور بارش پر بھروسہ کرنے کی بجائے۔ آبپاشی کے لئے نہریں۔ کنوئیں اور تالاب وغیرہ بنوانے چاہئیں۔

مشینوں کے استعمال کی وجہ سے کھیت میں کم آدمیوں کی ضرورت ہوگی اور جو مزدور فالتو بچ جائیں گے وہ یا تو کوئی چھوٹی موٹی دستکاری شروع کر دیں یا اب جو ہندوستان میں نئے نئے کارخانے کھل رہے ہیں ان میں کام کریں۔ اس طرح سے بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا۔

اور لوگوں کا معیار زندگی بھی اونچا ہو جائے گا۔ اور جلد ہی ہمارے ملک کے لوگ بھی خوشحالی میں اور ملکوں کے لوگوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔

ان طریقوں سے اناج کی پیداوار بہت حد تک بڑھ جائے گی۔ اب حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ یہ اناج کس طرح بانٹا جائے۔ ان صوبوں میں جہاں زیادہ اناج نہیں بویا جا سکتا دوسرے صوبوں سے اناج بھجوانا چاہئے۔ صوبائی اور مرکزی حکومت کو اس سلسلے میں پورے تعاون سے کام لینا پڑیگا۔ نفع بازی کے خلاف سخت قانون نافذ ہونے چاہئیں۔ تمام ملک میں راشن بندی ہونی چاہئے۔ یہ تمام انتظام جب ہی مکمل ہو سکتے ہیں جب ہم سب لوگ ہاتھ بٹالیں۔

خالدہ مسرت

بہار

رقبہ	۶۹۰۳۸۸ مربع میل
آبادی	۳۶۰۳۴۰۰۰۰
	(۸۰فیصدی ہندو اور دس فیصدی مسلمان)
دارالسلطنت ہند کی آبادی	۱۷۵۰۷۰۶

بہار، جسے روشن خیالوں کا ملک کہتے ہیں، بدھ مت اور جین مت کی پیدائش کی جگہ ہے۔ بہار یا دہار کے معنی ہیں خانقاہ۔ اس کا نام پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ تیرھویں صدی کے شروع تک یہاں بدھ خانقاہوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ آخر مسلمان فاتح خلجی کے حملے کے بعد بدھ مذہب کا زور ختم ہو گیا اور اب اس کا اثر صرف ایک شہر میں ہے۔

۱۹۱۲ء تک بہار بنگال کا حصہ تھا۔ اب یہ ایک الگ صوبہ ہے۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا جنوبی حصہ الگ کر کے اڑیسہ کا صوبہ بنا دیا گیا۔ پھر بھی بہار کا رقبہ اتنا ہے کہ وہ ہندوستان کے بڑے صوبوں میں گنا جاتا ہے۔ کوئلہ، لوہا اور ہائیڈرو الکٹرسیٹی کی افراط کی وجہ سے یہاں صنعت کے امکانات جتنے اچھے ہیں اتنے مشرق میں کہیں نہیں۔

معدنیات کی افراط کے باوجود بہار کی اسی فی صدی آبادی کی گذر اوقات کھیتی باڑی پر ہے۔ شمالی حصے کی مٹی بڑی زرخیز ہے۔ آدھی سے زیادہ زمین میں دھان کی کھیتی ہوتی ہے۔ کاشت کے قابل زمین کے ⅓ حصے میں گیہوں، جو اور مکئی وغیرہ کی فصل ہوتی ہے۔ تقریباً پندرہ لاکھ ایکڑ زمین میں تیل کے بیج پیدا ہوتے ہیں۔ بہار شکر کی پیداوار کے لئے بھی مشہور ہے۔ ہندوستان دنیا بھر میں سب سے زیادہ شکر پیدا کرتا ہے۔ اس پیداوار کا ⅓ حصہ بہار سے آتا ہے۔ ایک فصل میں کسانوں سے چار کروڑ روپے کا گنا خریدا گیا تھا۔ شکر کے ۳۱ کارخانے ہیں جن میں بہت سے مزدور اور پڑھے لکھے آدمی کام کرتے ہیں۔ تجارتی فصلوں میں سن اور تمباکو بھی قابلِ ذکر ہیں۔ اب بہار میں سگرٹ کا ایک کارخانہ کھل گیا ہے جو دنیا کے سب سے بڑے کارخانوں میں ہے۔ اسلئے تمباکو کی کاشت بہت بڑھ گئی ہے۔

معدنیات کی افراط کی وجہ سے بہت سے صنعتی کارخانے کھل گئے ہیں۔ کوئلے کی پیداوار سب سے اہم ہے۔ ہندوستان میں لوہے کی سب سے زیادہ کانیں بہار میں ہیں۔ اس کی وجہ سے لوہے اور فولاد کا ایک کارخانہ قائم ہو گیا ہے جہاں ہر قسم کی

مشینیں، ریل کے انجنوں کے پہیئے، ریل کی پٹریاں، زراعتی اوزار اور دوسری کارآمد چیزیں بنتی ہیں۔ ابرق کی پیداوار بھی سب سے زیادہ بہار ہی میں ہوتی ہے۔ ابرق کی کانوں کی ساٹھ میل لمبی اور ۱۲-۱۴ میل چوڑی پٹی صوبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں کے کاریگر ابرق توڑنے میں دنیا بھر میں سب سے زیادہ ماہر ہوتے ہیں۔

سنہ ۵۵ ق م سے کر ۶۵۰ء تک ہندوستان کی جو تاریخ ملتی ہے وہ دراصل بہار کی تاریخ تھی اسے اس زمانے میں مگدھ کہتے تھے غیر ملکی سیاحوں کے لئے ہندوستان کی شاہی شوکت کا مرکز موریہ اور گپتا راجاؤں کی سلطنتیں تھیں جن کی راجدھانی پٹنہ کے نزدیک پاٹلی پتر تھی۔ پاٹلی پتر شہنشاہ ہرش، چندرگپت اور سب سے زیادہ مشہور اور ہر دلعزیز اشوک اعظم کی راجدھانی بھی تھی جس نے بدھ مت کا پیغام دنیا بھر میں پھیلایا۔ اب پٹنہ میں تاریخی اہمیت کی کوئی چیز نہیں ہے۔ صرف ایک ڈگری کی بڑی سی عمارت ہے جس کی گولائی ۴۳۰ فٹ ہے۔ اس کی ۱۲ فٹ موٹی دیواروں کی اونچائی ۹۰ فٹ ہے۔ یہ اناج کا گودام تھا۔ اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بہار پر کبھی آفتیں پڑی ہیں۔ یہاں قحط بھی پڑے ہیں اور ۱۹۳۴ء کا زلزلہ تباہی کے بہت سامان ساتھ لایا تھا۔

گیا اور بدھ گیا مقدس شہر ہیں۔ گیا ہندوؤں کی تیرتھ ہے اور بدھ گیا بدھوں کی۔ یہیں ایک درخت کے نیچے گوتم بدھ کو نروان ملا تھا۔ پٹنہ سے ساٹھ میل جنوب میں راجگیر ہے جہاں گوتم بدھ اور جین مت کے بانی مہابیر سوامی نے تیاگ کی زندگی بسر کی تھی۔ اب بھی راجگیر کی پہاڑیوں کا جھرمٹ تبتی اور نیپالی لوگوں کے لئے تیرتھ کی جگہ ہے۔ جہاں وہ ان ویران بلندیوں کی زیارت کرتے ہیں۔ جہاں کسی زمانے میں گوتم بدھ کے قدم پڑے تھے۔ ان پہاڑیوں سے گھری ہوئی زرخیز وادی میں کسی زمانے میں مگدھ کی راجدھانی تھی۔ راجگیر گرم اور گندھک کے چشموں کے لئے بھی مشہور ہے۔ یہاں بہت سے لوگ جسمانی کمزوریوں کا علاج کرنے آتے ہیں۔

راجگیر سے آٹھ میل کے فاصلے پر بدھ یونیورسٹی نالندہ کے آثار ہیں۔ چینی سیاح ہیون سانگ کے بیان کے مطابق ساتویں صدی عیسوی میں یہ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔ ہندوستان اور مشرق کے ہر حصے سے طالب علم یہاں آتے تھے۔ اس میں دس ہزار طالبعلموں کی جگہ تھی ❊

ہماری خدمت کرنے والے

پریس

از۔ عزیز احمد

میرا خیال ہے کہ روز صبح کو تمہارے ہاں اخبار آتا ہوگا اور تمہارے ابا جان تمہیں پڑھ کر سناتے ہوں گے کہ ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے، امن کانفرنس میں کیا بحث و مباحثے ہوئے۔ ایٹم بم کے تجربے کیسے رہے، ملک میں سوشل اور سیاسی دلچسپیاں کیا ہیں اور ایسی ہی بہت سی دوسری باتیں جنھیں کسی بات میں دلچسپی ہو، اسکا ذکر اخبار میں ضرور مل جائیگا۔ ہزاروں میل دور کی خبریں ذرا دیر میں تمہارے پاس پہونچ جاتی ہیں۔ اور ان تمام عجیب غریب خبروں کے لئے تمہیں صرف دو ایک آنے خرچ کرنا پڑتے ہیں۔ حیرت انگیز بات ہے نا؟

جانتے ہو کہ اتنی بہت سی خبریں اتنی ذرا سی دیر میں کس طرح جمع کر کے، چھاپ کر تمہارے پاس پہونچا[illegible] جاتی ہیں؟ آؤ، میں تمہیں بتاؤں۔

اخباروں میں [illegible] خبریں چھپتی ہیں وہ زیادہ تر خبروں کی ایجنسیوں کے ذریعہ حاصل کی جاتی [illegible] رائٹر، گلوب اور ایسوسی ایٹڈ پریس وغیرہ۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ [illegible] خبر [illegible] آخر میں ان میں سے کوئی لفظ لکھا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا [illegible] سے بڑے
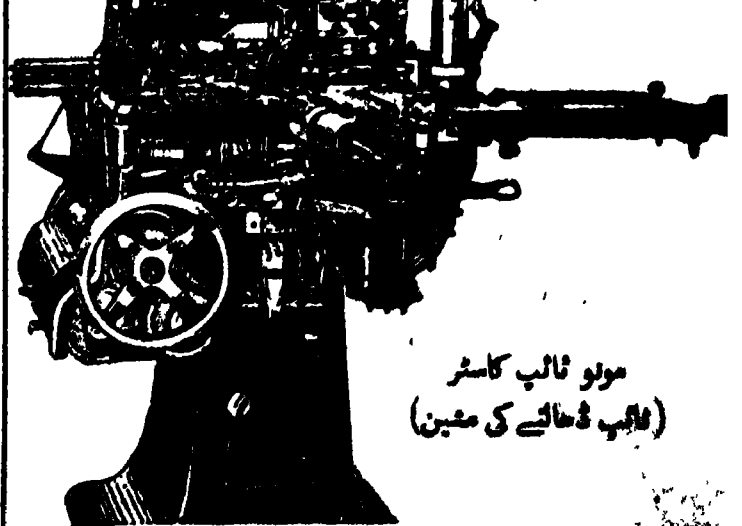
مونو ٹائپ کاسٹر
(ٹائپ ڈھالنے کی مشین)

اخبار چھاپنے کی روٹری مشین

بڑے اخبار مشہور جگہوں پر اپنے خاص نامہ نگار بھی رکھتے ہیں۔ تم نے بہت سی خبروں کے اوپر لکھا دیکھا ہوگا: "خاص نامہ نگار کے قلم سے"

اخبار یا خبروں کی ایجنسی کے نامہ نگار ہمیشہ چوکس رہتے ہیں۔ وہ ہر ایسی جگہ موجود ہوتے ہیں جہاں انھیں کوئی خبر ملنے کی امید ہوتی ہے۔ ہر اہم جلسے، کانفرنس، تقریب، میچ اور جلوس میں یہ نامہ نگار یا رپورٹر نظر آتے ہیں جیسے ہی انھیں کسی ایسی بات کا پتہ چلتا ہے جو اخبار پڑھنے والوں کے لئے دلچسپ ہو، وہ جلد سے جلد اسکی اطلاع اپنے دفتر کو دیتے ہیں۔ یہ اطلاع ٹیلی فون، تار، سمندری تار، یا خاص پیامبر کے ذریعہ بھیجی جاتی ہے۔ دفتر میں اطلاع سے ایک رپورٹ تیار کی جاتی ہے۔

اب یہ رپورٹ ٹیلی پرنٹر نامی مشین کے ذریعہ مختلف اخباروں کے دفتروں کو بھیجی جاتی ہے۔ یہ مشین ٹائپ رائٹر کی طرح کی ہوتی ہے۔ خبروں کی ایجنسی کے دفتر میں آپریٹر اس مشین پر رپورٹ ٹائپ کرتا ہے۔ اور رپورٹ ان تمام اخباروں کے دفتر میں چھپتی جاتی ہے جو اس ایجنسی کے ممبر ہوں۔

اخبار کے دفتر میں یہ رپورٹ پھر سے مرتب کی جاتی ہے۔ نائب مدیر اسے پڑھ کر اس میں سے ایسی باتیں نکال دیتا ہے جو اس کے پڑھنے والوں کے لئے دلچسپ نہیں ہوتیں۔ پھر وہ خبر کو اپنے انداز میں لکھتا ہے اور ضروری تبدیلیاں کر لیتا ہے۔ اب خبر چھپنے کے لئے تیار ہے۔ اس لئے یہ پریس میں کمپوزیٹر کو بھیج دی جاتی ہے۔

کمپوزیٹر جس مشین پر کام کرتا ہے وہ لینوٹائپ کہلاتی ہے۔ یہ بھی ٹائپ رائٹر کی طرح ہوتی ہے جس طرح ہم ٹائپ رائٹر کا بٹن دباتے ہیں اسی طرح کمپوزیٹر اس مشین کا بٹن دباتا ہے اور مشین آپ سے آپ سطروں کے ٹائپ کی لائنیں ڈھال دیتی ہے۔ اس کے بعد یہ لائنیں کالموں کی شکل میں ترتیب دی جاتی ہیں جیسا کہ تم اخباروں میں دیکھتے ہو۔ پھر یہ کالم صفحے کی شکل میں مرتب کر لئے جاتے ہیں۔ اب اخبار چھپنے کے لئے تیار ہے۔

چھپنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اخبار میں غلطیاں تو نہیں ہیں۔ اسلئے پروف نکالے جاتے ہیں۔ اس کے لئے ٹائپ کے اوپر روشنائی کا ایک بیلن پھیرا جاتا ہے۔ اور اس پر کاغذ رکھ کر دبایا جاتا ہے تو ٹائپ کاغذ پر چھپ جاتے ہیں۔ پروف ریڈر بڑے غور سے پروف پڑھتے ہیں۔ وہ اگر کہیں غلطیاں ہوتی ہیں تو ان پر نشان لگا دیتے ہیں۔ پھر کمپوزیٹر غلطیاں درست کرتا ہے۔ چھپنے سے پہلے ہر صفحے کی غلطیاں کئی کئی دفعہ ٹھیک کی جاتی ہیں۔

اب اخبار چھپنے بھیج دیا جاتا ہے۔ جو مشین اسے چھاپتی ہے وہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ نیوز پرنٹ کاغذ کے پلندے مشین میں لگا دئے جاتے ہیں اور مشین آپ سے آپ چھاپتی ہے، روشنائی خشک کرتی ہے، کاغذ کاٹتی ہے، اخبار کو تہ کر کے لپیٹتی ہے اور لفافے پر خریدار کا پتہ چھاپ دیتی ہے۔ جب اخبار مشین سے نکلتا ہے تو ڈاک میں جانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

جس شہر میں اخبار چھپتا ہے وہاں اسے پھیری والے بیچتے ہیں جیسے وہ آدمی جو تمہارے ابا جان کے لئے اخبار لاتا ہے۔ دوسرے شہروں کو بھیجنے کے لئے فاصلے کے مطابق ڈاک، ریل یا ہوائی جہاز کا استعمال ہوتا ہے۔ بعض اخباروں کے پاس اپنے ہوائی جہاز اور موٹریں ہیں۔

تو دیکھا تم نے کہ اخبار کی تیاری میں کتنا جھنجھٹ ہوتا ہے لیکن سارا کام اتنی تیزی سے اور اتنے قاعدے سے ہوتا ہے کہ خبر واقعہ کے چند ہی گھنٹوں بعد تمہارے پاس پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ جن لوگوں نے اخبار کی تیاری میں

حصہ لیا تھا انھیں کتنی محنت کرنی پڑی تھی۔ یہ لوگ "پریس" کہلاتے ہیں۔

خبریں دینے کے علاوہ پریس اور بہت مفید کام کرتا ہے۔ یہ ہمارے شہری حقوق کیلئے لڑتا ہے، اخلاقی اور سماجی ترقی کی کوشش کرتا ہے اور عوام پر اثر ہونے کی وجہ حکومت کی تجویزوں کو مقبول بنانے میں مدد دیتا ہے جیسے بعد جنگ کی تجویزیں یا دیہات سدھار کی تجویزیں۔

اخبار اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اچھا اخبار ساری خبریں ایمانداری کے ساتھ چھاپ دیتا ہے۔ اسکا ایڈیٹر جو محسوس کرتا ہے ایمانداری سے کہہ دیتا ہے اور جھگڑے فساد کے موقع پر دونوں پارٹیوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایک سے زیادہ اخبار پڑھ کر خود دیکھا جائے کہ سچی بات کیا ہے۔ کسی افواہ پر صرف اسلئے بھروسہ مت کرو کیونکہ تم نے اسے اخبار میں پڑھا ہے۔ اچھے اخباروں کا ہم پر بڑا احسان ہے اور ہمیں اس میں کام کرنے والوں کی محنت اور خلوص کے لئے شکرگزار ہونا چاہیئے۔

تین خواہشیں

ایک نیک آدمی نے مرتے وقت اپنے بچوں حسن حسین اور ریاض کو بلایا۔ وہ تینوں آکر غمگین کھڑے ہو گئے تو اس نے کہنا شروع کیا: "میرے بچو! میں امیر آدمی نہیں ہوں، لیکن پھر بھی میں تم لوگوں کے لئے کچھ چھوڑ سکتا ہوں۔ عرصہ ہوا میں نے ایک درویش کی خدمت کی تھی جس کے عوض اس نے مجھے یہ طاقت دی تھی کہ میں اپنے کنبے کے ہر شخص کی ایک ایک خواہش پوری کر دوں لیکن شرط یہ ہے کہ خواہش میری کبھی نہ" کرے۔ اچھا اب میں شامل ہوں حسن! تم سب سے بڑے ہو۔ تمہاری کیا خواہش ہے؟

حسن ایک کاہل سست نوجوان تھا۔ اس نے جواب دیا "میں چاہتا ہوں کہ میں غریب کبھی نہ رہوں۔" اس کا باپ اداس سا ہو گیا اور اس نے آہ بھری "اور حسین تم؟" اس نے پوچھا حسین لالچی لڑکا تھا۔ اس نے یہ خواہش کی کہ وہ کبھی بھوکا نہ رہے۔ افسردہ ہو کر بوڑھا آدمی سب سے چھوٹے لڑکے کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میں بے غم کبھی نہ رہوں۔" ریاض نے کہا۔ بوڑھے کے چہرے پر چمک پیدا ہو گئی۔ "اب میں خوش خوش مر سکتا ہوں۔" اس نے کہا اور سب کو دعائیں دیں لیکن ریاض کو دعا دیتے وقت اس نے خاص محبت دکھائی۔

جب بوڑھا مر گیا تو تینوں لڑکے اپنی اپنی راہ چلے اور زمانہ گزر گیا۔ سب سے بڑا لڑکا حسن اداس نظر آتا تھا۔ وہ خوش نہیں تھا کیونکہ وہ غریب ہوتے ہوئے بھی کبھی امیر نہ تھا اور ہمیشہ دولت کی آرزو میں رہا۔ حسین بھی کبھی بھوکا نہیں رہا لیکن وہ بھی خوش نہ ہو سکا کیونکہ اسے بھوک ہی نہ لگتی تھی۔

لیکن ریاض خوش تھا۔ وہ غریب تھا اور کبھی بھوکا بھی رہتا تھا لیکن اس سے زیادہ غریب لوگ اپنے مال میں اس کا حصہ لگا لیتے تھے۔ اس کی خواہش پوری ہوئی اور وہ کبھی بے غم نہیں ہوا۔ مطلب یہ کہ وہ ہمیشہ رحم دل رہا۔ بگڑے انسان بھی اس کے سامنے مسکرانے لگتے تھے اور جانور بھی اس سے محبت کرتے تھے۔

ایک دن جب سخت جاڑا پڑ رہا تھا، ریاض بہت تھکا ہوا گھر جا رہا تھا۔ اپنے کام سے چلا تھا۔ اتنے میں اسے سڑک کے کنارے سے ایک آواز سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو اسے ایک بوڑھا فقیر جاڑے کے مارے ٹھنڈ سے کانپتا نظر آیا۔

"اللہ کی راہ میں، کپڑا اور کھانا!" فقیر نے صدا لگائی۔ ریاض نے فوراً اپنا کوٹ اتار کر فقیر کو پہنا دیا اور ناشتہ دان اس کے سامنے رکھ دیا۔ فقیر نے ایک ہی نوالہ کھایا تھا کہ ریاض کیا دیکھتا ہے کہ بھونڈی شکل کے بوڑھے فقیر کی جگہ ایک خوبصورت اور بارعب درویش سڑک کے کنارے کھڑا ہے۔

"تم نیک باپ کے لائق بیٹے ہو۔" اس نے کہا: "میں جانتا تھا کہ تم یہ انعام حاصل کرو گے۔ بولو تم کیا چاہتے ہو۔ تمہاری ایک خواہش پوری کی جائے گی چاہے وہ کچھ ہو۔"

"پہلے میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔" ریاض نے کہا: "کیا میرے پیارے بھائی خوش ہیں؟"

"تم انہیں پیارے کہتے ہو لیکن انہیں بھی کبھی تمہارا خیال آتا ہے؟" درویش نے پوچھا۔

"وہ کچھ کریں یا سوچیں۔ پھر بھی وہ میرے پیارے بھائی ہیں۔" ریاض بولا۔ "مہربانی کر کے بتائیے کہ کیا حسن بھائی خوش ہیں؟"

"جسکا دل دولت میں لگا ہو وہ کیسے خوش ہو سکتا ہے؟" درویش نے جواب دیا۔

"اور حسین بھائی؟" ریاض نے ٹھنڈی آہ بھر کر پوچھا۔

"نالچی آدمی جس کو کبھی بھوک نہ لگے، وہ کبھی خوش بھی ہو سکتا ہے؟ اب تم اپنی خواہش بتاؤ۔" درویش نے پوچھا۔

"میری خواہش ہے کہ میرے بھائی بھی میری طرح خوش ہو جائیں۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" درویش نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ [illegible]یا۔ آن کی آن میں حسن اور حسین وہاں پہنچ گئے۔ [illegible]دونوں سخت پریشان نظر آتے تھے۔ اپنے بھائی کے [illegible]ہونٹوں پر ہنسی دیکھ کر انہیں کچھ اطمینان ہوا۔ آنکھوں [illegible]میں آنسو بھر کر انھوں نے ریاض کو گلے لگایا۔ "تمہاری [illegible]ہنسی وہ دولت ہے جسے میں اب تک تلاش کرتا رہا۔" حسن نے کہا۔ اور حسین بولا "میرے پیارے ریاض مجھے صرف تم سے ملنے کی بھوک تھی۔"

عزیز ممبران!

ہماری نوڈے لیگ بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ نہ صرف ہمارے ملک کے بلکہ غیر ممالک کے بھی بہت سے بچے ممبر ہو گئے ہیں۔ ٹکٹ جمع کرنے والوں کا کلب بھی بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ بہت سے بچوں نے اپنے ٹکٹ پہچاننے کے لئے بھیجے۔ قلمی دوستی اور ٹکٹوں کا تبادلہ بھی بہت مقبول ہوا ہے۔
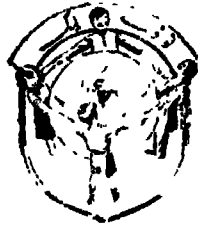
پچھلے مہینے میں نے تم سے تصویروں کی کتاب بنانے کے بارے میں جو کہا تھا اس کا کیا رہا؟ مجھے امید ہے کہ تم لوگ اسے بنا رہے ہو گے۔

ہمارے چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:-

(۲۰۷) اعظم ابراہیم باوامیاں۔ رندیر۔ (۲۰۸) کرانتی بائی اگروال۔ رائے پور (۲۰۹) ذوالفقار علی شیخ۔ نئی دہلی (۲۱۰) ڈیزی مہری۔ مرادآباد (۲۱۱) ممتاز ریچل۔ ماڑی انڈس (۲۱۲) منیرالدین رضوی۔ اودے پور۔ (۲۱۳) ممتاز حسین روہتک (۲۱۴) اندر کمار۔ حیدرآباد (دکن) (۲۱۵) مہیش لنڈوانی۔ لاہور۔ (۲۱۶) ظفر علی خاں شیروانی۔ بدایوں (۲۱۷) راجندر سنگھ لائلپور (۲۱۸) محمد یوسف ایم موجیوالا۔ بمبئی (۲۱۹) ایچ۔ آر۔ کریم۔ بھاگلپور (۲۲۰) مبین الرحمٰن جبل پور (۲۲۱) نسرین۔ امرتسر (۲۲۲) ظہورالدین احمد صدیقی۔ مظفر نگر (۲۲۳) ستیش پنشی۔ لاہور (۲۲۴) کلونت سنگھ۔ جالندھر (۲۲۵) ایس۔ ایتھراج۔ پڑمبوٹ (۲۲۶) حاجی مرزا منظور احمد۔ قلعہ دیدار سنگھ (۲۲۷) منظور الٰہی خاں۔ سعبنڈہ (۲۲۸) نصرت آرا۔ بنوں۔ (۲۲۹) سید معراج الدین احمد رضوی۔ رفیع گنج۔ (۲۳۰) تارا چند۔ بہاولپور (۲۳۱) ہرپریت سنگھ سیدلیو۔ فیروزپور چھاؤنی (۲۳۲) سید محمد عرفان۔ ٹونک راج (۲۳۳) حسن پرویز۔ جدہ (عرب) (۲۳۴) سید یوسف احمد احمدی۔ مظفرپور (۲۳۵) امداد الٰہی۔ لکھنؤ۔ (۲۳۶) صدرالنساء خانم۔ کسن گنج (۲۳۷) یاسمین بانو۔ بھاگلپور

خالہ۔ مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

لائف بوائے
وہ اسکول جا رہا ہے، وہاں سے وہ کیا لے کر
کسی بیماری کے جراثیم۔ ماں اپنے چھوٹے سے بچے کو ان سب چیزوں کی بھیجتی ہے
جو اس نے اسے سکھائی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم لائف بوائے صابن کا روزانہ استعمال ہے،
جو میل کے اس خطرہ سے حفاظت کرتا ہے جو تندرست سے
تندرست بچوں کو بھی جراثیم اور بیماری کے متعلق لاحق رہتا ہے۔
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED
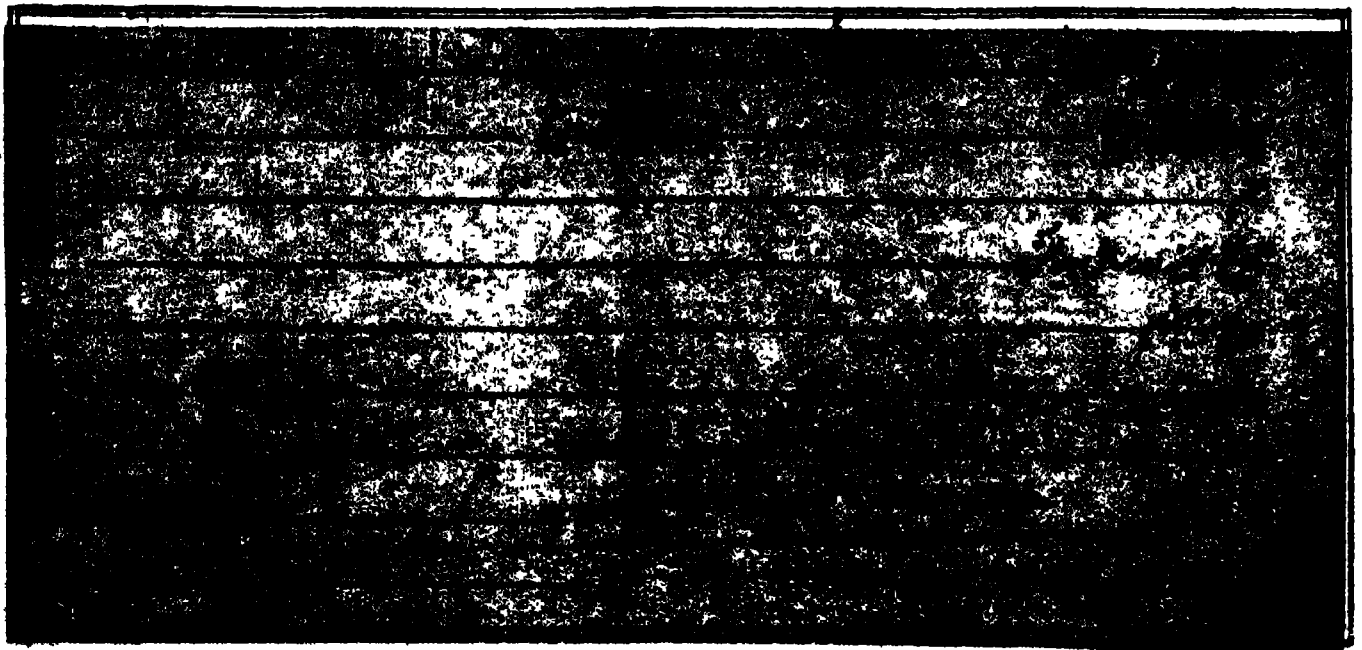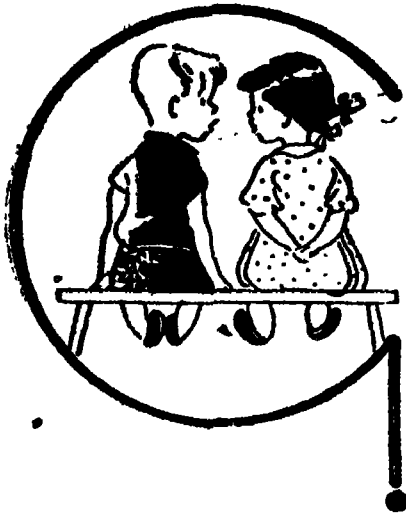
کیا آپ جانتے ہیں

کچھ مچھلیاں اڑ سکتی ہیں؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مچھلیاں صرف پانی میں تیر سکتی ہیں لیکن بہت سی مچھلیاں اڑ بھی سکتی ہیں۔ یہی مچھلیاں تقریباً تمام گرم سمندروں میں پائی جاتی ہیں۔ جب کوئی دشمن ان کا پیچھا کرتا ہے تو وہ پانی کی سطح سے اوپر اٹھ کر ہوا میں اڑنے لگتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ اتنی اونچی اڑتی ہیں کہ کسی گزرتے ہوئے جہاز کے عرشے پر جا پڑیں۔

بعض سانپ بہت طاقتور ہوتے ہیں؟

اژدہا ایک بہت بڑا سانپ ہے جو زیادہ تر جزائر الہند میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی بیس سے تیس فٹ تک ہوتی ہے۔ یہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ ریچھ جیسے بڑے بڑے جانوروں کی ہڈی پسلی چور کر دیتا ہے۔ اس کا منہ اور جبڑا اتنا لچکدار ہوتا ہے کہ یہ اپنے سے کئی گنا بڑے جانور نگل جاتا ہے۔ ایک دفعہ کسی چڑیا گھر میں ایک اژدہے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہوا تو سات آدمیوں نے مل کر اسے اٹھایا تھا۔

چیونٹیاں گائیں پالتی ہیں؟

درختوں پر رینگنے والے کیڑوں میں ایک قسم ایسے کیڑوں کی ہے جن کے جسم سے میٹھا شہد سا نکلتا ہے چیونٹیاں ان کیڑوں کو پال کر یہ شہد استعمال کرتی ہیں اور انکی دیکھ بھال اسی طرح کرتی ہیں جس طرح انسان گائے بھینس کی کرتا ہے۔

بعض درختوں کی اونچائی تین سو فٹ ہے؟

کیلیفورنیا میں کچھ درخت ایسے ہیں جو صدیوں پرانے خیال کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی اونچائی تین سو فٹ ہے۔ حکومت کی طرف سے ان درختوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک درخت کے تنے میں اتنی بڑی محراب کاٹی گئی ہے کہ بڑی بڑی گاڑیاں آسانی سے اس کے اندر سے گزر جاتی ہیں۔ صفحہ ۱ پر اس کی تصویر دیکھئے۔

مکڑیاں چڑیاں کھا سکتی ہیں؟

بعض گرم ملکوں میں بہت بڑی بڑی مکڑیاں پائی جاتی ہیں جن کی شکل بہت خوفناک ہوتی ہے۔ ان کی لمبائی سات انچ ہوتی ہے۔ وہ زیادہ تر زمین کے اندر رہتی ہیں۔ عام طور پر ان کی گزر اوقات کیڑوں مکوڑوں پر ہے لیکن کبھی کبھی وہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں بھی کھا لیتی ہیں۔

کسی زمانے میں کتابیں زنجیروں میں باندھ کر رکھی جاتی تھیں؟

چند صدیوں پہلے چھپی ہوئی کتابیں اتنی کمیاب اور مہنگی تھیں کہ وہ زنجیروں میں باندھ کر رکھی جاتی تھیں تاکہ وہ چرائی نہ جا سکیں۔ برطانیہ میں اب بھی دو ایک لائبریریاں ایسی ہیں جن میں کتابیں زنجیروں میں باندھ کر رکھی ہوئی ہیں۔ یہ ڈھائی سو برس قبل لکھائی گئی تھیں۔

واسکا بلّی اور ٹریکہ کتا

(ایک روسی کہانی: حصّۂ دوئم)

واسکا بلّی اور ٹریکہ کتّے کو اپنے مالک مارٹن سے بہت محبت تھی کیونکہ اس نے انھیں مصیبت اور موت سے بچایا تھا۔ اب مارٹن سخت مصیبت میں تھا۔ وہ ایک مینار کے سرے پر قید میں فاقے کر رہا تھا۔ واسکا اور ٹریکہ اس کی جان بچانے پر آمادہ تھے۔ وہ کر کیا سکتے تھے؟ ٹریکہ غرّاتا تھا اور دانت نکالتا تھا۔ اپنے مالک کے ساتھ اس برے برتاؤ پر اسے اتنا غصّہ تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ ہر کسی کو کاٹ کے ٹکڑے کر دے۔ واسکا خاموش بیٹھی اپنے مخملی پنجوں سے کان کھجا رہی تھی۔ پہلے اس نے دایاں کان کھجایا پھر بایاں۔ وہ بہت غور سے سوچ رہی تھی۔ جلد ہی چالاک بلّی کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی اور اس نے ٹریکہ سے کہا: "میں بتاؤں کیا کرنا چاہئے۔ آؤ شہر چلیں اور اگر راستے میں نانبائی سر پر روٹیوں کا ٹوکرا رکھے ہوئے ملے تو تم اسکی ٹانگوں میں گھس کر اسے گرا دو۔ اس کے گرنے سے ٹوکرے کی ساری روٹیاں بکھر جائیں گی۔ میں تمہارے پیچھے لگی رہوں گی اور روٹیاں اٹھا کر مالک کے پاس بھاگ جاؤں گی۔"

تھوڑی دیر میں انھیں ایک نانبائی نظر آیا جو آواز لگا رہا تھا۔ "روٹیاں، گرم گرم تنوری روٹیاں۔" ٹریکہ بھاگتا ہوا اسکی ٹانگوں کے بیچ میں گھس گیا۔ اسے ٹھوکر لگی اور ساری روٹیاں زمین پر بکھر گئیں۔ اسے اتنا غصّہ آیا کہ وہ ٹریکہ کے پیچھے بھاگا۔ اتنی دیر میں واسکا نے بہت سی روٹیاں لے جا کر ایک جھاڑی میں چھپا دیں۔ بعد میں وہ اور ٹریکہ روٹیاں اس مینار تک لے گئے جہاں مارٹن قید تھا۔ واسکا فوراً چھلانگ مار کر اوپر کی کھڑکی میں پہونچی اور شیشہ کھٹکھٹا کر بولی: "مالک! زندہ ہو؟" "جان لبوں پر ہے۔" مارٹن نے جواب دیا۔ "بھوک سے تڑپ رہا ہوں اور تھوڑی دیر میں جان نکلا چاہتی ہے۔"

"بالکل نہیں۔" واسکا نے زور سے کہا: "ذرا ٹھیرئیے۔ دیکھئے میں اور ٹریکہ آپ کیلئے کیا لائے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے روٹیوں کا ایک ڈھیر مارٹن کے سامنے لگا دیا: "کوشش کر کے ان روٹیوں کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک چلائیے کیونکہ میں اور ٹریکہ اب زمین کے اندر کی سلطنت میں جا کر آپ کی جادو کی انگوٹھی لائیں گے۔ خدا حافظ۔" واسکا نے اپنے مالک کے بازو سے اپنا بدن رگڑا اور نیچے بھاگ گئی جہاں ٹریکہ کھڑا ہوا اپنے مالک کی آواز سنکر خوشی سے غرّا رہا تھا۔

دونوں دوست جلدی سے روانہ ہوئے۔ ان کو خبریں سونگھنے میں کمال حاصل تھا۔ اسکی وجہ سے راستہ معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ پھر انھوں نے لوگوں کی باتوں پر کان لگائے اور راستے کے تمام کتّوں اور بلّیوں سے دوستی گانٹھی آخر وہ اس سلطنت میں پہونچ گئے جہاں شہزادی رہتی تھی۔

فوراً وہ شہزادی کے محل میں پہونچے۔ انھوں نے محل کے تمام کتّوں اور بلّیوں سے دوستی کر لی اور ان سے شہزادی کے متعلق طرح طرح کے سوال کئے باتوں باتوں میں انھوں نے جادو کی انگوٹھی کا بھی ذکر کیا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو اسکا علم نہیں تھا۔ شہزادی کے پاس بہت سی انگوٹھیاں تھیں۔

ایک دن واسکا شکار کرتے کرتے شاہی خواب گاہ میں پہونچ گئی۔ وہاں اس نے ایک بڑا موٹا تازہ چوہا پکڑا اور اسے کھانے ہی کو تھی کہ چوہا بول اٹھا۔ "ننھی واسکا، خدا کے لئے مجھے نہ مارو۔ مجھے چھوڑ دو تو میں تمہاری بڑی مدد کر سکتا ہوں۔ میں چوہوں کا بادشاہ ہوں۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو میری سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی۔"

واسکا بولی: "اچھا میں تمہیں چھوڑ دوں گی بشرطیکہ تم شہزادی سے جادو کی انگوٹھی مجھے منگوا دو۔ یہ بدمعاش عورت اسے اپنے شوہر یعنی میرے مالک کے پاس سے چرا لائی ہے۔ میں تمہیں اسوقت تک اپنے پنجوں میں آرام سے پکڑے رہوں گی جبتک تم انگوٹھی نہ منگا دو۔" "میں کوشش کرتا ہوں۔" کہکر چوہوں کے بادشاہ نے اپنی تمام رعایا کو طلب کیا۔ چھوٹے بڑے چوہے سب آ کر اسکے گرد جمع ہو گئے۔ وہ بولا: "تم میں جو چوہا شہزادی کی جادو کی انگوٹھی لا دیگا وہ مجھے بے رحم موت سے بچا دیگا اور میں اسے بڑا انعام بخشوں گا۔"

ایک ننھی سی چوہیا اپنے پچھلے پنجوں پر کھڑی ہو کر بولی: "میں نے دیکھا ہے کہ شہزادی ایک انگوٹھی کی بہت احتیاط کرتی ہے۔ دن بھر تو وہ اسے انگلی میں پہنے رہتی ہے لیکن رات کے وقت اسے منہ کے اندر گال کے کونے میں دبا لیتی ہے۔ اگر آپ رات تک

انتظار کرتی میں وہ انگوٹھی لا دونگی۔ یہ کہکر ننھی چوہیا شہزادی کی خوابگاہ میں پہونچ گئی اور ایک گھنٹے تک بیٹھی رہی۔ آخر جب شہزادی سوگئی تو چوہیا نے تکئے سے ایک پر نکالکر شہزادی کی ناک میں ڈالا۔ اس سے شہزادی کو چھینک آگئی اور انگوٹھی منہ سے نکل کر پلنگ کے فرش پر جاگری، ننھی چوہیا بجلی کی طرح تیز تھی۔ اس نے فوراً انگوٹھی لی اور اپنے بادشاہ کی جان بچانے روانہ ہوگئی۔

واسکا اور ٹیرکہ کی خوشی کا حال نہ پوچھو۔ خوشی سے غراتے بھونکتے اور ہنستے ہوئے وہ مارٹن کے مینار کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچ کر واسکا فوراً اوپر چڑھ گئی۔ "مالک زندہ ہو؟" اس نے پوچھا۔ "ہاں زندہ ہوں لیکن بھوک کے مارے جان نکلی جا رہی ہے۔ تین دن سے فاقہ ہے۔"

واسکا بولی: "خیر۔ اب مصیبت کے دن تمام ہوئے۔ ہم جادو کی انگوٹھی لے آئے۔"

مارٹن خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا۔ اسنے بلی کی پیٹھ تھپتھپائی جو مزے سے غرا رہی تھی اور اپنے مالک کے بدن سے بدن رگڑ رہی تھی۔ بیچارہ ٹیرکہ اونچے مینار پر نہیں چڑھ سکتا تھا لیکن خوشی اور شوق سے بھونک بھونک کر کود رہا تھا۔

جادو کی انگوٹھی کی مدد سے مارٹن کو ضرورت کی ہر چیز مل گئی۔ عمدہ کھانے عمدہ ناچ گانا اور ہنسنے بولنے کیلئے دوست۔ لوگوں نے مینار پر گانے بجانے کی آوازیں سنیں انہیں بڑا تعجب ہوا اور وہ بھاگ کر بادشاہ کے پاس گئے۔ "مارٹن کو تو بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا لیکن یہاں تو وہ دوستوں کے ساتھ گلچھرے اڑا رہا ہے۔" انھوں نے بادشاہ سے کہا۔ یہ سنکر بادشاہ خود مینار تک گیا اور جب اسنے گانے بجانے کی آواز سنی تو اسے اتنا تعجب ہوا کہ وہ چکرا کر گر پڑا۔

اتنی دیر میں مارٹن نے جادو کی انگوٹھی کی مدد سے اپنا شاندار محل، اسکے سنہرے گنبد اور بلوری پل سب تیار کر لئے اور شہزادی تک کو محل میں لے آیا۔ پھر مارٹن مینار سے اترا اور اپنے خسر یعنی بادشاہ کا خیر مقدم کیا اور اسے محل میں لے گیا جہاں شہزادی کھڑی کانپ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ مارٹن نے اپنے خسر سے کہا: "آپ کی لڑکی میرے اوپر بڑی مصیبت لائی، اب اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟" "اس سے کہو کہ اپنی بری عادتیں چھوڑ دے، اس پر رحم کرو اور اسے پھر اپنی بیوی بنالو۔" بادشاہ نے کہا۔ مارٹن رحمدل تو تھا ہی، اسنے شہزادی کو بلوا کر کہا کہ اگر وہ اپنی عادتیں ٹھیک کرلے اور وفادار اور محبت کرنے والی بیوی بن جائے تو اسے معاف کردیا جائیگا۔ شہزادی نے وعدہ کیا۔ مارٹن اور اسکی بیوی ہمیشہ اسی شاندار محل ہی میں خوش و خرم رہے جہاں بلوری پل پر سنہری سیبوں کے درخت لگے ہوئے تھے۔

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام!

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

تم لوگوں کے عید کارڈ اور خط پاکر مجھے ازحد خوشی ہوئی افسوس ہے کہ میں ہر خط کا جواب الگ الگ نہ دے سکی۔ فرصت ہی نہ ملی۔ اس لئے اب میں تم سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

تصویر بنانے کے انعامی مقابلہ میں بہت کم بچوں نے شرکت کی۔ اس کا مجھے انتہائی افسوس ہے جو تصویریں آئیں وہ بھی اچھی نہ تھیں۔ اسلئے ہم نے صرف ایک انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ نونہال کا انعام قادیان کی ثریا رفعت کو دیا گیا ہے۔ اور "ڈے" کا جبلپور کے اکرم خاں کو۔

اس مہینے دوسرا کراس ورڈ معمہ دیا جا رہا ہے۔ اس کی ہدایات کو بہت غور سے پڑھنا۔ تمام حل الگ لفافہ میں بھیجنے چاہئیں اور لفافے کے اوپر کراس ورڈ معمہ لکھنا ضروری ہے۔ ورنہ اسے مقابلہ میں شریک نہ کیا جائیگا پچھلی مرتبہ بہت سے حل اسی بنا پر رد کر دئے گئے تھے۔ آئندہ احتیاط ہونی چاہئے۔

تمہاری خالہ
مسرت

[illegible] دہلی۔

خفیہ پیغام

بگی نو۔ یمی پنویم بیق پخنو نگیلب۔

لطیفہ

ایک مسخرے کو کسی واعظ نے نصیحت کی کہ تو نے عمر بھر تمسخر ہی کیا ہے اور موت اور عاقبت کا کبھی خیال نہیں کیا لہٰذا گناہوں سے توبہ کر! ورنہ قیامت کے دن تجھکو اٹھا کر کے ملائکے جائینگے مسخرے نے جواب دیا "فاتحہ" وہ بھی عجب تمسخر ہوگا۔

عبدالحمید خان۔ ناگپور

بینو: ۔۔۔۔۔۔۔ بقیہ صفحہ ۔۔۔

دیکھو میں اپنا رشیمی۔ رومال عطر لگا کے لائی ہوں اسے سر پہ رکھو۔ لو!! کہو اب کیا حال ہے، اچھا ہے نا

بینو۔ اوہ! اوہ!! اچھا! ہاں اچھا!!

نوکر۔ ڈاکٹر صاحب آگئے۔

بینو۔ اماں! ڈاکٹر کو کیوں بلایا۔ میں خود ہی اچھا ہو جاؤنگا۔

ماں:۔ نہیں! دیکھ لینے دو اُسے، تمہیں اس حالت میں کیسے چھوڑ دوں
آئیے ڈاکٹر صاحب بڑی مہربانی کی آپ اتنی جلدی تشریف لائے

ڈاکٹر:۔ کیوں بھئی! کیا بات ہے، یہ کیا حال بنایا ہے ایسی ویسی چیز کھالی ہوگی۔

ماں:۔ نہیں ڈاکٹر صاحب! بات یہ ہے اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔

ڈاکٹر:۔ کچھ نہیں کھایا اور پیٹ درد ہو رہا ہے۔ ذرا معدہ دیکھوں نا۔

۔۔۔۔ (بینو کراہتا ہے) ۔۔۔۔

ڈاکٹر:۔ دیکھو سچ سچ بتاؤ تم نے کچھ ضرور کھایا ہے۔ کھایا تھا نا۔ کوئی تھوڑی سی چیز۔

ماں:۔ نہیں ڈاکٹر صاحب بالکل نہیں، میں جو کہتی ہوں اسنے بالکل کچھ نہیں کھایا۔ روٹھ گیا تھا۔ (بینو پھر کراہتا ہے)

ڈاکٹر:۔ دیکھو سچ سچ بتاؤ تم نے کیا کھایا۔

بینو:۔ اوہ! اوہ!!.... کھایا.... کچھ سموسے، کچھ صندل اور کیوڑے کا شربت اور... پکوڑے... آئس کریم دو بار، اور تھوڑی سی برفی

ڈاکٹر:۔ اور!

بینو:۔ کچھ گلاب جامن اور رس گلے، بس۔

ماں:۔ توبہ! تم کہاں گئے تھے؟

موفی:۔ (غصہ میں) فریبی کہیں کا، دے دو میرا رومال،

بینو:۔ اوہ! اوہ!!

باپ:۔ ہمیں کیسے دھوکا دے گیا؟ ڈاکٹر صاحب آپ جو چاہیں اسے دیں۔

ڈاکٹر:۔ خیر! فی الحال تو اسے کسٹر آئیل کی ایک خوراک دے دینی چاہیئے۔ (بینو کراہتا ہے) چار گھنٹے کے بعد یہ گولیاں (بینو کراہتا ہے)۔ کل یہ بالکل آرام سے لیٹا رہے (بینو کراہتا ہے) کھانے کے لئے اسے کچھ نہ دیا جائے، صرف یخنی یا جوس اور خالی توس (بینو کراہتا ہے)۔ اور پرسوں اگر اس کی حالت اچھی رہی تو بہت تھوڑی سی کھچڑی!

باپ:۔ ٹھیک! بہی ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ!

۔۔۔۔ (بینو لگاتار کراہتا ہے) ۔۔۔۔

نوڈے کراس ورڈ معمّہ

(۲)

قاعدے

(۱) سامنے دیے ہوئے اشارات کی مدد سے خالی خانوں کو بھرنے کی کوشش کرو۔

(۲) حل سادے کاغذ پر بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ حل ہمارے پاس ۱۵ر نومبر ۱۹۴۶ء تک آجانے چاہئیں۔

(۳) حل کے ساتھ کوپن بھر کر بھیجنا ضروری ہے۔

(۴) ایک سے زیادہ حل بھیجے جا سکتے ہیں۔

(۵) جس لفافے میں حل بھیجے جائیں ان پر "نوڈے کراس ورڈ معمّہ" لکھنا ضروری ہے۔ اس لفافے میں حل کے علاوہ اور کچھ نہ رکھنا چاہئے۔

(۶) سب سے پہلے جو دو صحیح حل کھلیں گے ان پر انعام میں کتابیں دی جائیں گی۔

(۷) دسمبر کے نونہال میں معمّے کا صحیح حل شائع کیا جائے گا اور انعام پانے والوں کے ناموں کا اعلان کیا جائے گا۔

(۸) ایڈیٹروں کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا۔

۵	۴ ب		۳	۲ ا	۱
و			ا		۶ ا
ن	۸		م	ر	۷
	ن	۹ ا			پ
	ت		۱۱	ر	۱۰ و
	ر	ر	۱۲ م		ر

کوپن

نام ____________

تاریخ پیدائش ____________

خریداری نمبر ____________

پورا پتہ ____________

اشارات

دائیں سے بائیں

۱- جسم کا ایک حصّہ۔

۴- ــــ کو خوش رکھنا چاہئے (الٹے ہیں)

۶- باپ دادا کی موروثی۔

۷- ــــ آدمی دنیا کو قابو میں کرتا ہے۔

۸- ــــ پر قابو پانا مشکل ہے۔

۹- میں۔

۱۰- ترکہ۔

۱۲- اچھے ــــ کی بات مان لیتے ہیں (الٹے پڑھیے)

اوپر سے نیچے

۱- ہندوستان کا ایک بڑا شہر

۲- ــــ تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بنات کی

۳- دنیا میں رہنا ہے تو ــــ کر کے رہو۔

۵- کام کے وقت ــــ نہیں چاہئے۔

۸- سمجھدار آدمی ــــ دشمن پر یقین نہیں کرتے

۹- بہت آدمیوں کا ــــ قبول کرنا

۱۱- ــــ ہندوستان کا میوہ ہے

پہچان جائیے

پہلی نظر میں چھ بلیاں ایک سی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن در اصل ان میں صرف دو بلیاں ملتی جلتی ہیں۔ کیا انھیں پہچان سکتے ہیں؟

بنائیے

یہ شکل ایک لکیر سے بنائی گئی ہے۔ بنانے میں نہ تو پنسل کاغذ پر سے اٹھائی گئی ہے، نہ کوئی لائن کٹی ہے اور نہ ایک لائن پر سے پنسل دو بار گزری ہے۔ آپ ایسی شکل بنا سکتے ہیں؟

عدد بتائیے

صفیہ: کوئی عدد سوچو۔
سلمیٰ: سوچ لیا۔
صفیہ: اس میں ایک جوڑ دو۔
سلمیٰ: جوڑ دیا۔
صفیہ: ۳ سے ضرب دو۔
سلمیٰ: کر دیا۔
صفیہ: اب دو جوڑ دو۔
سلمیٰ: جوڑ دیا۔
صفیہ: پھر ۳ سے ضرب دو۔
سلمیٰ: کر دیا۔
صفیہ: اب دس گھٹا دو اور جو باقی ہے وہ مجھے بتاؤ۔
سلمیٰ: ۳۹۸
صفیہ: تم نے ۱۰۰ کا عدد سوچا تھا۔
سلمیٰ: ٹھیک ہے۔

صفیہ کو کیسے پتہ چلا کہ سلمیٰ نے ۱۰۰ کا عدد سوچا تھا؟

[illegible]

پچھلے مہینے کے معموں کے حل

(۱) پھولوں کا معمہ

A – 6 , E – 4 , B – 3
C – 2 , D – 1 , F – 5

(۲) لڑکیوں کے نام تلاش کیجیے

Regd. No. L. 5002.
Printed by the United Press, Delhi for ...